اور بے شک آپ اَخلاق کے اَعلیٰ پیمانہ پر ہیں (القرآن)

تعمیرِ اخلاق

اُردو ترجمہ

رسالۃ المُسترشِدین

اَخلاقِ نبوی کو بیان کرنے والی عجیب و غریب کتاب کا اُردو ترجمہ
نکاتِ نادرہ، واقعاتِ مفیدہ، فوائدِ عجیبہ سے مزین، دلوں میں درد،
عمل میں لگن، زندگیوں میں انقلاب برپا کرنے والی کتاب، جو
دو مُستند اسلامی شخصیات کی عملی و علمی زندگیوں کا نچوڑ ہے۔

تالیف: اَبُو عبدُ اللہ حارث بن اَسد محاسبی رحمہ اللہ متوفی ۲۴۳ھ

تحقیق و تخریج اَحادیث و فوائدِ نافعہ
شیخ عبدُ الفتاح اَبُو غدہ رحمہ اللہ
ترجمہ: قاضی اُسامہ عبدالحق فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

زمزم پبلشرز

مضامین کتاب پر ایک اجمالی نظر

انتساب ۱۷

حکایتِ کتاب ۱۹

مقدمہ طبعہ ثامنہ......از شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ۲۳

مقدمہ طبع ثانیہ......از شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ۳۲

تقریظ وتعارف تصوف......از علامہ حسنین محمد مخلوف ۵۱

صوفیاء صادقین کی تائید وتصدیق......از امام شاطبی ۵۹

مقدمہ طبع اولیٰ......از شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ۶۹

امام محاسبی کے مفصل حالات......از شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ۷۳

رسالۃ المسترشدین......از امام محسبی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۰۷

فہرستِ مضامین

انتساب ۱۷

پیش لفظ ۱۹

مقدمہ طبعہ ثامنہ ۲۳

تینوں مخطوط نسخوں کا تعارف ۲۵

مقدمہ طبعہ ثانیہ ۳۲

نیک لوگوں کے احوال و واقعات کا دلوں پر اثر ۳۲

محدثین کا ''حکایات اولیاء'' کو اپنے مجالس میں ذکر کرنے کو مستحب سمجھنا ۳۴

نیک لوگوں سے مستفید ہونے والوں پر ان کا حق ۳۵

طلبہ کے لئے اپنے اساتذہ کا ادب ان کا حق اور قرض ہے ۳۶

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم آپ کے ذکر کے وقت ۳۶

عبدالفتاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۳۸

صلحاء کے ذکر کے وقت اکابر علماء کا ادب ۴۱

نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ذکر کی فضیلت ۴۲

صحابی کی تعریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت اور اس کا اثر ۴۳

طبیعتیں سلف صالحین کی اتباع، ان کے طریق کی پیروی، ان کی اقتداء کی رغبت اور
اور ان کے اقوال و افعال سے راہنمائی حاصل کرنے کی خوگر ہیں ۴۵

دنیا کی زندگی تین چیزوں کی وجہ سے محبوب ہے ۴۶

صحابہ کرام کا علم، جہاد اور عبادت کو اکٹھا کرنا اور غیر صحابہ کا اس میں انفراد ۴۷

بات کی تاثیر قائل کے معرفت سے بڑھ جاتی ہے ۴۸

بامقصد حکایات کے چننے کا میرا شوق ۴۹

تقریظ: امام العصر، محقق کبیر، معمر، شیخ المشائخ، علامہ حسنین محمد مخلوف ۵۱
خرابیوں سے پاک مشروع تصوف ۵۲
من گھڑت نو ایجاد تصوف ۵۶
محرف ومبدل تصوف ۵۷
صوفیاء صادقین کے بارے میں امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شہادت کہ ''صوفیاء اہل اتباع میں سے ہیں نہ کہ مبتدعین'' اوران کا یہ بیان کہ ''تصوف کے غوامض پر بحث کرنا مطلقاً بدعت نہیں'' ۵۹
فصل: چوتھی قسم: صوفیاء مشہورین کی طرف سے بدعت واہل بدعت کی مذمت ۵۹
مقدمہ طبعہ اولیٰ ۶۹
مصنف کے حالات ۷۳
نسب، تاریخ ولادت ووفات ۷۳
روایت حدیث اور آپ سے روایت کرنے والوں کے نام ۷۳
آپ کا ذوق عبادت، علوم میں مرتبہ امامت، اور تصانیف کثیرہ ۷۴
آئمہ کبار کا امام محاسبی کی تعریف میں رطب اللسان ہونا ۷۶
تصوف میں آپ کی تصنیف کا طریق کار ۷۷
امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیفات پر بعض محدثین کی تنقید ۷۸
امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بدعت کو مذموم اور محمود میں تقسیم کرنا ۸۲
امام احمد وابوزرعہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے مسلک امام محاسبی کو ناپسند کرنے کی ایک اور توجیہ . ۸۳
علامہ تاج الدین سبکی کی نصیحت کہ ''سلف صالحین'' کا ادب ضروری ہے ۸۸
امام احمد بن حنبل کی امام محاسبی کی مجلس میں شرکت اوران کی تعریف ۸۹
امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تصوف خرابیوں سے پاک ہے ۹۶
بعض آئمہ کا امام محاسبی اوران کی کتب کی تعریف کرنا ۹۷
امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فصاحت بیان وبلاغت ۹۸

آپ کے چیدہ چیدہ حالات اور اقوال ۹۸
اقوالِ محاسبی ۱۰۳
تالیفات محاسبی ۱۰۴
نفس کی اصلاح کسی شیخ اور بیعت پر ہی موقوف نہیں ہے ۱۱۲
امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ابن عباد نفزی سے تربیت اور علم کے استاذ کے بارے میں سوال کرنا ۱۱۴
مال حرام کے پھیل جانے کے باوجود بھی مال حلال مل سکتا ہے ۱۱۷
مال حرام کے پھیل جانے سے خرید وفروخت اور کھانے کو ترک کرنا لازم نہیں ۱۱۷
کثرت سے مباح کام کرنا مکروہ اور حرام تک پہنچانے والا ہے ۱۱۹
سلف کے تقویٰ کے چند نمونے ۱۲۱
اچھی نیت کی فضیلت اور بری نیت پر وبال ۱۲۳
سلف صالحین کا عمل سے پہلے نیت کا استحضار ۱۲۵
خیالات (خواطر) کی تقسیم اور ان کے نام ۱۲۶
خیالات کی اصلاح کا طریقہ کار ۱۲۸
نفس امارہ کی اطاعت کا اثر بد ۱۲۹
حضرت حسن بصری کا مؤمن کی کیفیت بیان کرنا ۱۳۰
مشائخ کا سونے سے قبل اپنا محاسبہ کرنے کا بیان ۱۳۱
اللہ تعالیٰ کو خاموشی سے پکارنے والوں کو اس کا قرب نصیب ہوتا ہے ۱۳۲
حبشیہ باندی کی مصیبت اور پھر آسانی ۱۳۳
بادشاہ بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے ۱۳۵
کسی عالم کا "لا ادری" کہنا اس کی بلندی و رفعت کی علامت ہے ۱۶۳
"لا أدری" آدھا علم ہے ۱۳۷
اگر تم "لا ادری" کہنا سیکھ لو تو لوگ تمہیں ایسا عالم بنا دیں گے کہ تم ہر چیز جان لو گے ۱۳۷

قاضی ایاس کے سامنے مسلمان بھائی کی غیبت اور ان کا ردعمل ۱۳۹
امام ابن وہب کا ترک غیبت کے لئے مال صدقہ کر کے علاج کرنا ۱۳۹
خوشی اور غمی دونوں میں ابتلاء ہے جب کہ خوشی میں آزمائش زیادہ ہے ۱۴۱
آٹھ قسم کے احوال سب انسانوں پر آتے ہیں ۱۴۱
جنتی اور جہنمی کے تحفے ۱۴۳
نعمتیں اور مصائب دونوں انسان کے مہمان ہیں ۱۴۳
تکالیف نعمتیں ہیں اور ان میں بڑی فضیلت ہے ۱۴۳
مصیبت بندے کے لئے امتحانی بھٹی ہے جس کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے ۱۴۴
اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدرات پر عقلاً راضی رہنا عبادات میں سب سے بڑھ کر ہے . ۱۴۵
جو حرام سے پرہیز کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے حلال راستوں سے دیتے ہیں ۱۴۶
تمام لوگوں پر اللہ کی بندگی اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق لازم ہے ۱۵۱
عابد وزاہد کا برائی کو دیکھ کر خاموش رہنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو جلد متوجہ کرتا ہے. ۱۵۳
"ذلك اضعف الايمان" کا مطلب ۱۵۴
فقر مذموم وفقر محمود ۱۵۶
ان پانچ اشخاص کا ذکر جو عبادت کرنے میں انتہا تک پہنچے ہوئے تھے ۱۵۷
ایمان کا لطف "ایمان بالقدر" سے کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟........ ۱۵۹
جس کا تقدیر پر ایمان نہیں ہے اس کی زندگی خوشگوار نہیں ہے........ ۱۶۱
گناہ کرتے وقت تقدیر کا سہارا مت لو ۱۶۱
گناہ کرنے پر تقدیر کا سہارا لینے والے کی دلیل (کٹ حجتی) کا بطلان........ ۱۶۲
پانچ واقعات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر پر کوئی غالب نہیں ۱۶۳
ارادہ قتل کے باوجود محفوظ رہنے پر حجاج کو بھی جھکنا پڑا........ ۱۶۳
دیر الجماجم، ایسا سانحہ جس نے اس کو دیکھا وہ زندگی بھر نہیں ہنسا ۱۶۴
انسان کے فضائل اس کو ظلم ظالم سے محفوظ رکھتے ہیں ۱۶۵

''بنان حمال'' شیر سونگھتا ہے لیکن ایذاء سے باز رہتا ہے	۱۶۵
بنان حمال کے واقعہ میں استاذ رافعی کی بیان کردہ نصائح وعبر	۱۶۶
منصور ابو عامر کا غلطی سے تین مرتبہ ''قتل کرنے'' کے حکم کے بجائے ''چھوڑ دینے'' کا حکم لکھ دینا	۱۶۸
جلاد کے تلوار کو سونتنے کے بعد حجاج کا عامر بن حطان کو چھوڑ دینا	۱۶۹
کمانڈر جس کی سلامتی چاہ رہا تھا موت اس کا مقدر بن گئی	۱۷۰
دنیا ساری کی ساری ظلمت وتاریکی سے بھری پڑی ہے سوائے علماء وصلحاء کی مجالس کے .	۱۷۲
اکابر ائمہ صلحاء کی مجالس کا اثر	۱۷۲
اہل اللہ کی مجالس میں بیٹھنے والوں میں خیر کیسے سرایت کرتی ہے؟	۱۷۳
علماء کی مجالس میں ہدایت، راہنمائی، ودرستگی اخذ کرنے کے ارادہ سے جانا چاہئے	۱۷۴
امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجالس میں لوگ حسن ادب وسیرت سیکھنے آتے	۱۷۵
عمرو بن میمون اودی	۱۷۶
ابن سیرین	۱۷۶
حسن بصری	۱۷۷
محمد بن واسع بصری	۱۷۸
ہشام بن حسان قردوسی بصری	۱۷۸
عبداللہ بن شوذب خراسانی	۱۷۸
عبدالعزیز بن ابی رواد مکی	۱۷۹
محمد بن منکدر بصری اور امام جعفر صادق	۱۷۹
فضیل بن عیاض مکی	۱۸۰
عبداللہ بن داود خریبی کوفی	۱۸۰
عبد صالح، امام ومحدث عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، مدنی، بصری	۱۸۰
عبداللہ بن مسعود کی ایک مجلس ایک سال کے عمل سے بہتر ہے	۱۸۱

عبداللہ کی مجلس عمر بن عبدالعزیز کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے ۱۸۲
"وزاد فی علمکم منطقه، وذکرکم بالآخرة عمله" ۱۸۲
عمر بن عبید کا قول ''میری اور حق بات میں تضاد ہے'' ۱۸۴
عبید اللہ بن عنبری کا قول ''میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ کر حق بات کی طرف رجوع کرتا ہوں'' ۱۸۴
علامہ ابن القیم کا بیان ذکر کے فوائد میں جو ذکر پر انسان کو ابھارنے والے ہیں... ۱۸۵
ذکر کی انواع کثیرۃ ۱۸۸
امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذکر کی قوت و برکت ۱۸۸
قلب کے لئے ذکر ایسا ہے جیسا مچھلی کے لئے پانی ۱۸۸
ابن تیمیہ کی غذاء ذکر سے ۱۸۹
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی اقسام ۱۸۹
ذکر مشروع و ذکر ممنوع کا بیان ۱۹۰
امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی قرآن پاک سُر لگا کر پڑھنے سے ممانعت ۱۹۰
ذکر غیر مشروع میں امام شاطبی کی تصریح ۱۹۱
ذکر غیر مشروع سے حافظ ابن حجر کی ممانعت ۱۹۲
ذکر ممنوع کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام ۱۹۳
امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ممنوع کے بارے میں بیان ۱۹۴
ذکر کے منکرات کا بیان امام شاطبی کی زبانی ۱۹۷
لفظ ''اللہ'' سے ذکر کا غیر مشروع طریقہ ۱۹۸
تصوف صحیح کی تعریف میں چند اشعار ۱۹۸
حضرت معاذ بن جبل کا کلام ذکر کی فضیلت میں ۲۰۰
حضرت عمر کا فرمان ''دین میں تفقہ عبادت ہے'' ۲۰۰
مجالس ذکر حلال و حرام کی مجالس ہیں ۲۰۱
مجالس علم ہی مجالس ذکر ہیں ۲۰۲

حضرت عمر کا ناصحانہ قول ٢٠٣
نصیحت کا خوبصورت مفید طریقہ ٢٠٣
علامہ جوزی کی خلیفہ مستیضی باللہ کو نصیحت ٢٠٤
بادشاہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کون کرے؟ ٢٠٥
مغنیہ کی نصیحت جس نے بادشاہ کو حرام کے بجائے حلال پر آمادہ کر دیا ٢٠٥
حضرت حسن بصری کی نصیحت: کہ نصیحت کرنے والوں کے پاس بیٹھنا چاہئے ٢٠٧
سچائی کی فضیلت اور اس کا اثر ٢٠٧
رذائل سے پاکی میں مشکلات ٢٠٨
رذائل سے تخلی پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ٢٠٩
صدق اور کذب انسان کے دل میں کیسے راسخ ہو جاتے ہیں ٢١٠
جھوٹ کے "قبح وحسن" اور ان مواقع کا بیان جہاں پر جھوٹ بولنا جائز ہے ٢١١
عذاب آخرت کا استحضار قلبی دنیا سے بے توجہی کا سبب ہے ٢١٤
حضرت ربیع بن خثیم کی بے ہوشی ٢١٥
آخرت کے حالات سے حضرت عبداللہ بن مبارک کا متاثر ہونا ٢١٦
آخرت کے حالات سن کر ابن وہب کے دل کا پھٹ جانا ٢١٦
مظلوم کی بددعا کی قبولیت کا بیان اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو ٢١٨
وزیر یحییٰ برمکی اپنی قید کا سبب مظلوم کی بددعا کو گردانتا ہے ٢١٩
مظلوم کی آہ سحر گاہی قاتل تیر ہے ٢٢١
دو شعر انصاف کی تعریف اور ظلم کی مذمت میں ٢٢١
میں اپنے مال کو اپنے پروردگار کے پاس اور اپنے پروردگار کو بچے کیلئے ذخیرہ کر رہا ہوں. ٢٢٣
"جدل" اور "جدال" کے معنی ٢٢٦
"جدل" اور "تفہیم" میں فرق ٢٢٧
"جدال" جو شرعاً مذموم ہے ٢٢٧

بحث وجدال کے دس آداب ۲۲۹
انسانی غفلت اور دنیاوی فتنوں کی تصویر کشی ۲۳۱
شہوت کے جذبات کو مغلوب کرنا واجب اور ان پر غلبہ سے لذت حاصل ہوتی ہے ۲۳۳
شہوت کے آثار اور ان کی قباحتیں ۲۳۴
حضرات صوفیاء کا کتاب وسنت سے تعلق ۲۳۶
بعض صوفیاء کا علم ظاہر کی مذمت کرنا بھی ان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے ۲۳۷
باطل کا حق پر غلبہ کب متصور ہوگا؟ ۲۳۸
"استفت قلبك" کا حکم کس کے لئے ہے ۲۳۹
جو علم حاصل کئے بغیر عبادت کرتا ہے اصلاح سے زیادہ بگاڑ پیدا کرتا ہے ۲۴۱
ایک مزدور کا قصہ جو اللہ تعالیٰ سے مدد کا طلب گار ہوا، اور قتل سے اس کی نجات ہوئی ۲۴۲
تقویٰ کا اختیار کرنا مشکل بھی ہے اور آسان بھی ۲۴۶
سلف کی زبانوں پر کثرت حمد وشکر کا بیان ۲۴۷
دوسرے سے محض اس لئے سوال کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے ۲۴۸
دل میں لڑائی جھگڑے کے اثرات (بد) اور اُس کے ترک کی فضیلت ۲۵۰
نزاع کے چھوڑنے میں حضرت سلم بن قتیبہ کا واقعہ ۲۵۱
تارکین خصومت وانتقام والوں کا حسن انجام ۲۵۲
انتقام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے کے بارے میں ابوشامہ کے اشعار ۲۵۳
امام احمد کی مشقت ومصیبت پر ثابت قدمی ۲۵۴
جیب کترے، چور، ابوالہیثم کو دیکھ کر امام احمد کی تکلیف پر استقامت ۲۵۶
تقویٰ پر مرتب ہونے والے آثار وبشارتیں جو ستائیس (۲۷) ہیں ۲۶۰
علم کی فضیلت وشرافت ۲۶۴
علم وعقل کے ایک دوسرے پر اپنی فضیلت وبرتری ظاہر کرنے کے بارے میں چند اشعار ۲۶۶
امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد کی حفاظت اس چیز سے فرماتے ہیں کہ جس چیز سے

داڑھی کی حفاظت کی جائے........................	۲۷۱
حضرت عبداللہ بن المبارک کے ورع کا انوکھا انداز........................	۲۷۳
امام ابوداؤد کا سنت نبویہ پر عمل کرنے کی حرص وشوق........................	۲۷۳
امام ابن تیمیہ کا جیل میں انشراح صدر اور صبر........................	۲۷۴
ابوالوفاء ابن عقیل کا اپنی جان اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خرچ کرنے کی دعاء کرنا......	۲۷۷
لایعنی باتوں سے خاموش رہنا اور حضرت لقمان حکیم کی خاموشی........................	۲۷۹
حضرت شقران قیروانی کی حضرت ذوالنون مصری کو نصیحت........................	۲۸۲
صلحاء، علماء اور نیک لوگوں کی صحبت کی فضیلت اور فائدہ........................	۲۸۳
حلال مال کے حصول کیلئے تگ و دو شروع کرنے سے پہلے شریعت کا حکم معلوم کرلو	۲۸۷
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا ایک نمونہ........................	۲۸۸
ابن عابد مقدسی کے ورع وتقویٰ کا ایک واقعہ........................	۲۸۹
عقل ہمیشہ سے شریعت کی محتاج ہے........................	۲۹۱
عمر کا جلدی سے گزرنا اور زندگی کا اختتام........................	۲۹۳
حضرت عطاء بن ابی رباح کی فضول کلام سے بچنے کی تاکید........................	۲۹۵
''فضول'' کی اقسام........................	۲۹۷
حضرت فضیل بن عیاض کی چوری اور ڈاکہ زنی سے توبہ........................	۲۹۸
اس انسان کے لئے خوشخبری ہے کہ جو خود بھی مر گیا اور اس کے گناہ بھی........................	۲۹۹
اللہ تعالیٰ (کی تقدیر) سے اللہ تعالیٰ کی (تقدیر) کی طرف فرار........................	۳۰۲
''لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی''........................	۳۰۶
حق بات کہنے سے خاموشی اختیار کرنے والا گونگا شیطان ہے........................	۳۰۹
شیطان کا انسان کے سامنے محرمات کو مزین کر کے پیش کرنا........................	۳۱۰
ہند بنت الخس کا اپنے غلام کے ساتھ اختلاط سے زناء میں مبتلا ہو جانا........................	۳۱۱
''طول السواد'' کی تحقیق........................	۳۱۴

آلات لہو کے سننے کی حرمت اور ان پر ہونے والے عذاب ۳۱۶
زاہد عراق حضرت وکیع بن الجراح کا تعارف ۳۱۸
''اہل یمن کی برکت'' حضرت طاؤس بن کیسان یمنی کا تعارف ۳۱۹
طاؤس و منصور کے درمیان جھوٹے قصہ کا بیان: تتمہ مفیدہ ۳۲۰
سلف صالحین کے اہل بدعت سے بچنے کے چند نمونے ۳۲۱
سلف صالحین کے احتساب نفس میں چستی و بیداری کے چھ نمونے ۳۲۳
① حضرت عمر کا اپنی اہلیہ کو بیت المال کی مشک کو ہاتھ لگانے اور وزن کرنے سے تقویٰ کی بنیاد پر روکنا ۳۲۴
② حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بات کرنے والے کو تنبیہ کرنا کہ دوران گفتگو دائیں ہاتھ سے اشارہ کرے ۳۲۴
③ حافظ منذری راستہ میں چت لیٹ جاتے ہیں لیکن (بغیر اجازت) دکان کے چبوترے کو استعمال نہیں کرتے ۳۲۶
④ تقی الدین سبکی اپنے بیٹے کو کتے کی تحقیر اور ڈانٹنے سے روکتے ہیں ۳۲۶
⑤ ہارون الرشید کے قاضی، ابو یوسف وفات کے وقت اپنا محاسبہ کرتے ہیں ۳۲۷
⑥ ابن حامد وراق موت کے وقت پانی پینے سے رک گئے کہ اس کی اصلیت معلوم کر سکیں ۳۲۷
انسان کے لئے کس جماعت کو لازم پکڑنا ضروری ہے ۳۳۱
شبہ کی تعریف اس کا دل پر اثر، اور اس کے ساتھ نرمی کی ممانعت ۳۳۴
صحابہ کرام باہم مزاح کرتے اور خربوز ایک دوسرے کی طرف اچھالتے لیکن ذمہ داری کے وقت وہ لوگ (باوقار) مرد بن جاتے ۳۳۸
مہمان کا رزق اس کے ساتھ آتا ہے ۳۴۰
نماز کا حکم لفظ ''اقیموا'' سے کیوں دیا گیا؟ ۳۴۱
اچھا پڑوسی ہونا مسلمان کی صفت ہے ۳۴۴

❶ عبداللہ بن طاہر کے پڑوس میں بڑھیا	۳۴۵
❷ عبداللہ بن المبارک کے پڑوس میں یہودی	۳۴۵
❸ ابوجہم کے پڑوس میں سعید بن العاص	۳۴۶
بندے کے عمل کی نیک بختی کیلئے تین امور کا اجتماع اصول میں سے ہے، اور یہی ہر عمل کا دستور ہے	۳۴۹
فقیہ بہلول قیروانی کا بدعت کا کام کرنے سے خوف	۳۵۱
مداراۃ اور مداہنت میں فرق	۳۵۲
شاگرد کا استاذ سے تواضع سے پیش آنا، اور چند اسلاف کے نمونے	۳۵۴
امام ابوحنیفہ کا اپنے استاذ کے ساتھ ادب، اور امام ابو یوسف کا ان کے ساتھ ادب	۳۵۵
امام احمد بن حنبل کا امام شافعی کا ادب کرنا	۳۵۶
استاذ کے حق کی بڑائی	۳۵۶
احسان کا بدلہ دینا	۳۵۷
اللہ تعالیٰ کی طرف اشیاء کی نسبت کرنے میں ادب کا التزام	۳۵۹
علماء کا اوقات کے لمحات کی حفاظت کرنا، انہی میں خطیب بغدادی بھی ہیں	۳۶۰
ابوالوفاء بن عقیل حنبلی کا بیان جو ایک عجوبہ تھے	۳۶۰
علم سیلاب کی مانند ہے کہ جو قطرہ قطرہ جمع ہوتا ہے	۳۶۳
امام ابن الجوزی کا حفاظت وقت میں حال، وہ اس میں امام تھے	۳۶۴
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: اے حنظلہ لمحات اور ساعات کی حفاظت کرو	۳۶۷
محافظین کراماً کاتبین کے حق کی رعایت	۳۶۹
تنہائی میں فرشتوں کی نگرانی سے متعلق دو شعر	۳۷۰
عبید بن عمیر تابعی مکی کی ایک پرفتن حسینہ سے ملاقات، اور ان کا اس کو عابد بنا دینا.	۳۷۰
سمرقند کی شقی القلب عورت کا بہلول قیروانی سے اپنی توبہ پر برقرار رہنے کے لئے دعا کروانا	۳۷۳

سلف صالحین کے اپنے عمل کو چھپانے کی دو مثالیں ۳۷۴
عزم اور حزم میں فرق ۳۷۶
حضرت ابوبکر صدیق کا حزم اور حضرت عمر کا عزم ۳۷۶
فقیہ بہلول قیروانی کے تقویٰ کی ایک (عجیب) مثال ۳۷۸
قابل تعریف گوشہ نشینی ۳۷۹
امام ابن الجوزی کی گوشہ نشینی ۳۷۹
اکل حلال کے فوائد ۳۸۱
سلف کی بیویوں کا قول: ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہمیں حرام نہ کھلاؤ. ۳۸۲
گناہوں کی بدبو اور نیکیوں کی خوشبو ہوتی ہے ۳۸۳
گناہوں کے نقصانات کا ذکر ۳۸۴
امام ابوحنیفہ مسئلہ کے حکم تک پہنچنے کے لئے استغفار کرتے یا نماز پڑھتے ۳۸۴
حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان: نیکی کا نور اور گناہ کی تاریکی ہوتی ہے ۳۸۵
گناہوں سے بچنے اور ان کو کرنے کے نقصانات وفوائد کے بارے میں امام ابن القیم جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ۳۸۶
گناہوں کے آثار، اور ان میں مصائب وآلام ۳۸۹
گناہ کے نقصانات میں سے ایک بارش کا رک جانا ہے، اس کے بارے میں ایک شعر ۳۹۱
امام ابن الجوزی کا گناہوں سے ڈرنا ۳۹۱
استاذ سباعی کا قول: اصرار کے ساتھ گناہ کرنے والا حیوان ہے ۳۹۲
بادشاہوں سے بڑھ کر پرسکون زندگی والے کا بیان ۳۹۳
رشک جہاں امیر (بادشاہ) کہ جس کی جان پر بنی ہوئی ہے ۳۹۴
تقویٰ بہترین خصلت ہے ۳۹۵
فطرت سلیمہ مؤمن کے لئے جنت میں داخلے کا سبب ہے ۳۹۷
دنیا کا ذلیل آخرت کے ذلیل سے بہتر ہے ۳۹۸

ائمہ اربعہ کے ہاں علم کی فضیلت نفل عبادت پر ۴۰۵
امام احمد کا امام ابوزرعۃ سے مذاکرہ علمی کے لئے نوافل کو چھوڑ دینا ۴۰۶
امام ابن وہب علم کے لئے نفل عبادت ترک کردیتے ۴۰۶
محمد بن واسع بصری کی دعاء اس شخص کے لئے جس نے آپ سے کہا تھا: مجھے آپ
سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہے ۴۰۸
آپ کے بعض محامد ۴۰۹
میدانِ کارزار میں اکیلے محمد کا نیزہ اچھالنا مجھے ایک ہزار تلوار بردار، اور نیزہ مارنے
والے سے کہیں زیادہ محبوب ہے، قتیبۃ بن مسلم ۴۰۹
قتیبہ بن مسلم باہلی ۴۱۰
فقیہ بہلول کی گرفتاری اور ان کی جیلر کے ساتھ سخاوت ۴۱۳
اخلاص کے پانچ عجیب واقعات ۴۱۵
① عامر بن عبد قیس اور جواہرات کا صندوق ۴۱۵
② ''سرنگ والے'' اور مسلمۃ کی دعاء کہ روز قیامت ان کی معیت حاصل ہو ۴۱۶
③ ابن عون بصری کا رومی کو اپنی ذات مخفی رکھ کر قتل کرنا ۴۱۷
④ یعقوب بن جعفر کا شاتم رسول رومی کو تیر مار کر گرانا ۴۱۸
فتح عموریہ کا سبب ۴۲۰
⑤ ابوعمرو نجید کا اخفاء کرتے ہوئے رات کو مال لے کر آنا ۴۲۱
بندے کے لئے اللہ کی محبت پیدا کرنے والے دس اسباب کا بیان ۴۲۸
اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے دو نمونے ۴۳۰
نماز کا انتظار کیا جاتا ہے نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی ۴۳۰
یزید بن مرثد کا اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا ۴۳۳
ضمیمہ جات ۴۳۵

انتساب

والدین کریمین کے نام جن کی توجہات، مجاہدات، اور دعائے نیم شبی سے یہ عاجز اس قابل ہوا کہ علمی و عملی میدان میں کچھ حقیری کاوش نذر قارئین کر سکے۔

ان دو چشموں میں سے ایک تو تہہ خاک اپنے منبع میں محو آرام ہے، بقول کسے: خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود۔ جب کہ دوسرا منبع فیاض، "ومنهم من ينتظر" کا مصداق ابھی تک اپنی کرنوں، ضیاء پاشیوں اور سیلانی سوتوں سے فیض رسانی کا کام انجام دے رہا ہے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بسم الله الرحمن الرحیم

پیش لفظ

"حکایت کتاب"

الحمد للّٰه وکفی. وسلام علی عباده الذین اصطفی، خاصة علی سید الرسل وخاتم الانبیاء، أما بعد!

آداب واخلاق، فضائل ومحاسن، اصلاح اعمال، درستگی اخلاق ظاہر و باطنہ، اسلام کا وہ عظیم الشان باب ہے کہ جو اس کو دوسرے تمام ادیان وملل سے ممتاز کر رہا ہے۔

اس باب نے اہل اسلام کو وہ چکا چوند عطا کی ہے کہ جس کو دوسری اقوام دیکھنے کو ترستی ہیں، اس شب گزیدہ دور میں بھی مسلمانوں میں ایثار وقربانی، احسان واخلاص، شکر وصبر، قناعت ورضا، درد وغم بانٹنے، مل بیٹھنے کی اداء درویشی، حسن جلوت وخلوت کی ہمنشینی، بام ودر سے گزرنے کی صلاحیت، جیل اور ریل میں پنپنے کی خاصیت، اسرار ورموز بے خودی سمجھنے کی اہلیت زندہ رکھے ہوئے ہے۔

جو حال ابتدائے آفرینش اسلام سے، اس ملت ابراہیمی واہل ملت کا نار نمرود نے کیا ہے اگر کوئی زمینی مذہب ہوتا، اذہان کی آبیاری سے پنپتا، ایوانوں میں پروان چڑھتا، محلات میں نشوونما پاتا، تو اس کے بخیے ادھڑ چکے ہوتے، اس کے احکام قصہ پارینہ بن کر بے رحم فضاؤں میں تحلیل ہوجاتے، اس کے ماننے والے اغیار میں جذب ہوجاتے، اور قطعہ زمین ان کی آلودگی سے پاک ہو چکا ہوتا لیکن۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
یہ اتنا ہی ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

کا مصداق یہ ان تمام حشر سامانیوں، مسموم ہواؤں، بادِ مخالف کی تندی کے باوصف سینہ سپر ہے، اور اس کا پھریرا ایک سے دوسرا، تیسرا............ اٹھائے چلا جارہا

ہے۔اور یہ نیر تاباں کی طرح پوری قوت سے جگمگا رہا ہے۔
گویا کہ:

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

عرب سے فارس، فارس سے روم، روم سے ترک، ترک سے افغان و ہند اس کے علم بردار ہیں یہ کسی زمان ومکان، زمین ومکین، حدود وثغور کا محتاج نہ اس کو ضرورت، یہ ایک آفاقی مذہب ہے کہ جو مشرق میں ڈوب کر مغرب سے بھی نکلنا جانتا ہے۔

تصوف اسلام کا وہ حصہ ہے کہ جس نے اس کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے، یہ صوفیاء ہی تھے کہ جنھوں نے فتنہ تاتار میں ہزیمت کشیدہ اسلام کو فاتح کی صورت میں جلوہ گر کر دیا، جنھوں نے وسطی ایشیا و برصغیر کے شرک کدہ میں توحید کی اذانیں بلند کیں، مہرِ بتاں سے آلودہ دلوں کو محبت اسلام سے آشنا کیا، ۳۳ کروڑ خداؤں کی جگہ ایک خدا کی عبادت سے کفرستانوں کو لالہ زارِ اسلام بنادیا، جابر وقاہر، زبردست وسفاکیت سے بھرے ہوئے ننگی تلوار ظلم لہرانے والے بادشاہوں کے سامنے بھی کلمہ حق کہہ سنایا، یہ ان کے ایمان کی پختگی، یقین کی گہرائی، مشن کی ہمہ گیری، جذب دروں کی عکاس، اور صدق و وفا کی شہادت ہے۔
لیکن:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا بہ امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

تصویر کے دوسرے رخ کو اگر دیکھا جائے تو جاہل صوفیاء، بدطینت درویش، اور غاصب فقیروں نے اسلام کو اسی عیاری بصورت درویشی سے ایسا نقصان پہنچایا کہ دشمن بھی انگشت بدنداں رہ گیا۔ان مار آستین لوگوں نے من کھوٹا کر کے وہ گل کھلائے

کہ بدعت کو سنت، رہزنی کو طریقت بنادیا، لوگوں کے عقائد پر ڈاکہ ڈالا، اعمال برباد کیئے، شریعت وطریقت کو جدا جدا ظاہر کر کے شریعت کے تمام محکم احکام کو بصورت معطل پیش کیا۔

حتی کہ درویشی ایک نفع بخش کاروبار کی صورت اختیار کر گیا، درویش اور ملانے قومیت کا روپ دھارنے لگے، خاندان بن گئے، نسلیں چلیں، قبے آباد ہوئے، مزاروں پر پھیرے بھرے جانے لگے، خرافات کو سند مراعات مل گئی، غاصبوں اور ظالموں کے حق میں فتوے دیئے گئے، ظالموں کے قصیدے اور ترانے پڑھے گئے، سپاسنامے پیش ہوئے۔

لیکن یہ علماء حق کا فریضہ ہے کہ کھرے کو کھوٹے سے، اصل کو نقل سے، حق کو باطل سے جدا وممتاز کرتے رہیں۔

چنانچہ ہر طرف سے محنت جاری ہے، اور تا قیامت جاری رہے گی۔

امام حارث بن اسد محاسبی علم تصوف کے امام، اور تقویٰ کے شہسوار ہیں، حدیث اور فقہ میں بھی رسوخ رکھتے ہیں، قرون اولیٰ کی یادگار کے طور پر اپنی تصنیفات کی شکل میں زندہ ہیں۔ (مفصل حالات مقدمہ میں آرہے ہیں)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہما اللہ تعالیٰ نابغہ روزگار، فقید المثال ہستی ہیں، علم وتقویٰ کے پہاڑ ہیں، علم میں طول عرض عمق کی صفت سے متصف ہیں اور عمل میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

ان دونوں اکابر کی کاوشوں کا نچوڑ یہ رسالۃ المسترشدین کا ترجمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

رفیق محترم مولانا ابن الحسن عباسی زید مجدہ استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی "الدال علی الخیر کفاعلہ" کا مصداق ہیں اور استاذ محترم حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی کا اس کاوش میں بہت بڑا حصہ ہے کہ اصل کتاب

کا نسخہ حضرت نے عنایت فرمایا اور وقتاً فوقتاً راہنمائی فرمائی۔

بندہ ان دونوں حضرات کا انتہائی ممنون ہے۔ **جزاهما الله خيرًا جزيلاً في الدنيا والآخرة.**

اس کتاب کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی سعادت جناب مولانا محمد رفیق صاحب مالک زم زم پبلشرز حاصل کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ آمین

اس کتاب کی اصل خوبی تو حضرات مصنّفین کی طرف راجع ہے، البتہ ترجمہ کے اندر لغزش پر متنبہ کرنے والے حضرات کا بندہ انتہائی ممنون ہوگا۔

جن حضرات کو اس کتاب سے فائدہ پہنچے ان سے درخواست ہے کہ مصنّفین اور بندہ کے والدین کو دعاء خیر میں ضرور یاد فرمائیں۔

قاضی اسامہ عبدالحق

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مقدمہ طبعہ ثامنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاهِبِ النِّعَمِ وَمُسْبِغِهَا، وهادِي الْأُمَمِ ومُسْعِدِهَا، الَّذِيْ تَفَضَّلَ عَلٰى عِبَادِهِ المؤمِنِيْنَ بِالْهِدَايَةِ وَالرَّشَاد، وَأَكْرَمَهُمْ بِرِسَالَةِ نَبِيِّهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَيْرِ العِبَادِ وَالعُبَّاد، صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَعَلٰى مَنْ أَطَاعَهٗ وَاتَّبَعَهٗ، مِنْ أَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهٗ، وَعَلٰى التَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِإِيْمَانٍ وَ إِحْسَانٍ، وَعَلٰى مَنْ سَارَ عَلٰى نَهْجِهِمْ فَكَانَ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ تَكْرِيْمٌ وَرِضْوَانٌ.

امابعد! امام، عابد، زاہد، صالح، ناصح، امین ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف "رسالة المسترشدين" کے آٹھویں ایڈیشن کے مقدمہ کے طور پر یہ کلمات پیش کیے جا رہے ہیں۔

الحمد للہ رسالہ ہذا نے اپنی ساتوں طباعتوں میں مقبولیت و تحسین، اور عام ہونے کا شرف حاصل کیا، جب کہ پہلی طباعت کے بعد ہی اس کا ترکی میں ترجمہ ہوا، مترجم فاضل استاذ علی ارسلان ہیں، جو استنبول سے ۱۹۶۳ھ میں شائع ہوا، متعدد شہروں کے اداروں میں اس کو بطور ایک اخلاق سکھانے والی کتاب کے لیا گیا۔ جسے ایک جم غفیر (بڑی تعداد) نے استفادہ کیا۔ "والفضل لله سبحانه"

پہلی ساتوں طباعتوں میں اس رسالہ کے آخر میں، میں نے ایک مختصر رسالہ کا اضافہ کیا تھا، جو اہم اسلامی آداب کہ جو ہماری روزمرہ کی زندگی اور معاملات سے متعلق تھے، جو قریباً دس صفحات پر بعنوان "من أدب الاسلام" طبع ہوا، اب جب کہ "رسالة المسترشدين" میں مزید اضافات ہوئے، اس کی ضخامت مزید بڑھ گئی ہے، اور اُس رسالہ کی ضخامت بھی بڑھ چکی ہے جس کے صفحات کی تعداد ۵۰ تک

پہنچ چکی ہے تو وہ بیروت سے علیحدہ ۱۴۱۲ھ میں بعنوان "ادب الاسلام" شائع ہو چکا ہے۔

میرا عزم تھا کہ "رسالة المسترشدين" میں قصیدہ حکمیہ کا اضافہ کردوں جو شاعر و ادیب، حکیم، ابوالفتح بستی کا ہے اور "قصیدہ عنوان الحکم" کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے ۶۳ اشعار ہیں۔ جس کا مطلع ہے

زِيَادَةُ الْمرْءِ فِى دُنْيَاهُ نُقْصَانُ
وَرِبْحهُ غير محضِ الْخَيْرِ خُسْرَانُ

"انسان کا دنیا (کے کاموں) میں بڑھ جانا اس کا نقصان اور خیر محض کے علاوہ میں نفع ناکامی ہے۔"

لیکن اس آٹھویں ایڈیشن کی ضخامت نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا کہ یہ بھاری بھرکم نہ ہو جائے۔ تو اب میں نے "قصيدة عنوان الحكم" کو اپنے رسالہ "من أدب الاسلام" کا حصہ بنا کر مستقل کتابی شکل میں ۱۴۱۲ھ میں شائع کر دیا ہے۔

رسالہ کے پہلے ساتوں ایڈیشنوں میں میں نے دو مخطوطہ نسخوں پر اعتماد کیا تھا جن کا تذکرہ میں نے اس ایڈیشن کے مقدمہ میں کر دیا تھا لیکن پھر رسالہ کے تین مزید مخطوطہ نسخے مل گئے، اس ایڈیشن میں میں نے ان سے بھی مدد لے کر غلطیوں کے صحیح کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح جو عبارات ناقص تھیں ان کو مکمل کرنے، اور پوشیدہ مقامات کو واضح کرنے میں ان سے مدد لی ہے۔ اب یہ ایڈیشن سابقہ کی بہ نسبت صحیح، درست، اور عبارت کی تعبیر کے اعتبار سے بہتر و مکمل، اور الفاظ کے اعتبار سے اتم اور مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے نکلی ہوئی عبارت سے قریب تر ہے۔

اسی طرح سابقہ ایڈیشن میں میں نے ایسی تعلیقات و اضافات کئے تھے کہ جو فہم و وضاحت اور قبولیت کو بڑھانے والے اور مطالعہ کرنے والے کے اشتیاق میں اضافہ کرنے والے تھے۔

اس کے بعد اللہ نے مجھے مزید فرصت سے نوازا تو میں نے اس کی تعلیقات میں بہت سے اضافے کیے ہیں، جو مختصر بھی ہیں اور طویل بھی، مقصد ان کا بھی مطالعہ کرنے اور راہنمائی چاہنے والے کو مزید نفع پہنچانا تھا، تو اس کی ضخامت بھی بڑھ گئی اور فائدہ میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے امید وار ہوں کہ اس پاکیزہ عمل کو قبول فرمائیں اور ہر پڑھنے والے کو اس سے نفع اندوز کریں، جیسا کہ اصل رسالہ سے لوگوں کو نفع اندوز فرمایا ہے، اور مجھے استفادہ کرنے والوں کی نیک دعاؤں سے سرفراز فرمائیں گے وہی سننے والے قبول فرمانے والے ہیں۔

تینوں مخطوط نسخوں کا تعارف

اصل رسالہ کے چھاپنے میں میں نے دو مخطوط نسخوں کو بنیاد بنایا تھا جیسا کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس ایڈیشن میں تین مزید نسخے مہیا فرما دیئے جن سے میں نے مدد لی ہے، ایک نسخہ الجزائر سے ہاتھ آیا اور دو ترکی کے مختلف کتب خانوں سے اب ان تینوں کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے؟

1. الجزائری نسخہ: یہ نسخہ مجھے ۱۴۰۲ھ میں ملا اس سال مجھے الجزائر میں ''سولہویں فکر اسلامی کانفرس'' میں مدعو کیا گیا تو اس موقع پر بعض بہی خواہ دوستوں نے مجھے یہ نسخہ اس حوالہ سے پیش کیا کہ میں پہلے "رسالة المسترشدين" کو چھاپ چکا ہوں، اس نسخہ کو ۱۴۰۱ھ میں ''دارالبعث قسنطینہ'' الجزائر نے چھاپا تھا، اس ایڈیشن میں اس کا نام "رسالة المسترشدين" تھا، جو کہ فاضل پروفیسر ڈاکٹر شرفی احمد رفاعی کی تحقیقات و تعلیقات کے ساتھ شائع ہوا "جزاه الله خيرًا" مجھے اس کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، نیز مقدمہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ فاضل استاذ کو میرے ''رسالہ'' پر کام کرنے اور ''حلب'' سے چھپنے کا علم نہیں ہو سکا تھا، وجہ اس کی یہ سمجھ میں آئی کہ الجزائر میں اسلامی کتابوں کے داخلہ پر پابندیاں اور رکاوٹیں حائل ہیں۔

ریاض آنے کے بعد میں نے الجزائر کے ساتھیوں سے درخواست کی کہ ''رسالہ''

کے اصل مخطوطہ جسے بنیاد بنا کر انہوں نے ''رسالۃ'' کو طبع کروایا تھا فیکس کے ذریعہ فوٹو بھیج دیں، وہ لوگ شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کی سعادت حاصل کی یہ نسخہ بوسیدہ، کمزور، ٹکڑے ٹکڑے اور آس پاس سے پھٹا ہوا تھا، کیونکہ ان کے بیان کے مطابق یہ ''رسالۃ'' دوسری کتابوں کے ساتھ زمین میں دفن تھا، اور یہ سب کچھ غاصب فرانسیسیوں کے خوف سے ان کے قبضہ کے دوران ہوا جس کی وجہ سے اس کو نمی پہنچتی رہی اس کا رنگ متغیر اور خط غائب ہو گیا، سوائے کچھ نشانات کے (جو بمشکل باقی رہ سکے)۔

اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ کسی پڑھنے والے نے جب اس سے پڑھا تو کہیں خفاء بوجہ اختصار کے، اور کہیں طوالت پائی تو اس نے اس خفاء وغموض کو ختم کرنے کے لئے اس میں بہت سے اضافات کر دیئے، اور اصل عبارت کو توڑ موڑ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح سے پڑھنے والوں کو سہولت و آسانی ہوگی، لیکن بہر حال اس نسخہ پر مکمل اعتماد نہیں رہا۔

یہ نسخہ ۲۴ صفحات پر مشتمل مغربی خط میں لکھا گیا تھا، لیکن اس میں لکھنے کی تاریخ اور کاتب کا نام نہ تھا، نیز مجھے اس کے مالک اور اصل مصدر کا علم بھی نہ ہوسکا، اس میں شک نہیں کہ استاذ ڈاکٹر شرفی نے اس کی تصحیح وتفسیر، اور پڑھنے میں بہت جانفشانی سے کام لیا ہے، اس کے بعد چھاپنے میں مشکلات اٹھائیں، اور صبر آزما لمحات سے گزرے، اس کی ناتمام عبارتوں کو تمام کرنے، اور بین القوسین کی عبارتوں سے سنوارنے میں بہت مشقت برداشت کی، کہ راہنمائی لینے والے قاری کے لئے اس کا سمجھنا آسان ہو جائے، اللہ تعالیٰ ان کے صبر کا نعم البدل ان کو عطاء فرمائیں۔

پہلا ترکی نسخہ: یہ نسخہ ترکی کے کتب خانہ ''شہید علی'' میں ۳۳۱۹ نمبر میں رکھا ہوا ہے جو کہ چھوٹی تقطیع کے ۲۱ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۹ سطریں ہیں، اس کا خط بالکل صحیح اور ظاہر ہے۔ یہ تینوں نسخوں (جن کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے) میں سب

سے صحیح ہے، اندازہ یہ ہے کہ یہ دسویں صدی ہجری کا خط ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے آخر میں کاتب کے قلم سے مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے "رسالة المسترشدین" کی کتابت اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت و مدد سے مکمل ہوگئی "صلوات الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم" یہ کتابت عبد فقیر محمد بن سلمان حلبی کے بدست بروز پیر ۱۹ شعبان المکرم، بمطابق مئی ۱۳۱ء کو مکمل ہوئی۔"

اس عبارت سے زیادہ کوئی بات نہیں لکھی، صفحہ پر مٹانے اور کاٹنے کے نشانات بھی نہیں ہیں (کہ معلوم ہو کہ لکھ کر مٹادی ہوگی) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے اس نسخہ سے پہلے بعض رسائل میں پوری تاریخ لکھی ہوگی لیکن اس میں اسی پر اکتفاء کیا ہوگا۔

اس نسخہ کے آخری سے پہلے صفحہ (بیک ٹائٹل کی بیک) پر یہ عبارت مرقوم ہے: (طلبہ کو نصیحت، اور اہل تحقیق و نام نہاد) دعویداروں میں فرق از (امام) محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

دوسرا ترکی نسخہ: اس نسخہ کا اصل مصدر نامعلوم ہے، مجھے امانتاً ترکی کے کسی مکتبہ سے لے کر دیا گیا، جس مکتبہ کے نام وغیرہ کا مجھے علم نہیں، جن استاذ صاحب سے میں نے "رسالہ" کا اچھا نسخہ بھیجنے کی درخواست کی تھی انہوں نے مکتبہ وغیرہ کا نام لکھے بغیر مجھے بھیج دیا یہ بہت چھوٹی تقطیع سے ۴۷ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۵ سطریں سب کا خط ایک ہی ہے، اس کے ٹائٹل پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: یہ ابوعبداللہ محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ "رسالۃ المسترشدین" ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نفع پہنچائیں۔ آمین۔

اس کے بعد سیاہی سے کسی چیز کو مٹایا گیا ہے، جسے لکھا ہوا کلام بالکل غائب ہو گیا ہے کہ جو پڑھا نہیں جا سکتا، اس کے بعد مندرجہ ذیل عبارت ہے: فائدہ ان باتوں کے بارے میں کہ جن میں رضاعت نکاح کی شریک ہے، اس کو شیخ شبراملسی

نے منظوم کیا ہے

إِذَا أَرْضَعَتْ أُنْثَى لِطِفْلٍ بِدَرِّهَا
قَدْ شَارَكَ الإِرْضَاعَ فِيْ ذٰلِكَ النَّسَب

"عورت بچے کو اپنا دودھ پلاتی ہے تو اس پلانے میں نسب بھی (دودھ کا) شریک بن جاتا ہے۔"

اس شعر کے بعد بہت سے اشعار ہیں کہ جن کے کلمات عبارت سے غائب ہیں، کوئی ایک شعر بھی مکمل نہیں ہے۔

یہ عبارت تو نسخہ کے ابتداء میں ہے، اور آخر میں یہ عبارت ہے۔ "اللہ تعالیٰ کی مدد، حسن توفیق، وتوصیف سے "رسالة المسترشدين" مکمل ہوا۔"

وصلى الله على سيدنا محمد خاتم النبيين وامام المرسلين وعلى آله وصحبه وسلم. انتهى.

اس میں نہ تو کوئی تاریخ لکھی ہے اور نہ ہی لکھنے والے کا نام مذکور ہے، اسی عبارت کے ساتھ بہت کمزور (مدھم) خط میں مندرجہ ذیل عبارت ہے۔ اس کے مالک صاحب ذلاتی احمد بن مدراتی ہیں جن کی ملکیت میں ۱۲۷۹ھ کو آیا۔ اس کے بعد عجیب سی زبان (خط) میں مندرجہ ذیل اعداد لکھے ہیں: ۲۴۵۲۲۔ ممکن ہے کہ یہ نسخہ دسویں یا گیارہویں صدی ہجری کا ہو۔ واللہ اعلم۔

ان نسخوں کے تعارف میں بات بہت لمبی ہوگئی، ان کو میں نے مزید قابل اعتماد بنانے کے لئے لکھ دیا ہے، یہ بات ایک عبادت گزار راہنمائی حاصل کرنے والے کو زیادہ مفید نہیں، البتہ طالب علموں کے لئے یہ بات مرغوب ہوتی ہے اس لئے میں نے تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

میں نے سابقہ ایڈیشن کا ان تینوں نسخوں سے تقابل کیا ہے، اور جس نسخہ میں جو تبدیلی، زیادتی کی ہے اس کو لکھ دیا ہے۔ الجزائری نسخہ کی طرف (ج) سے، ترکی کے

پہلے نسخہ کی طرف (ا) سے اور ترکی کے دوسرے نسخہ کی طرف (ب) سے اشارہ ہے۔

پھر جب میں نسخوں کے تقابل سے فارغ ہوا تو میں نے دیکھا نسخوں کی تبدیلی، کمی، زیادتی کے حوالہ سے تعلیقات وتشبیہات میں بہت اضافہ ہو گیا جس سے قاری کی فکر کے ایک غیر متعلق موضوع سے منتشر ہونے کا خدشہ ہے جب کہ موضوع بھی ایسا علمی دقیق یا فقہی نہیں ہے کہ جس میں حکم محض حرف اور کلمہ کی تبدیلی سے بدل جائے، کہ اس کی وجہ سے نسخوں کے فرق کو لکھنا ضروری ہو۔

موضوع چونکہ تزکیہ وتطہیر، اور تذکیر وموعظت تخلیۃ وتحلیۃ (برے اخلاق سے خلاصی اور اچھے اخلاق سے سنورنے) سے متعلق ہے تو کتاب اس دقت طلب کام کہ حروف وکلمات کی تبدیلی کو لکھا جائے محتاج نہیں ہے۔ پھر میں نے اس پر نظر ثانی کی اور ان تبدیلیوں میں سے جو میرے نزدیک راجح ہوا اس کو لکھ دیا ہے، اور جس کی غلطی کا مجھے یقین ہے اسے مٹا دیا، کہ اس طرح کے حواشی سے قارئین کے ذہن مشوش نہ ہوں مثلاً ایسا لکھا جاتا ہے کہ "نسخہ ج میں اس طرح ہے۔ نسخہ الف میں ایسا ہے نسخہ ب میں یہ ہے، اور اصل نسخہ سے یہ نہیں لکھا گیا، تو یہ ایسی چیز ہوئی کہ جو قاری کے ذہن کو انتشار کا شکار کر کے اس کی مجتمع طبیعت کو تقسیم کر دیتی اس سے فائدہ کے بجائے نقصان کا خدشہ زیادہ تھا۔

اس کے علاوہ میں نے آٹھویں ایڈیشن کے مقدمہ میں علماء وصلحاء کے جو استفادہ کرنے والوں پر حقوق ہیں، اور ان کے واقعات وقصص اور حالات پڑھنے، مجالس میں بیٹھنے، ان کے ادب وفضیلت زندگی میں اور مرنے کے بعد، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین رحمہم اللہ ان سب کے آداب ومجالس میں بیٹھنے کی فضیلت وحقوق کو بیان کر دیا ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام کی صحابیت کی فضیلت، اس کے آثار، بات کہنے والے کا سننے والے پر اثر، اور اس بات کا ذکر بھی کر دیا ہے کہ طلب علم فرائض کے بعد سب

سے افضل عمل ہے۔

نیز ایک طویل فصل امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے نقل کی گئی ہے اس بارے میں کہ صوفیاء کی جماعت اہل اتباع (دین کا صحیح اتباع کرنے والے) ہیں نہ کہ اہل ابتداع (بدعت کو اختیار کرنے والے) اس کے ساتھ ان کی تعریف میں امام شافعی اور شیخ ابن القیم کا قول بھی نقل کر دیا گیا ہے، معہذا بہت سی مثالیں اور صراحتاً بہت سی نصوص کا ذکر کر دیا ہے، جو امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی امامت، دین میں علو مرتبہ، استقامت اور علم پر دلالت کرتی ہیں کہ ائمہ کرام اور حفاظ نے امام محاسبی کو حدیث اصول فقہ اور کلام کا امام مانا ہے، اور یہ بتلاتی ہیں کہ آپ ان کبار صوفیاء میں سے ہیں جن سے راہنمائی لی جاتی ہے۔

اس آٹھویں ایڈیشن میں تعلیقات کے حجم کو اس لئے بڑھا دیا ہے کہ بعض ایسے قارئین کہ جو مسافرت میں مقیم، اور غربت (پردیس) کے اسیر ہیں، کے لئے موضوع میں تشنگی نہ رہے، کہ واقعات وشواہد کے اعتبار سے بھی ان کی ضرورت پوری ہو جائے، بایں طور کہ نفس موضوع قاری کے دل میں راسخ و پیوست ہو جائے، اور اس سے وہ اثر کہ جو مقصود ہے حاصل ہو، اس کے ساتھ ساتھ بعض ایسی فقہی مباحث کہ جن کے بارے میں سوال ہو سکتا تھا کو بیان کر دیا ہے کہ ان کا حکم معلوم ہو جائے، جیسا کہ بلند آواز سے ذکر تنہائی اور مجلس میں۔

اسی طرح اہم مباحث کو عنوان دے دیئے ہیں کہ قاری اس کے مطالعہ سے پہلے ہی مختصراً اس کے مضمون سے واقف ہو جائے، جو فہم میں کامل، اور اس کی طرف رجوع کرتے وقت معرفت میں آسان ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور آپ کی مدد سے ممکن ہوا۔

چونکہ بعض تعلیقات خالص علمی، اور طویل تھیں، وعظ و نصیحت سے بھی ان کو تعلق نہ تھا، تو احتمال تھا کہ دوران مطالعہ قاری کو موضوع سے دور کر دیں گی تو میں نے ان کو

کتاب کے آخر میں لکھ دینا مناسب و مستحسن جانا، لہٰذا جس کا جی مانے وہاں ان کو دیکھ سکتا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کی توفیق، درستگی، قبولیت و مدد کا خواستگار ہوں۔ اے اللہ میں اس بات سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے آپ کی وجہ سے محبت کی جائے جب کہ آپ مجھ سے ناراض ہوں۔

اور دوسروں کی آپ کی طرف راہنمائی کروں اور خود آپ کی رضا مندی سے بعید رہوں، اور میں بندوں کے آپ کے ہاں محبوب بننے کا سبب بنوں اور خود آپ کی محبت سے محروم رہوں۔

اے اللہ! مجھے اپنے پرہیز گار بندوں میں شامل فرما لیجئے، اور قیامت کے دن مغموم نہ فرمایئے اپنی عفو، رضا اچھی تعریف سے اپنے نیک بندوں کے ہاں محبوب بنا لیجئے۔

وَصَلِّ اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ
والحمد للّٰه رب العالمين.

کاتب اپنے رب کی عفو کا محتاج
عبدالفتاح ابوغدہ
بروز اتوار ۱۵ صفر ۱۴۱۲ھ
مترجم قاضی اسامہ عبدالحق
۹ رشوال ۱۴۲۴ھ کراچی

مقدمہ طبعہ ثانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب يسر ولا تعسر وتمم بالخير وبك نستعين يافتاح.
الحمد لله ولي كل حمد و ثناء، والصلاة والسلام على رسوله سيدنا محمد خاتم الرسل والأنبياء، وعلى آله وصحبه وأتباعه نجوم الاهتداء والاقتداء.

امابعد! امام ابوعبداللہ محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے "رسالۃ المسترشدین" کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے، جب کہ پہلا ایڈیشن اللہ کے فضل وکرم اور توفیق سے مقام قبولیت ورضا حاصل کرنے کے بعد ختم ہو چکا ہے۔

یہ دوسرا ایڈیشن پہلے سے زیادہ محقق، اور مزید تعلیقات کے ساتھ حاضر ہے۔ میں نے اس میں دلائل، سلف کے واقعات و حکایات، کتاب کے مضامین، وعظ و نصیحت، نہی وتحذیر کی تائید میں کثرت سے ذکر کئے ہیں تاکہ دلوں میں اثر کی امید بڑھ جائے، عمل کرنے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں سرعت سے کام لیا جائے، اور صریح اوامر ونواہی قلب وفکر کے لئے پاکیزہ معلوم ہوں، جب کہ قرآن کریم نے اس طریقہ کا اثبات اور تحسین کی ہے چنانچہ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ﴾

"اور پہنچ چکے ہیں ان کو احوال جتنے میں ڈانٹ ہوسکتی ہے"

نیک لوگوں کے احوال وواقعات کا دلوں پر اثر

امام جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "واقعات اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے دلوں کو مضبوط فرماتے ہیں"۔ آپ

سے سوال ہوا: کیا آپ کے اس قول کی کوئی دلیل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾

''اور سب بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے ثابت کریں تیرا دل۔'' (پارہ ۱۲ سورہ ہود آیت ۱۲۰)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فقہ کے بہت سے مسائل بیان کرنے کی بہ نسبت مجھے علماء کے واقعات اور ان کی خوبیاں بیان کرنا زیادہ پسند ہے اس لئے کہ یہ لوگوں کے لئے آداب و اخلاق ہیں، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾

''وہ لوگ تھے جن کو ہدایت دی اللہ نے سو تو چل ان کی راہ۔''

(سورہ الأنعام ۹۱)

اور اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾

''البتہ ان کے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل والوں کو۔''

(یوسف آیت: ۱۱۱)

اور محمد بن یونس رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں دلوں کے واسطے نیک لوگوں کے ذکر سے زیادہ نافع کسی چیز کو نہیں پاتا۔ اور مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: واقعات جنت کے تحفے ہیں۔ اور کسی عالم کا قول ہے: واقعات کو زیادہ بیان کرو اس لئے کہ یہ موتی ہیں، اور بسا اوقات ان میں دُرِ یتیم بھی مل جاتا ہے۔ اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: نیک لوگوں کے ذکر کے وقت فرشتے اترتے ہیں۔

امام حافظ ابن الصلاحؒ[1] فرماتے ہیں: ہم سے ابو عمر اسماعیل بن نجید کے حوالہ

[1] ''معرفۃ انواع علم الحدیث'' صفحہ ۲۰۹، قسم نمبر ۲۸

سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ابوجعفر احمد بن حمدان نیشا پوری سے پوچھا (دونوں حضرات اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے) میں حدیث لکھتے وقت کیا نیت کروں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: کیا تم خود یہ بات بیان نہیں کہتے کہ نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے؟ ابوعمر نے فرمایا: جی ہاں: تو ابوجعفر نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو رأس الصالحین ہیں (آپ کے ذکر میں تو بطریق اولی رحمت کا نزول ہوگا)[1]

محدثین کا "حکایات اولیا" کو اپنے مجالس میں ذکر کرنے کو مستحب سمجھنا

سادات محدثین ابتداء ہی سے مجالس حدیث کے درمیان یا انتہاء پر ایسی حکایت کو دلی تسلی اور ذہنی نشاط کے لئے ذکر کرنا مستحب سمجھتے تھے جو کہ رقت طاری کر دیں۔ امام حافظ ابوسعید سمعانی[2] امام حافظ ثقہ، سلیمان بن حرب سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے فرمایا ہم حماد بن زید کی مجلس میں حاضر تھے انہوں نے کئی احادیث بیان فرمائیں، پھر فرمایا: "جنت کے کچھ میوے بھی لے لو" پھر ہمارے سامنے کئی واقعات بیان کئے۔ ابوحامد۔ احمد بن ماما اصفہانی سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے برقی

---

[1] اس جیسی بات امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تدریب الراوی سے صفحہ ۳۴۴ قسم نمبر ۲۸ اور امام ابوداؤد کی کتاب (مسائل الامام احمد) کے صفحہ ۲۸۳ میں بھی ہے۔

ان میں سے اکثر الفاظ جنہیں میں نے یہاں ذکر کیا ہے، ان کو حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ/۱۲۲، قاضی عیاض نے ترتیب المدارک ۱/۳۳، حافظ سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التاریخ صفحہ ۲۰، اور دوسرے ایڈیشن صفحہ ۴۱ اور مورخ المقری نے ازہار الریاض ۱/۲۱، ۲۲ میں ذکر کیا ہے۔

اور ابن یونس کا قول علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب صفۃ الصفوۃ ۱/۴۵ میں ذکر کیا ہے۔ اور جنید کا قول میں نے مذکورہ کتابوں میں سے کسی کتاب میں پڑھا ہے اور نیز ابن الجوزی کی کتاب "اللقط فی حکایات الصالحین" مخطوطہ کے مقدمہ میں بھی مذکور ہے اسی طرح انہوں نے مالک بن دینار کا قول بھی نقل کیا ہے۔

[2] "ادب الاملاء والاستملاء" صفحہ ۷۔

سے سنا آپ فرما رہے تھے: حکایات اولیاء ایسے دانے ہیں جن سے دلوں کا شکار کیا جاتا ہے، اور عبدالرحمٰن بن اخی اصمعی فرماتے ہیں: میں نے اپنے چچا کو فرماتے ہوئے سنا: رشید نے مجھ سے فرمایا: حکایاتِ اولیاء کو کثرت سے بیان کرو کیوں کہ یہ پھیلے ہوئے موتی ہیں اور کبھی تو ان میں ایسے قیمتی موتی بھی مل جاتے ہیں جن کی نفاست اور گرانی کی وجہ سے قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

اور حماد بن زید کا قول: "لتأخذوا من أبزار الجنة" "أبزار"، "بزر" کی جمع ہے (بکسر الباء افصح ہے بفتح الباء سے) اور "بزر" ان مصالحوں کو کہا جاتا ہے کہ جن سے کھانوں اور منہ کی خوشبو پاکیزہ ہو جاتی ہے اور یہ ایسی حکایات سے کنایہ ہے جن میں "خیر" کا شوق بڑھتا اور تھکاوٹ و تنگ دلی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ ان میں انسیت پیدا کرنے والی مزاح، خوبصورت لطافت، اور اچھی سیرت ہوتی ہے جو صلاح دنیوی اور فلاح دینی دونوں کو جامع ہے۔

نیک لوگوں سے مستفید ہونے والوں پر ان کا حق

اور اسی وجہ سے میں نے اکثر اقوال و حکایات کو ان کے اصل بزرگوں کی طرف منسوب کرنے کا اہتمام کیا ہے تاکہ ان حضرات کے ذکر سے رحمت کا نزول ہو اسی طرح میں نے ان کا ذکر کرتے وقت ان کی کریمانہ سیرت اور پاکیزہ احوال کی وجہ سے ترحم اور ترضی (رحمہ اللہ تعالیٰ اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے الفاظ کہنا) کا التزام کیا ہے۔اس لئے کہ امام ابو محمد تمیمی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بہت بری بات ہے کہ تم ہم سے (علم و عمل میں) استفادہ کرو اور ہمارا تذکرہ بھی کرو لیکن ہمارے لئے رحمت کی دعا نہ کرو[1]

---

[1] الالماع، قاضی عیاض صفحہ ۲۲۷ التعریف بالقاضی عیاض لابنه محمد صفحہ ۸۲، افادة النصيح ابن رُشَيْد صفحہ ۱۱۳، کتب برامج العلماء فی الأندلس مقالہ ڈاکٹر عبدالعزیز اہوانی مطبوعہ در "مجلة معهد المخطوطات العربية" جلد اول۔

ابو محمد تمیمی یہ سن رسیدہ امام ابو محمد رزق اللہ بن عبدالوہاب بن عبدالعزیز بن الحارث تمیمی حنبلی بغدادی ہیں، جو کبار سادات حنابلہ میں سے ہیں، ۳۹۶ھ میں ان کی پیدائش اور ۴۸۸ھ میں وفات ہے۔ عالم فقیہ صالح، واعظ، عاقل، فصیح تھے۔ تراجم فقہاء حنابلہ میں آپ کے مفصل حالات ملتے ہیں، کتاب "ذیل طبقات الحنابلہ" کے صفحہ ۷۷ تا ۸۵ جلد اول مصنفہ ابن رجب حنبلی اور کتاب "المنہج الاحمد" صفحہ ۱۷۴ تا ۱۷۰ جلد ۲ مصنفہ علیمی میں موجود ہیں۔

طلبہ کے لئے اپنے اساتذہ کا ادب ان کا حق اور قرض ہے

امام ابو الخطاب محفوظ بن احمد کلوذانی بغدادی (متوفی ۵۱۰) جو اپنے وقت میں حنابلہ کے امام تھے، نے اساتذہ کا ادب طلبہ پر ان کا حق اور قرض ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی حق تلفی کرنے والا اس (ادب) میں کوتاہی کرے گا تو اس سے اس کا حساب لیا جائے گا۔

اور یہ بات آپ کے ان اشعار میں ہے

أنا شیخ وللمشائخ بالآدا ب علم یخفی علی الشبان
فاذا ما ذکرتنی فتادب فھو قرض یردّ بالمیزان

ترجمہ: "میں استاذ ہوں اور اساتذہ کا ادب ایسا علم ہے جو نوجوان طلبہ پر مخفی رہتا ہے جب تو میرا ذکر کرے تو ادب سے کر اس لئے کہ یہ ایسا قرض ہے جو روز جزا لوٹانا ہوگا۔"

ان اشعار کو حافظ ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "ذیل طبقات الحنابلۃ" میں آپ کے تلمیذ "احمد بن ابی الفاء" کے تذکرہ میں جلد اول صفحہ ۳۴۸ پر ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم آپ کے ذکر کے وقت

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح مسلم کی شرح کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: حدیث

لکھنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ''عزوجل'' ''تعالیٰ'' ''سبحانہ وتعالیٰ'' ''تبارک وتعالیٰ'' ''جل ذکرہ'' ''تبارک اسمہ'' ''جلت عظمتہ'' یا ان جیسے الفاظ لکھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پورے الفاظ لکھے، صرف اشارہ پر اکتفاء نہ کرے اور نہ ہی صرف صلاۃ یا صرف ''سلام'' پر اقتصار کرے۔ اور صحابہ کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' لکھے۔ اور اگر باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں تو ''رضی اللہ تعالیٰ عنہما'' کہے، ایسے تمام علماء اور بزرگوں کے ذکر کے وقت، ترحم اور ترضی مستحب ہے۔ اور مذکورہ ناموں کے ساتھ حسب مرتبہ سارے صیغے لکھے اگرچہ اصل کتاب منقول عنہ میں نہ ہوں کیونکہ یہ صیغے روایت کا حصہ نہیں ہیں بلکہ دعائیہ کلمات ہیں۔

اور احادیث کی قرأت میں بھی مذکورہ تمام کلمات (حسب مقام و تفصیل) جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہنے چاہئیں، اور ان کے تکرار سے تکلیف محسوس نہیں کرنی چاہئے اور جو ایسا کرنے سے محروم رہا تو وہ بہت بڑی خیر سے محروم اور فضیلت پانے سے عاجز رہا۔

نیز امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''الاذکار'' کے صفحہ ۱۰۰ پر ''باب الصلوة علی الأنبیاء وآلهم تبعا'' میں فرماتے ہیں: ترضی اور ترحم صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد تمام علماء عباد اور نیک لوگوں کے لئے مستحب ہے پس ان کے ذکر کے وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رحمہ اللہ تعالیٰ، یا ان جیسے کلمات کہنے چاہئیں۔

اور بعض علماء جو یہ فرماتے ہیں کہ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' صحابہ کرام کے ساتھ خاص ہے اور صحابہ کرام کے علاوہ کے لئے صرف ''رحمہ اللہ تعالیٰ'' کہنا چاہئے تو یہ بات ٹھیک نہیں ہے اور نہ ہی اس سے اتفاق کیا جا سکتا ہے بلکہ صحیح بات وہ ہے جس کے جمہور قائل ہیں کہ ایسا کرنا مستحب ہے (غیر صحابی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا مستحب ہے) اور اس کے دلائل بے شمار ہیں۔

ایک دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان جو سورۃ البینہ میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ﴾

"وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے بھلے کام وہ لوگ ہیں بہتر سب خلق کے، بدلا ان کا ان کے رب کے ہاں باغ ہیں بسنے کے، نیچے بہتی ان کے نہریں، سدا رہیں ان میں ہمیشہ، اللہ ان سے راضی، یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرے اپنے رب سے۔"

اس آیت میں عام مؤمنین صالحین کا ذکر ہے صحابہ کرام ہوں یا ان کے علاوہ پھر ان کے لئے ترضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ تو مذکور اگر صحابی ابن صحابی ہوں تو اس طرح کہے "ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما" اور اسی طرح ابن عباس، ابن الزبیر، ابن جعفر، اسامۃ بن زید، اور اسی طرح دوسرے تاکہ ترضی صحابی اور ان کے والد دونوں کو شامل ہو جائے۔ انتہی کلامہ۔

عبدالفتاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

معتبر علماء اور عباد صالحین کا ذکر تعظیم واکرام کے ساتھ علم و عمل کی پختگی پر علامت کے ساتھ علم کے مقتضیات میں سے بھی ہے، یہ تطویل کلام اور بے فائدہ بات نہیں ہے جیسا کہ بعض معاصرین، مستشرقین سے متاثر ہو کر سمجھنے لگے ہیں پس ان کو دیکھا گیا ہے کہ آئمہ مصنفین کے نام کاٹ کر اور اختصار کر کے لکھتے ہیں جیسا کہ حسابی اعداد کو لکھا جاتا ہے۔

اور یہ اختصار (شدید احتیاج کے علاوہ) سلف کے مسلک کے خلاف ہے، نیز اکابر علماء اور سلف صالحین کا ادب جو انسانی فطرت کا حصہ ہے، اس کے بھی خلاف

ہے، تو اکابر کا ذکر تعظیم کے ساتھ طبیعتوں میں ان کی محبت میں اضافہ کا سبب، دلوں میں ان کی بزرگی کو جلاء بخشنے اور ان کے مراتب کی پہچان کرانے والا ہے۔ اور اعمال وا خلاق میں ان کی اتباع وانتفاع کی امنگ پیدا کرتا ہے۔" رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم وجزاھم عنا خیر الجزاء"

عالم ربانی، مفکر اسلام فضیلۃ الشیخ ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تصنیف لطیف وعجیب[1] میں فرماتے ہیں: طبع سلیم اور ذوق مستقیم رکھنے والی فطرتیں اہل فضیلت کے پہچاننے ان کی نیکی کا اعتراف کرنے اور ایسی شخصیت کے لئے جس نے امت پر احسان کرتے ہوئے بلاد اسلامیہ، امت محمدیہ، ان کی عزت وآبرو اور دین وعقیدہ کا دفاع کرتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر دی ہو، کے تذکرہ کے وقت سرنگوں ہو جاتی ہیں۔

جب کہ معتدل مزاج اور صالح کردار قومیں اپنی ہیروز کی یاد ان کی احسان مندی اور ابنائے ملت کے ان کے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب کی خاطر، ہمیشہ باقی رکھنے پر اتفاق کر چکی ہیں حتی کہ اقوام مغرب ایک گمنام سپاہی کو بھی خراج تحسین کا حقدار گردانتی ہیں۔ اہل ایمان اور ابنائے رسل (صلوات اللّٰہ وسلامه علیھم) احسان مندی، اور حق شناسی میں اقوام عالم میں سب سے بڑھ کر ہیں اور اللہ عزوجل نے ایسے مؤمنین کی توصیف کی ہے جو متقدمین اہل ایمان کا حق مانتے ہوئے ان کے لئے دعا خیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاؤُا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

---

[1] "الامام الذی لم یعرف حقه من الانصاف والاعتراف احمد بن عرفان الشھید" صفحہ ۶، ۷

"اور ان کے لئے جو آئے ان کے پیچھے کہتے ہیں: اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے ایمان میں سبقت کر گئے اور نہ رکھ ہمارے دل میں بیر ایمان والوں کا تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔"

جب کہ کفار اہل نار کی حالت احسان ناشناسی، جحود و انکار اور لاحق کی سابق پر لعنت اور ان سے برأت بیان کی ہے، اہل جہنم کی حالت کو یوں بیان فرمایا:

﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا﴾

"جب بھی داخل ہوا ایک گروہ لعنت کرنے لگا دوسرے کو۔"

اور امت اسلامیہ، وسعت ظرف، نیکی کے اعتراف، لوگوں میں انصاف کے قیام، سلف کے آثار کو باقی رکھنے، ان کیلئے بکثرت دعا و رحمت کرنے میں دوسری تمام ملتوں سے ممتاز ہے کتب تراجم و سیر اس کی شاہد ہیں۔ طوالت کلام پر معذرت چاہتا ہوں اور یہ بحث آغاز کتاب میں مفصل لانے کی ضرورت ان حضرات کی توجہ کے لئے محسوس کی ہے کہ جو مستشرقین کی تقلید اور ان کے نقش پا پر چلتے ہوئے اکابر علماء و صلحاء کا تذکرہ بغیر کسی تعظیم و تکریم ایسے کرتے ہیں جیسے اپنے چھوٹے بچوں کا یا پھر غیر معروف لوگوں کا کہ جن کی عقل و عرفان اور صلاح و فلاح سے دنیا کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔

حضرت العلامۃ، محدث حافظ عیدروس بن عمر علوی حضرمیؒ[1] (۱۳۳۱ھ ۱۳۱۴ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ اساتذہ و شیوخ سے تحصیل علم پر مندرجہ ذیل بحث فرمائی ہے: ہمارے بعض اساتذہ نے فرمایا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اساتذہ سے علم حاصل کرنے کی توفیق سے نوازے اور احسان فرمائے تو اس کے لئے ان ساتذہ کا شکران کا تذکرہ ان کے محامد کی تشہیر اور ان کے علوم کی اشاعت، ان کے لئے دعا و ترضی کی صورت میں ادا کرنا ضروری ہے اور یہ بہت ہی اہم بات ہے کیونکہ وہ استاذ کہ جس سے اس نے ابدی سعادتیں حاصل کی ہیں اس والد سے بڑھ کر ہے کہ جس سے اس نے ظاہری

[1] "عقود اللآل فی اسانید الرجال" صفحہ ۱۲۹

فوائد سمیٹے، تو اس کی عزت والد کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، اس کا حق لازم ہے، اس کا فائدہ آخرت میں ابدی ہے، اس کا احسان افضل و اکمل ہے اور اس کے حقوق زیادہ اور بڑے ہیں تو اس کا اور جس کی طرف اس کی نسبت ہے احترام ضروری ہے اور شاگرد اس سے ان ہی آداب کا خیال کرتے ہوئے بات کرے جن کا علماء نے ذکر فرمایا ہے۔ انتہی۔

امام مکی بن ابی طالب قیروانی ثم اندلسی[1] فرماتے ہیں: دائمی اجر اور بڑے ثواب کے شوق میں میں نے اس کتاب کی تالیف میں عجلت سے کام لیا، اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کے مؤلف اور مستفید دونوں کو فائدہ بخشے تو ہر صاحب مروت و دیانت پر جو اس کتاب سے استفادہ و خوشہ چینی کرے لازم ہے کہ اس کے مؤلف کے لئے جس نے اپنی فکر و جسم کو اس کی تالیف میں مشقت دی ہے رحمت کی دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے بخشش مانگے۔

میں اپنے لئے اس کتاب کی تالیف میں اس سے بڑھ کر کوئی فائدہ نہیں سمجھتا کہ اس کی وجہ سے کوئی رحمت مانگنے والا میرے لئے رحمت کی دعا کرے، یا اس کو پڑھتے ہوئے میرے لئے مغفرت مانگے، یا کوئی مجھے اچھے الفاظ سے یاد کرے پس اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائیں کہ جو میری مرغوب چیزوں، ذکر بالخیر، ترحم اور استغفار میں جلدی سے کام لے۔ ”انتھی کلامه رحمه اللّٰه“

یہ عبد ضعیف عبدالفتاح بھی اسی کا طالب ہے جس کے یہ حضرات، اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو بہتر بدلہ عنایت فرماتے ہیں۔

صلحاء کے ذکر کے وقت اکابر علماء کا ادب

کبار آئمہ سلف کی مجالس میں جب صلحاء کا ذکر چلتا تو یہ حضرات ان کے مرتبہ کی رعایت میں (اگرچہ وہ وہاں موجود نہ بھی ہوں) ادب سے بیٹھ جاتے، تو کم از کم ہم

[1] ”الكشف عن وجوه القرائت السبع“

خلف کو ان صلحاء کے لئے رحمت کی دعاء کر لینی چاہئے اگر چہ ہم ان کے ذکر کے وقت ادبی ہیئت نہ بھی اختیار کر سکیں۔

امام ابن مفلح حنبلی[1] حافظ ذہبی[2] اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ تعالیٰ[3] فرماتے ہیں: ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس تھا کہ ابراہیم بن طہمان (متوفی ۱۶۳ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوا (جو کہ علماء وصلحاء میں سے تھے، اور کسی نے کہا: آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نہیں) جب کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ ٹیک لگائے بیٹھے تھے تو سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: مناسب نہیں کہ صلحاء کا تذکرہ ہو اور ہم ٹیک لگائے رہیں۔ اور ایک روایت میں "فیتکأ" "کہ ٹیک لگائی جائے" کے الفاظ ہیں اور ابوالوفاء بن عقیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الفنون" میں ذکر فرمایا: آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ اپنی پشت کو ٹیک سے ہٹاتے ہوئے فرمایا: مناسب نہیں کہ نیک لوگوں کا تذکرہ ہو اور ہم ٹیک لگائے رہیں۔

نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ذکر کی فضیلت

نیک لوگوں کی صحبت، ان کی بات سننا یا ان سے حدیث کا سماع کرنا، ان کے مناقب وفضائل کا مطالعہ کرنا، اس سے دلی اطمینان اور انشراح صدر حاصل ہوتا ہے، اور اخلاق واعمال کی اصلاح ہوتی ہے۔

حافظ قرشی رحمہ اللہ تعالیٰ[4] فرماتے ہیں آئمہ تفسیر کی ایک جماعت نے "أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے۔ اس لئے کہ ان کو کئی وجہ سے فضیلت حاصل ہے سب سے بڑی وجہ ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ہے، دوسرا وہ علم جو انہوں نے

[1] "الفروع" ۱/۱۹۵

[2] "تذکرة الحفاظ" ۱/۲۱۳

[3] "تهذيب التهذيب" ۱/۱۲۰

[4] "الجواهر المضيئة" ۱/۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا، تیسرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اتباع ہے، اس کے علاوہ دیگر وجوہ بھی ہیں۔

صحابی کی تعریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت اور اس کا اثر

امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ تعالیٰ[1] صحابیت کی فضیلت اور صحابی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: صحابی وہ ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف پایا ہو اگرچہ ایک گھڑی، اور آپ سے حدیث سنی ہو اگرچہ ایک کلمہ، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو دیکھ کر محفوظ کر لیا ہو، اور ان منافقین میں سے نہ ہو جو نفاق پر ڈٹے رہے اور اسی پر مر گئے۔

صحابہ سب کے سب عادل، مقتدا، صاحب فضیلت، مرضی عنہم ہیں ہم پر ان کی تعظیم و توقیر لازم ہے اسی طرح ان کے لئے دعاء مغفرت کرنا اور محبت رکھنا بھی فرض ہے، اور ان کا ایک کھجور صدقہ ہمارے پورے مال کے صدقہ سے بہتر ہے، اور ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ بیٹھنا ہماری پوری زندگی کی عبادت سے بہتر ہے اور اگر ہم میں سے کوئی اپنی پوری زندگی مسلسل عبادت میں گزار دے تو اس کا عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پانے والے صحابی کی ایک گھڑی کی عبادت کے برابر نہیں ہو سکتا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿دَعُوْا اِلَى أَصْحَابِىْ فَلَوْ كَانَ لأَحَدِهِمْ مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ فِى سَبِيلِ اللّٰهِ ما بلغ مُدَّ أحدِهِم ولا نَصِيْفَه﴾

”تم میرے صحابہ کو چھوڑ دو اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کر دے تو ان صحابہ کے ایک مد (ایک پیمانہ ہے) یا آدھے مد کے صدقہ کو ثواب میں نہیں پہنچ سکتا۔“ (انتہی)

---

[1] ”الإحكام في أصول الأحكام“ ۸۹/۵

بین القوسین عبارت مصنف کی کتاب "الفصل" ۴/۲۰۱ سے لی گئی ہے۔ ابن حزم کے اس کلام کی طرف توجہ کرنی چاہئے جو انہوں نے صحابہ کرام کی تعظیم کے بارے میں فرمایا ہے جو کہ خود ظاہری (مذہب کے) ہیں صوفی نہیں۔

اور علماء کا یہ فرمانا کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک گھڑی بیٹھنا یا آپ کو ایک نظر دیکھنا یا آپ سے ایک کلمہ بھی سن لینا کہ ایسے انسان کو صحابی کا لقب مل جاتا ہے" یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی فضیلت کی وجہ سے ہے، نیز نور نبوت مؤمن کے قلب میں اس تیزی سے سرایت کرتا ہے کہ اس کے آثار دیکھنے والے کے اعضاء و جوارح میں ظاہر ہو کر آپ کی برکت سے تاحیات دین پر استقامت واطاعت کا سبب بنتے ہیں۔

اور اس کی تائید جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

﴿طُوبٰى لِمَنْ رَآنِي وَآمَنَ بِيْ، وَطُوبٰى لِمَنْ رَآى مَنْ رَآنِي، وَلِمَنْ رَأى مَنْ رأى مَنْ رأنِي وَآمَنَ بِيْ، طُوبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مآب﴾

"خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا (صحابی) اور اس کے لئے بھی جس نے مجھے دیکھنے والے کے دیکھنے والے (تابعی) کو دیکھا، ان سب کے لئے خوشخبری ہے اور اچھا ٹھکانہ۔"

.اس حدیث کو طبرانی نے "اسناد حسن" کے ساتھ روایت کیا ہے، اور حاکم نے بھی جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الجامع الصغیر بشرح "الیسیر" للمناوی میں ہے ۲/۱۱۹۔

اور امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ اپنی اصول فقہ کی کتاب[1] میں فرماتے ہیں: صحابی وہ

[1] "الابهاج في شرح المنهاج" ۱/۹

ہے کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی حالت میں دیکھا ہو اور یہ آپ کی صحبت کی فضیلت اور رؤیت کی تعظیم میں سے ہے، اور رؤیت صالحین کا اثر بہت عظیم ہوتا ہے تو رأس الصالحین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے تو کیا کہنے، اور اگر کوئی آپ کو ایک نظر دیکھ لے تو اس کا قلب استقامت دین پر ڈھل جاتا ہے، اس لئے کہ اسلام کی وجہ سے وہ قبولیت کی صلاحیت حاصل کر چکا ہے تو جب وہ اس نور عظیم (نور نبوت) کو دیکھتا ہے تو چمک اٹھتا ہے، اور اس کا اثر اس کے قلب و جوارح پر ہوتا ہے۔

عبدالفتاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم اس دور میں اگر کسی نیک متقی عالم کو دیکھ لیتے ہیں (اگرچہ چند گھڑیوں کے لئے ہی) تو اس کا دیدار ایسی غذا ہے کہ جو انسان کو سیراب کر دے اور اس کی چاشنی زندگی بھر محسوس ہو صلاح و فلاح کی طرف راغب کر دے تو سید الخلق، والأنبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا کیسا ہوگا "فداہ أبی و امی"۔ "صحبت شریف" کی فضیلت کا بیان کچھ لمبا ہو گیا ہے اس لئے کہ یہ موضوع، گمراہ کن خیالات اور عقل و قلب میں تکدر کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو رہا ہے اس لئے تفصیل کا مقاضی تھا۔

جب ایسا ہے تو تابعین ان (صحابہ) کے ساتھ اس مرتبہ میں شریک ہیں، تو ان کے ذکر سے بھی اور اسی طرح ان کے بعد ان کا اخلاص کے ساتھ قیامت تک اتباع کرنے والوں کے ذکر سے بھی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔" انتہی کلام الامام قرشی"۔

طبیعتیں سلف صالحین کی اتباع، ان کے طریق کی پیروی، ان کی اقتداء کی رغبت اور ان کے اقوال و افعال سے راہنمائی حاصل کرنے کی خوگر ہیں

اسی لئے میں نے (اسی کتاب پر) اپنی تعلیقات میں علماء، صلحاء، سلف صالحین،

عباد و مجاہدین، زہاد و صابرین کے اقوال و واقعات (کثرت) سے ذکر کیے ہیں جو مؤمن کو اپنے ایمان میں، ان کی اقتداء کرنے، ان جیسا طرزِ عمل اختیار کرنے، اور ان جیسے اعمال بجا لانے، اور اپنے دین مجاہدہ صبر اور رضا بالقضاء، میں قوت و خودداری بڑھانے کا سبب ہیں کہ یہ سلف صالح کا نیک متبع بن جائے جیسا کہ اس شعر میں ہے

وَتَشَبَّهُوْا اِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ ❁ إِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْكِرَامِ فَلَاحُ

''اگر تم ان (نیک لوگوں) جیسے نہیں بن سکتے تو شکل و صورت میں ان کی مشابہت اختیار کرلو، یقیناً نیک لوگوں کی مشابہت میں بھی کامیابی ہے۔''

دنیا کی زندگی تین چیزوں کی وجہ سے محبوب ہے

نیک لوگوں کی صحبت، ان کے واقعات سننا اور ان کی سیرتیں پڑھنا، عقل مند اور نیک لوگوں کے نزدیک زندگی کے اہم مقاصد میں سے ہے عقل مند کو دنیا کی زندگی صرف اچھی صفات کے کمال، اور نیکیوں میں اضافے، اور اخروی زندگی کا توشہ حاصل کرنے کے لئے اچھی لگتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: اگر دنیا میں تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں دنیاوی زندگی کو ناپسند کرتا:

1. اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے لشکر کی تیاری۔
2. عبادت میں رات کی مشقت، یعنی تحصیل اجر جزیل کے لئے قیام اللیل اور عبادت۔
3. ایسے لوگوں کی صحبت کہ اچھی باتیں ایسے چنتے ہیں جس طرح عمدہ کھجور چنی جاتی ہے۔

شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب[1] میں جو علم کی خصوصیات اور شرافت و فضیلت کے بیان میں ہے، فرماتے ہیں: بہت سے آئمہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ فرائض کے بعد سب سے افضل علم حاصل کرنا ہے، اور حضرت امام شافعی رحمہ

[1] ''مفتاح دار السعادۃ'' ۱۲۹، ۱۳۰، قسم نمبر ۱۰۸

اللہ تعالیٰ کے تلامذہ نے فرمایا: کہ حضرت امام کا یہی مذہب تھا۔ اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں اور حضرات حنفیہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور یہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے جیسا ابن القاسم رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس بارہ میں تین روایتیں ہیں۔

1. فرائض کے بعد سب سے افضل طلب علم ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دلیل بھی پیش کی ہے۔
2. فرائض کے بعد سب سے افضل نفل نماز ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی دلیل دی ہے۔
3. جہاد فرائض کے بعد سب سے افضل ہے۔ اور ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی دلیل ذکر کی ہے۔

صحابہ کرام کا علم جہاد اور عبادت کو اکٹھا کرنا اور غیر صحابہ کا اس میں انفراد

اس کے بعد ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمارے شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان تینوں امور میں سے کسی ایک کو ہر امام نے فضیلت دی ہے اور وہ نماز، علم اور جہاد ہیں اور یہ وہی امور ہیں جن کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "اگر دنیا میں تین کام نہ ہوتے تو میں دنیا کی زندگی کو پسند نہ کرتا"

1. جہاد کے لئے لشکر کی تیاری۔
2. رات کی عبادت میں مشقت۔
3. اور ایسی قوم کی ہمنوائی جو عمدہ باتوں کو ایسے چنتے ہیں جس طرح عمدہ کھجور کو چنا جاتا ہے۔ پس پہلی چیز جہاد ہے دوسری قیام اللیل، تیسری مذاکرہ علم، صحابہ میں یہ تینوں جمع ہیں، اور ان کے بعد کے لوگوں میں کوئی ایک ہے۔ انتہی ملخصاً۔

اور میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری کتاب، صفحات "من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل" کا

مطالعہ کریں اس لئے کہ یہ کتاب اصحاب بصیرت کو علماء کی فضیلت اور تحصیل علم میں ان کے شدائد پر صبر سے آگاہ کرے گی، ان کی محبت ومرتبہ بڑھائے گی اور علم واہل علم سے محبت میں اضافے کا سبب بنے گی، اس میں خیر ہی خیر ہے اور اس کا تیسرا ایڈیشن دیکھنا چاہئے اسی کی طباعت وسیع اور جامع ونافع ہے (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

بات کی تاثیر قائل کے معرفت سے بڑھ جاتی ہے

اور آپ دیکھیں گے کہ میں نے ہر بات کو اس کی اصل اور قائل کی طرف منسوب کیا ہے اس لئے کہ بات کا ماخذ معلوم ہو اور نسبت اصل قائل کی طرف ہو تو اس کا معنی مکمل طور پر ظاہر ہو جاتا ہے اور دلوں میں اس کی وقعت وقبولیت ناقل کی پختگی اور قائل کے صدق یا اس کے اخلاص دینداری علم، تقویٰ، زہد پرہیز گاری کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے گویا کہ قائل کی پہچان سے اس کے معنی کی پہچان مکمل ہوتی ہے۔

شیخ ابوعمرو جاحظ اپنی کتاب "البخلاء" کے مقدمہ صفحہ ۶ پر بات کو اصل قائل کی طرف منسوب کرنے کی فضیلت اور اصل سے کاٹنے پر پڑنے والے اثر کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جان لو! کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جب تک ان کے قائل کی پہنچان نہ ہو ان کی حسن وخوبی مکمل نہیں ہوتی حتی کہ ان کی نسبت مستحقین اور ان کے لائق اصل کی طرف کردی جائے، اور ان کی اصل ومنبع کو بیچ میں سے اڑا دینے کی وجہ سے ان کی آدھی ملاحت جاتی رہتی ہے اور ندرت کا ایک حصہ غائب ہو جاتا ہے۔

اگر تم وعظ ونصیحت اور زہد کے متعلق کوئی کلام ذکر کرو اور پھر یہ کہہ دو کہ یہ کلام "بکر بن عبداللہ مزنی" یا عامر بن قیس عنبری، یا مورِّق العجلی، یا یزید الرقاشی کا ہے۔ اور یہ سب حضرات صلاح وزہد میں معروف ہیں۔ تو اس کے حسن میں اضافہ ہوگا، اور یہ نسبت اس میں ایسی تازگی اور بلندی جنم دے گی جو اس میں اس کے بغیر نہ ہوگی، اور اگر تم کسی زہد والی بات کے بارے میں کہہ دو کہ ابوکعب صوفی (مزاح و فکاہت سے لوگوں کو ہنسانے والا) یا ابونواس شاعر، یا حسین خلیع کی ہے تو اس میں

صرف وہی خوبی ہوگی جو کہ اس کی ذات میں ہے تو یہ اس لائق ہوگی کہ اس کی ناقدری کی جائے اور اس کے حق کو گھٹا دیا جائے۔ انتہی کلامہ۔

بات کی نسبت قائل کی طرف یا تو اس کے مرتبہ کو بڑھا دیتی ہے اور یا کم کر دیتی ہے، اور اس کی تاثیر میں وسعت کا سبب ہوتی یا پھر سکیڑنے کا اور یہ چیز طبائع میں فطرتاً پائی جاتی ہے۔

بامقصد حکایات چننے کا میرا شوق

ان واقعات حکایات اور حالات کے ذکر کرنے میں میں نے کوشش کی ہے کہ یہ بامقصد امور، اہم رجحانات، راہنما افکار، اور پاکیزہ اخلاق سے متعلق ہوں کہ جن کے ہمارے نوجوان اور ہماری پردہ نشین بیٹیاں گھروں میں اور گھروں سے باہر محتاج ہیں، جو رفیق حضر بھی ہوں اور شریک سفر بھی، جس کا کہ ہر طرف سے حملہ آور اشتعال انگیز حالات کا مقابلہ کرنے والا سیدھا سادہ نہتا نوجوان محتاج ہے جس نے ان معاشرتی حالات کا بھی مقابلہ کرنا ہے کہ جن میں وہ خود انہماک سے زندگی گزار رہا ہے۔

جو اس بات کی شدید احتیاج رکھتا ہے کہ اس کے عقیدہ میں رسوخ پیدا کیا جائے اور اس کے اسلامی آداب کو جلا بخشی جائے، اور بگڑے ہوئے معاشرہ میں اس کو عمل صالح میں پروان چڑھایا جائے اور اس کے سامنے سلف صالحین کی سیرتوں کو دہرایا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محیط تقدیر کے مطابق گردوپیش کے حالات میں اپنی حفاظت کر سکے۔ مسلم نوجوان اپنی اس تنہائی و بےچارگی میں اس روحانی غذا کا کس قدر محتاج ہے اس لئے صبح و شام غذا حاصل کرے، اور بجائے اس کے کہ وہ اس ایمان شکن پر فریب تہذیب کے سامنے پگھل جائے، اپنی ایمانی شخصیت کی حفاظت و بقاء کا سامان کرے، اور ان بدکاریوں میں گھرنے سے بچ جائے کہ جو بظاہر خوشنما اور بباطن مہلک ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے بھائی

کی مدد کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ اس کتاب کو نافع بنائیں اور قبولیت سے نوازیں اور روزِ جزا حسنات کے پلڑے میں رکھ دیں کہ ”جس دن اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو، اور جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ، ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے، کہتے ہیں اے رب ہمارے! پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی، اور معاف کر ہم کو تو ہر چیز کر سکتا ہے“ (التحریم آیت ۸)

جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو دوڑتی چلتی ہے ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے داہنے خوشخبری ہے تم کو آج کے دن باغ، نیچے بہتی جن کے نہریں سدا رہیں ان میں، یہ جو ہے یہی ہے بڑی کامیابی۔ (الحدید آیت ۲)

والحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً.

کاتب

عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ غفر اللہ

بیروت

۱۱ر جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ

تقریظ

از

امام العصر، محقق کبیر، معمر، شیخ المشائخ، علامہ حسنین محمد مخلوف

(سابق مفتیٔ مصر متوفی ۱۴۱۰ھ رحمہ اللہ تعالیٰ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب بھائی اور دوست استاذ، علامہ محقق، شیخ، عبدالفتاح ابی غدہ، ادام اللہ توفیقہ۔

اما بعد! آپ کا نامہ مبارک ملا جو کہ علوم عالیہ، کریمہ صادقہ کو مشتمل تھا۔ "فجزاکم الله خیراً" دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی اس کامل محبت سے محروم نہ فرمائے۔

جیسے جیسے میں "رسالة المسترشدين" پڑھتا رہا لذت اندوز ہوتا رہا اور آپ کی تعلیقات پڑھ کر ان کے مقام و مرتبہ کی ضرورت و اہمیت محسوس کرتا رہا کہ ان کو "رسالہ" سے مکمل مستفید ہونے کیلئے ضروری پایا۔ "فللّٰه الحمد على ما وفق وأتاح"

اسی اثناء میں قلم سے کچھ کلمات نکلے وہ حاضر خدمت ہیں ملاحظہ فرمالیں اور اگر مناسب سمجھیں تو شائع فرمادیں اس کی اجازت ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وبعد! اس بات پر اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں کہ اس نے آپ کو امام ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی کے "رسالة المسترشدين" کو اپنی ایسی علمی طور سے محکم تحقیقات

کے ساتھ طبع کرنے کی توفیق عنایت فرمائی کہ جو آپ کی وسعت معلومات اور نکتہ سنجی پر دلالت کے ساتھ رسالہ کی رونق وخوبصورتی کو دوبالا، اور اس کے نفع وکمال کو بڑھانے کا سبب ہیں۔

اللہ عزوجل آپ کو علم اور اہل علم اور اس امام جلیل کی طرف اچھا اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں کہ جن کے بارے میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ علم معاملات میں امت کے راہنما اور باطنی بیماریوں، اعمال کو برباد کرنے والے اسباب اور عبادات کو نقصان پہنچانے والے عوامل سے بحث کرنے والوں کے امام ہیں۔

خرابیوں سے پاک مشروع تصوف

امام محاسبی متقدمین صوفیاء مخلصین میں سے ہیں، حدیث فقہ اور علم کلام کے امام تھے، آپ کی متعدد تصنیفات ہیں اکثر تصوف، اصلاح نفس، زہد اور تصوف کے آداب کے بیان میں ہیں۔

اسلامی تصوف نفوس کی علمی وعملی تربیت، روحانی امراض کا علاج، فضائل کی آبیاری، رذائل کی بیخ وبن سے اکھاڑ، شہوات کے استیصال، صبر ورضا اور اطاعت کی عملی مشق کا نام ہے، اسلامی تصوف نفوس کے مجاہدے، ان کے رجحانات کو دبانے، اس کی مرغوبات ومتروکات کے کڑے احتساب، دلوں میں چوری چھپے انگڑائی لینے والے وساوس وجنم لینے والا خیالات سے حفاظت، سالک کو وصول الی اللہ سے روکنے والے عوامل سے بچانے، اللہ کے ذکر سے غافل کر دینے اور غیر اللہ کی طرف متوجہ کرنے والے امور سے بے رغبت کر دینے کا نام ہے۔

اسلامی تصوف اللہ کی پہچان اور اس پر یقین، اللہ کی وحدانیت وبزرگی، توجہ الی اللہ اور انابت، اس کے ماسوا سے اعراض، اس کی عبادت وطاعت میں انہماک، حدود اللہ کا احترام، شریعت پر عمل ان مواہب ومفاخر کہ جن سے اللہ تعالیٰ منتخب دوستوں اور بندوں کو حاصل کر کے نوازتے ہیں، کے حصول کا نام ہے۔

تصوف کے بارے (بطور اسلامی علم کے مدون ہونے سے پہلے اور بعد) اتنی بات کہنا کافی ہے کہ تصوف: علم و حکمت نور وہدایت، تربیت و اصلاح، علاج و پرہیز، تقویٰ و استقامت، صبر و مشقت، دنیا کے مزخرف فتنے سے دُوری کا نام ہے۔

ابو محمد جریری نے اس کی صفت بیان کرتے ہوئے اسی طرف اشارہ فرمایا: تصوف ہر قسم کے بلند اخلاق کے اختیار کرنے اور تمام رذائل سے پاک ہونے کا نام ہے۔ نیز فرمایا: حالات کی نگرانی اور ادب کے التزام کا نام تصوف ہے "ادب" کے بارے میں امام قشیری نے اپنے رسالہ "جماع خصال الخیر" میں فرمایا: ادب دین کی سمجھ، دنیا کی بے رغبتی اور اللہ عزوجل کے حقوق کی معرفت کو کہتے ہیں۔

اور ابو نصر سراج رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ: "لوگوں کے ادب میں تین درجات ہیں۔

1. اہل دنیا: ان کے ہاں ادب فصاحت و بلاغت حفظ علوم و شعر و شاعری کا نام ہے۔
2. اہل دین: ان کے نزدیک ادب نفوس کی تربیت اعضاء و جوارح (کے اعمال) کی اصلاح، حدود اللہ کی حفاظت اور ترک لذت کا نام ہے۔
3. صوفیاء کے ہاں ادب دلوں کی پاکیزگی، اسرار و رموز کی رعایت، بندے اور معبود کے درمیان کئے ہوئے عہد کے ایفاء، اوقات کی پابندی وساوس کی طرف عدم التفات اللہ تعالیٰ کے مطلوبہ مقامات، حاضری کے اوقات اور مواضع قرب میں حسن ادب کا نام ہے۔

تو تصوف (جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں) شریعت کا خلاصہ اس کی روح اور اس کا ثمرہ و حکمت ہے، اور سید الطائفہ حضرت جنید (بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ) فرما چکے ہیں: ہمارا یہ علم تصوف قرآن وسنت کی (تعلیمات) سے مقید ہے، اور جو قرآن کریم نہ پڑھے حدیث شریف نہ لکھے اس معاملے میں اس کی ہرگز پیروی نہیں کی

جائے گی اور عبادت کے سب راستے سوائے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم پر چلنے کے مسدود کر دیئے گئے ہیں۔

اور علم شریعت کی یہ خاص قسم، زمانہ تدوین میں "تصوف" اور "علم الحقیقۃ" کے نام سے موسوم ہو چکی ہے، جیسا کہ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور دوسری قسم جو کہ ضروری احکام عبادات و معاملات سے متعلق ہیں "فقہ" اور "علم الشریعۃ" کے نام سے اختصاص حاصل کر چکی ہے۔

بعض صوفیاء نے دونوں علوم (کے ایک کامل مسلمان کی ظاہری و باطنی، حسی و معنوی مادی و روحانی شخصیت کے استوار کرنے میں) ربط و تعلق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "علم حقیقت (تصوف) بغیر شریعت کے باطل ہے، اور علم شریعت بغیر حقیقت (تصوف) کے بیکار ہے" تو یہ دونوں علم مسلمان کے لئے پرندے کے دو پروں کی مانند ہیں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ناکارہ ہیں۔ یہی وہ تصوف ہے جو تمام عیوب سے پاک ہے اس میں کجی ہے نہ زیادتی، جہالت ہے نہ بدعت، یہ ان علماء عباد اور عارفین کا تصوف ہے کہ جو اللہ کی حدود کو قائم کرنے، اور شریعت کے (احکام) کو مضبوطی سے تھامنے والے ہیں جیسے ابوسعید حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، ابواسحاق ابراہیم بن ادہم بلخی متوفی ۱۱۶ھ، ابوسلیمان داؤد بن نصیر طائی متوی ۱۶۵ھ، ابوعلی فضیل بن عیاض خراسانی، متوفی ۱۸۱ھ مکہ۔ ابومحفوظ معروف بن فیروز کرخی متوفی ۲۰۱ بغداد ہیں۔

اور اسی طرح ابونصر بشر بن الحارث حافی مروزی ثم بغدادی م ۲۲۷، ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی بصری صاحب، رسالۃ المسترشدین م ۲۴۳، ابوالفیض ذوالنون مصری م ۲۴۵ھ، ابوالحسن سری بن المغلس سقطی م ۲۵۷ھ، ابوزکریا یحیٰ بن معاذ رازی الواعظ، متوفی ۲۵۷ نیشاپور، ابوسعید احمد بن عیسی خزاز بغدادی م ۲۷۷ھ، ابومحمد سہل بن عبد تستری م ۲۸۳، شیخ الطائفۃ ابوالقاسم جنید بغدادی م ۲۹۷ھ "رحمہم

اللہ تعالٰی رحمة واسعة" جیسے لوگ شامل ہیں۔

اور انہی کی طرح، ابو محمد رویم بن احمد بغدادی م ۳۰۳ھ، ابو العباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء م ۹۰۳ھ، ابو محمد احمد بن محمد جریری، م ۳۱۱ھ، ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازنی قشیری، صاحب "الرسالة" مشہورۃ م ۵۶۴ھ، حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی صاحب کتاب "الاحیاء" م ۵۰۵ھ رحمہم اللہ عزوجل جو ہیں۔

اور ان سے متصل ابو محمد عبدالقادر جیلانی م ۵۶۱ھ، ابو حفص عمر بن محمد سہروردی صاحب کتاب "عوارف المعارف" م ۶۳۲ھ، امام ابوالحسن شاذلی علی بن عبداللہ م ۶۵۶ھ، ابو العباس احمد بن عمر مرسی م ۶۸۶ھ اسکندریہ، ابوالفضل احمد بن محمد عطاء اللہ اسکندری م ۷۰۹ھ، اور امام ابن القیم م ۷۰۱ھ، رحمہم اللہ تعالٰی ہیں۔

اور ان کے بعد سید عبداللہ بن علوی حداد حضرمی م ۱۱۳۲ھ، "حضر موت"، شمس الدین امام محمد بن سالم حفنی م ۱۱۸۱ مصر، ابوالبرکات احمد دردیری عدوی مالکی م ۱۲۰۱ھ مصر، اوران کے علاوہ متقدمین ومتاخرین صوفیاء کبار اور آئمہ تصوف عارفین جو مختلف زمانوں اور جگہوں میں گزرے ہیں جن کا شمار ممکن ہی نہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین[1]۔

---

[1] "بڑوں کی غلطیوں پر جرح کرو لیکن ان کو فناء مت کرو۔"

شیخ عبدالفتاح۔ "فتح اللّٰه و غفر له ولوالديه" فرماتے ہیں: یہ سب بڑے بڑے آئمہ کرام جو کہ سب نیک، فضلاء اور منتخب شدہ لوگ تھے، اپنے تمام افعال واقوال میں معصوم نہ تھے، اس لئے کہ ان کا تعلق انسانوں کے اسی گروہ سے ہے جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔ "وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفًا" (انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے) اور نیز جن کے بارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿كُلُّ بني آدَمَ خَطَّاءٌ وخيرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ﴾

ترجمہ: "ہر ابن آدم خطا کار ہے اور بہترین وہ ہے جو اپنی خطاء سے توبہ کرے۔"

تو ان بڑے حضرات میں سے بھی کسی سے بعض معاملات میں اجتہادی طور پر یا اپنے اردگرد کے ماحول کی وجہ سے کہ جس میں ان کی نشوونما ہوئی یا اپنے علاقے یا وقت کے مشائخ سے وراثتاً حاصل کئے ہوئے افکار میں یا اس کے علاوہ دوسرے اسباب کی وجہ سے غلطی کا صدور ممکن ہے، اور ان کی بزرگی اور

یہ اور ان جیسے دوسرے آئمہ کا کلام بہترین و محکم، حکمتیں شفاء بخش، اصول و فروع، اعمال حسنہ، دلی حالات، خطرات وساوس، اور ان کے علاج (اسلامی) آداب، (دینی) مزاج، احوال نفیسہ ومجاہدات شاقہ میں (بعض کے تشدد کے باوجود حسب مراتب علم وعرفان، اور ذوق میں تفاوت کے باوصف) بہترین علمی تالیفات ہیں اوران سب کا مصدر ومرجع اللہ تعالیٰ کی کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور آئمہ اعلام کے اقوال واعمال اوراحوال ہیں۔

یہ وہی خالص (اسلامی) تصوف ہے جس نے تدوین سے پہلے اور بعد دنیا کی سمع وبصر کی طاقتوں کو روشن کردیا، یہ اوران جیسے لوگ یقیناً صوفیاء ہیں جو کہ قول وفعل میں سچے ہیں اور انہی میں سے ایک امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

من گھڑت نو ایجاد تصوف

اس کے باوجود تصوف کی ایک قسم ایسی بھی ہے کہ جو کھوٹی ہے اور جسے بعض ایسے

جلالت شان کی وجہ سے ان کی غلطی کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ بصد ادب واحترام ان کی غلطی پر جرح کی جاسکتی ہے اس لئے کہ یہ حضرات نہ ہی معصوم ہیں اور نہ ہی شریعت کے مخالف حیلہ گر، اور مفسد فی الدین ہیں۔

انبیاء کے علاوہ کسی بڑی شخصیت سے غلطی کا وقوع ایسی چیز ہے جس سے کوئی پاک نہیں غلط کو غلط کہا جائے گا اس کا مصدر کوئی بھی ہو لیکن اسلامی آداب واخلاق کی رعایت کے ساتھ اور اس کی غلطی کی وجہ سے اس کی شخصیت کو فناء کرنا ٹھیک نہیں اس لئے کہ اس سے انبیاء کے سوا جو کہ معصوم بعصمة اللّٰه ہیں کوئی محفوظ نہیں رہا، ان بڑے حضرات کی اہمیت کو بالکل نظر انداز کردینا ان کی بعض لغزشوں کے سبب جو ان سے بلاعمد وقوع ہوئے پذیر ہوئیں خسران وہلاکت کا سبب، اور اسی ذات عزیز وغفار کے حکم سے پہلو تہی ہے جو اسی نے اپنی کتاب کریم میں فرمایا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾

ترجمہ: ”سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا۔“ (سورۃ الزلزال)

اس بارے میں اصول یہ ہے: بڑوں کی غلطی پر ادب سے جرح کرو لیکن ان کی شخصیات کو فناء کے گھاٹ مت اتارو۔

لوگوں نے گھڑ لیا ہے کہ جن کے مزاج میں باطنیہ حلولیہ کے عقائد کی آمیزش ہے لیکن عوام کو گمراہ کرنے دھوکہ اور تلبیس کی خاطر صوفیاء کے لباس میں جلوہ گر ہیں، اپنے الحاد اور دین میں اقوال شنیعہ کو رواج دینے اور مسلمان عوام کو گمراہ کرنے کے لئے صوفیاء کی صفوں میں گھس چکے ہیں، ان لوگوں کا تعلق صوفیاء سے ہے نہ تصوف سے اور یہ آئمہ اعلام جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سے مکمل اعلان برأت کر چکے ہیں اور ان کو زنادقہ ملحدین اور تبدیلی نسب کے ذریعہ دھوکہ دینے والا سمجھتے ہیں۔

بہت سے آئمہ نے (جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم بھی ہیں) ان کی حقیقت کو واشگاف ان کے عقائد کا پردہ چاک اور ان کے تصوف کا بطلان کیا ہے۔

محرف ومبدل تصوف

یہاں کچھ اور لوگ بھی ہیں جو صوفیاء کی طرف جھوٹی نسبت کے مرتکب ہیں اور تصوف کو اپنی علامت اور پیشہ سمجھتے ہیں۔ بدعات، جھوٹے شعار، اور اجنبی رسوم (ورواجات) پر عمل پیرا ہیں جن سے تصوف، صوفیاء اور اصحاب علم و دانش بری ہیں۔

یہ لوگ بھی دعوائے صوفیت میں جھوٹے، صوفیاء کی صفوں میں دخیل، بدعتی اور گناہگار ہیں۔

حق وانصاف کا بول بالا کرتے ہوئے ضروری ہے کہ ان جھوٹے باطل مدعیان تصوف کا پردہ چاک کیا جائے لیکن مطلقاً تصوف اور صوفیاء کی مذمت نہ کی جائے بلکہ ہر گروہ کو تعصب و زیادتی کے بغیر مدح و ذم، ترغیب و ترہیب میں سے حصہ دیا جائے۔[1]

---

[1] ان غاصبین کا اپنا نام کے ساتھ صوفی کا لاحقہ لگانے، اور پھر حقیقت حال کے خلاف کا ارتکاب کرنے سے لازم نہیں آیا کہ نیک و بد میں تمیز ختم کر دی جائے۔ "ولا تزر وازرة وزر اخری" (ترجمہ:) "اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا" از امام ابن المنیر اسکندری در تعلیقات بر کشاف زمخشری ۱/۲۶۱ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اس بحث کو ہم نے طویل اس لئے کیا ہے کہ قاری یہ سمجھ لے کہ امام محاسبی صاحب "رسالة المسترشدين" اپنے طرز اقوال اور علوم میں ان صوفیاء صادقین کی طرح ہیں اور خود امام محاسبی کا یہ رسالہ اس پر دلیل ہے اور اس میں نفوس کی تربیت طبائع کی اصلاح اور دقت نظر توجہ سے مطالعہ کرنے والوں کے لئے علم صحیح ہے۔[۱]

اور اس کے ساتھ استاذ محقق کی تعلیقات ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی اشاعت اور اس عظیم سرمایہ کی حفاظت کی فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں (کتاب وتعلیقات) کو نافع بنائے اور ان کے اجر میں اضافہ فرمائے۔ آمین۔

حسنین محمد مخلوف
سابق مفتی مصر
رکن جماعۃ کبار العلماء
قاہرہ ۳ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ

---

[۱] شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق امام شاطبی کا مختصر کلام اس بارے میں نقل کریں گے کہ صوفیاء صادقین اہل اتباع میں سے ہیں نہ کہ اہل بدعت، اور وہ مدح وستائش کے زیادہ لائق اور بدعت و اہل بدعت سے دور بھاگنے والے ہیں اور لوگوں کے درمیان شریعت وآداب شریعت کے سب سے زیادہ پیروکار ہیں۔

صوفیاء صادقین کے بارے میں امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شہادت کہ "صوفیاء اہل اتباع میں سے ہیں نہ کہ مبتدعین" اور ان کا یہ بیان کہ "تصوف کے غوامض پر بحث کرنا مطلقاً بدعت نہیں"

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے (جو کہ خود اصولی اور فقیہ تھے) اپنی عظیم اور نفع بخش کتاب "الاعتصام" میں صوفیاء معتبرین پر بعض جہلاء کے (ان) اعتراضات (کہ یہ لوگ مبتدعین وضالین ہیں) سے برأت کے لئے دس صفحات پر مشتمل ایک مستقل فصل ذکر کی ہے، اور اس میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ ان صوفیاء معتبرین کا مذہب اتباع سنت اور خلاف سنت سے اجتناب ہے۔

میں بھی یہاں اس کے کچھ جملے ذکر کرتا ہوں تا کہ اہل حقیقت کے ساتھ انصاف ہو سکے، ہدایت و درستگی اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فصل رابع باب ثانی صفحہ نمبر ۸۹، ۹۹ اور فصل سابع باب ثالث ۱/۲۰۷ پر فرماتے ہیں۔

فصل

چوتھی قسم صوفیاء مشہورین کی طرف سے بدعت واہل بدعت کی مذمت

سابق میں جو دلائل ہم نے کتاب وسنت اور کلام سلف صالح سے بدعت و اہل بدعت کی مذمت میں بیان کئے ہیں اگر چہ وہی کافی وشافی تھے لیکن اس کے باوجود ہم

آنے والا کلام ذکر کر رہے ہیں اس لئے کہ بہت سے جہلاء یہ خیال کرتے ہیں کہ صوفیاء اتباع سنت میں تساہل سے کام لیتے ہیں، نیز من گھڑت عبادات اور جن چیزوں کو شریعت میں لازم نہیں کیا گیا ان کے التزام کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔ جب کہ اہل تصوف اس اعتقاد اور قول سے بہت دور ہیں۔ بنیادی چیز جس پر ان حضرات کی طریقت کی بنیاد ہے وہ اتباع سنت اور خلاف سنت سے اجتناب ہے حتی کہ ان کے سید الطائفہ، ان کی بنیاد، اور ان کے مسلک کے مرکز ثقل، ابوالقاسم قشیری وثوق سے فرماتے ہیں کہ: انہوں نے "تصوف" کا نام اہل بدعت سے اجتناب و امتیاز کے لئے اختیار کیا ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے زمانہ میں اسلام کے اصحابِ فضائل "صحابی" کے نام سے موسوم ہوئے اس لئے کہ اس وقت اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں تھی، اور ان سے متصل زمانہ کے لوگ "تابعین" کہلائے اور اسی نام کو اشرف الاسماء سمجھا گیا۔ پھر اس کے بعد لوگ "أتباع التابعین" کہلائے، پھر اس کے بعد لوگوں میں تفاوت آگیا، اور درجات میں بھی فرق واقع ہوا، تو "خواص" جنہیں دین سے خصوصی شغف تھا۔ "زہاد و عباد" پکارے گئے۔ مزید کہتے ہیں: "پھر بدعات کا ظہور ہوا اور ہر ایک گروہ "عباد و زہاد" کا مدعی ہوا تو خواص اہل سنت جو اللہ کے حقوق کی رعایت کرنے والے اور اپنے دلوں کی غفلت سے حفاظت کرنے والے تھے، "تصوف" کے نام سے ممتاز ہو گئے"۔ یہ آپ کے کلام کا خلاصہ ہے، تو انہوں نے اس لقب کو اتباع سنت اور بدعت سے امتیاز کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ اس میں جہلاء اور غیر معتبر مدعیان علم کے اعتقاد و اذعان کے خلاف واضح دلیل ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے وقت میں کشادگی دی، اپنی مدد شامل حال فرمائی اور اسباب کو موافق کر دیا تو میں قوم (صوفیاء) کی طریقت کے بارہ میں مختصراً ایسا نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جو ان کی صحت اور تصوف کے "راہ حق" ہونے پر دلالت کرے۔

اور اس میں جو مفاسد آئے اور بدعات نے راہ پائی تو وہ ایسے لوگوں کی طرف سے ہیں جن کا زمانہ ان سلف صالحین کے زمانہ سے بہت بعد کا ہے انہوں نے تصوف کو شرعی طریقہ سے ہٹ کر اپنایا جب کہ اہل تصوف کے مقاصد کو سمجھنے سے قاصر رہے اور ان پر ایسے افتراءات بکے جو ان سے منقول نہیں حتی کہ اس زمانہ اخیرہ میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے متوازی ایک نئی شریعت معلوم ہونے لگی۔

اور اس سے مزید بڑھ کر یہ کہ وہ لوگ اتباع سنت میں متساہل اور من گھڑت عبادات کو اصل عبادت قرار دینے لگے۔ جب کہ صوفیاء کی طریقت (بحمد للہ تعالیٰ) اس بے بصیرت کام سے کوسوں دور ہے۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: جو بدعتی کے ساتھ بیٹھے گا اس سے حکمت نصیب نہیں ہوگی، ذوالنون مصری کا قول ہے: لوگوں میں فساد چھ وجہ سے آیا...... ان میں سے پانچویں وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے اپنی ذاتی خواہشات کی پیروی کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اتار پھینکا، اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ سلف صالحین کی لغزشوں سے استدلال کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہیں جب کہ ان کے مناقب وفضائل کو بھلا چکے ہیں، یحییٰ بن معاذ رازی رقم طراز ہیں: لوگوں میں اختلافات کی بنیاد تین وجہ سے ہے، اور ان تینوں کی اضداد ہیں جس نے اصل کو چھوڑا وہ ضد میں گرفتا ہوا۔

1. توحید اس کی ضد شرک ہے۔
2. سنت اس کی ضد بدعت ہے۔
3. اطاعت اس کی ضد معصیت ہے۔

ابو علی حسن بن علی جوز جانی ارشاد فرماتے ہیں: بندے کے لئے نیک بختی کی علامات میں سے ہے کہ: اللہ کی اطاعت آسان ہو جائے اس کے اعمال سنت کے موافق ہو جائیں دوستوں سے حسن اخلاق کا مظاہرہ کرے مخلوق کے لئے نیکی کے کام

انجام دے مسلمانوں کے امور میں دلچسپی لے اپنے اوقات کی حفاظت کرے۔

ان سے استفسار کیا گیا اللہ تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: اللہ تک پہنچنے کے راستے بہت سے ہیں لیکن سب سے زیادہ واضح اور شبہات سے پاک: قول، فعل ارادہ، عقد ونیت میں سنت کا اتباع ہے، پھر سوال ہوا سنت اختیار کرنے کا راستہ کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا: بدعات سے دوری، قرون اولیٰ کے علماء کے متفقہ مسائل کی پیروی، اور اقتداء کا التزام۔ ابوالحسن وراق فرماتے ہیں: ''صدق'' دین میں استقامت کا نام ہے اور شریعت میں اتباع سنت کا، اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔

ابوبکر بن سعدان (جو کہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں میں سے ہیں) فرماتے ہیں: ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا'' (اعمال میں) غفلت، گناہوں، بدعات اور گمراہ کن افعال سے بچنے کا نام ہے۔

ابوعمر زجاجی (حضرت جنید بغدادی اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں میں سے ہیں) فرماتے ہیں: زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی عقلوں اور طبیعتوں کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے لوگوں کو شریعت کی پیروی کی طرف موڑ دیا، پس عقل صحیح اسی کو پسند کرے گی جسے شریعت پسند کرے، اور اس کو برا سمجھے گی جسے شریعت برا سمجھے۔

ابویزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے تیس برس مجاہدوں میں گزار دیئے لیکن علم اور اس کی پیروی سے سخت چیز میں نے نہیں دیکھی، اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں بھٹک جاتا، توحید کے علاوہ ہر مسئلے میں علماء کا اختلاف رحمت ہے اور علم کی پیروی یہ سنت کی پیروی ہی کا نام ہے۔

آپ ایک ایسے شخص کو دیکھنے تشریف لے گئے جو کہ مرتبہ ولایت میں شہرت کی حد کو پہنچ چکا تھا اور لوگوں میں مرجع اور زاہد مانا جاتا تھا، راوی بیان کرتے ہیں کہ جب

یہ شخص گھر سے نکلے اور مسجد میں داخل ہوئے تو قبلہ رخ تھوک دیا، ابویزید بسطامی ان سے سلام وکلام کئے بغیر واپس آ گئے، اور فرمانے لگے: یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پابند نہیں ہے تو دعوائے ولایت میں کس طرح صادق ہوسکتا ہے۔[1]

اور مزید فرمایا: اگر تم صاحب کرامات انسان کو دیکھو کہ ہوا میں اڑ رہا ہے تو اس سے دھوکہ مت کھانا حتی تم اس کو امر ونہی اور حدود وآداب شریعت کی حفاظت میں پرکھ لو۔

حضرت سہل تستری فرماتے ہیں: ہمارے (صوفیاء) کے سات اصول ہیں: کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا، اور

---

[1] ﴿عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا﴾

"حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو دفن کردیا جائے۔" (بخاری)

"بابُ اِسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ وَمَا يَتْبَعُهَا مِنْ آدابِ الْمَسْجِد" (۱/۴۲۸) "کتاب المساجد ومواضع الصلاة" اور مسلم شریف کی ایک روایت میں "اَلتَّفَلُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ" کے الفاظ ہیں (معنی وہی ہیں) بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اِذَا قَامَ أَحَدُ كُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللّٰهَ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ فَإِن عَنْ يَمِيْنِهِ مَلَكاً وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ فيدفنها﴾

"جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہو تو سامنے نہ تھوکے اس لئے کہ وہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہے اور نہ ہی دائیں ہاتھ تھوکے اس لئے کہ اس کے دائیں ہاتھ فرشتہ ہے بلکہ بائیں یا نیچے تھوک کر اس کو زمین میں دبا دے۔"

نیز حضرت انس سے مروی ہے: "رأى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَحَكَّهَا بِيَدِهِ وَرُؤِيَ مِنْهُ كَرَاهِيَتُهُ لذلك وشِدَّتُه عليه" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رخ تھوک دیکھا تو اس کو ہاتھ سے کھرچا اور شدید ناپسند فرمایا۔

حلال مال کھانا......) اور آپ سے ''مروت'' کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: سنت کی پیروی کرنا۔ اور ابوسلمان دارانی کہتے ہیں: جب صوفیاء کے نکات میں سے کوئی نکتہ میرے قلب پر وارد ہوتا ہے تو میں اس کو دو عادل چیزوں کتاب وسنت کی گواہی کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ اور احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: جس نے سنت سے ہٹ کر عمل کیا اس کا عمل باطل ہے۔

سید الطائفۃ ابوالقاسم جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مخلوق کے لئے عبادت کے سب راستے سوائے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم پر چلنے کے مسدود کر دیئے گئے ہیں۔ مزید فرمایا: جو قرآن پاک کی تعلیم حاصل نہ کرے اور حدیث شریف نہ لکھے اس (تصوف) کے معاملے میں اس کی اقتداء نہیں کی جائے گی اس لئے ہمارا یہ علم (تصوف) اور ایک روایت کے مطابق یہ مذہب کتاب وسنت سے مقید ہے۔

ابوعثمان حیری کہتے ہیں: جو اپنے نفس کو قول وفعل میں سنت کے تابع کر دیتا ہے حکمت کا کلام کرتا ہے اور جو خواہش نفس کے تابع ہو جائے بدعت کو رواج دیتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا'' اگر اس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

ابوالحسن نوری کا قول ہے: تو اگر کسی کو ایسی حالت کا مدعی پائے کہ وہ اس کو علم شریعت سے خارج کر رہی ہو تو اس کے قریب بھی نہ پھٹک۔ ابوالقاسم نصر آبادی کہتے ہیں: تصوف کی بنیاد کتاب وسنت کا التزام، بدعات ونفسانی خواہشات کو چھوڑنا، مشائخ کے حقوق کی تعظیم، مخلوق کے اعذار کی رعایت، وظائف پر دوام، رخصتوں اور تاویلات کے عدم ارتکاب کا نام ہے۔

اس بارے میں ان حضرات (صوفیاء) کا کلام بہت طویل ہے ان میں سے مشہور حضرات کے کلام سے کچھ ہم نے پیش کر دیا ہے جن کی تعداد چالیس تک پہنچ

جاتی ہے۔

اور یہ سب اس بات کی صراحت فرمارہے ہیں کہ بدعت گمراہی اور اس پر عمل راستہ سے بھٹکنا ہے اس کا استعمال اندھے گڑھے میں پھینک دیتا ہے راہ نجات کے منافی ہے۔ بدعتی (ہلاکت) سے غیر محفوظ شتر بے مہار، اور حکمت کے حصوں سے محروم ہے اور صوفیاء جو طریقت سے نسبت رکھتے ہیں شریعت کی عظمت پر متفق سنت کے پیروکار اور سنن کے آداب کو بجا لانے والے بدعت و اہل بدعت سے دور بھاگنے والے ہیں۔

اس لئے صوفیاء میں آپ کسی ایسے کو نہیں پائیں گے جو کہ گمراہ فرقوں میں سے کسی سے نسبت رکھتا ہو، یا خلاف سنت کی طرف مائل ہو، بلکہ ان میں سے اکثر کے بارے میں منقول ہے کہ: وہ علماء، فقہاء، محدثین دین کے اصول وفروع میں مرجع الناس ہیں اور ان میں جو اس درجے کا نہیں ہے تو اس کے لئے دین کے معاملات میں بدرجہ کفایت فقیہ ہونا ضروری ہے۔

یہ سب حضرات حقائق، وجدان، ذوق، حالات و رموز توحید کے مالک تھے ان کے یہ حالات ہمارے لئے ان لوگوں کے خلاف حجت ہیں کہ جو اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب تو کرتے ہیں لیکن ان کی راہ نہیں اپناتے بلکہ بدعات، من گھڑت افسانے، اور خواہشات کے راستہ پر چل کر ان کو کسی فاسد تاویل یا قول محتمل یا مختلف حالات میں سے کسی حال یا کسی ایسی مصلحت کی بناء پر کہ جس کو شریعت نے باطل قرار دیا ہے یا اس جیسے دوسرے احتمالات کی وجہ سے، ان کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

بہت سے ایسے لوگ دیکھنے کو ملیں گے کہ جو اپنے آپ کو ان سے منسوب کرتے ہیں لیکن ایسے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں جن کے فساد پر اہل شریعت کا اتفاق ہے، اور ایسی کہانیوں سے استدلال کریں گے کہ ان کی حیثیت ذاتی احوال کی سی ہے، اگر ان کو درست قرار دے بھی دیا جائے تو متعدد احتمالات کی وجہ سے ان سے استدلال

درست نہیں۔

اور ان کے ایسے کلام و حالات کو چھوڑ دیتے ہیں جو صراحتاً حق کو واضح کر رہے ہیں اور اتباع صحیح پر دال ہیں بالکل اسی طرح کہ جسے ادلۂ شرعیہ میں سے متشابہات سے استدلال کیا جائے۔

رہا دوسرا مسئلہ یعنی تصوف کے غوامض و اسرار کے بارے میں بحث کرنا تو نہ تو مطلقاً بدعت ہے اور نہ ہی مطلقاً درست بلکہ اس میں تفصیل ہے۔ اس میں سب سے پہلے لفظ ''تصوف'' کی تشریح ضروری ہے تاکہ جب ہم حکم لگائیں تو محکوم علیہ (جس پر حکم لگایا گیا ہے) معلوم ہو۔

متاخرین کے ہاں اس کی تفصیل میں ابہام ہے اس لئے ہم متقدمین کے کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں متقدمین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''تصوف'' کے دو معنی ہیں۔

① ”التخلق بكل خلق سنّي والتجرد عن كل خلق دنيٍّ“ ہر اچھی عادت کو اپنانا، اور بری عادت سے بچنا،

② ”إنه الفناء عن نفسه والبقاء لربه“ اپنی ذات کو فناء کرتے ہوئے رب تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا۔

درحقیقت ان دونوں معنی کا مرجع ایک ہی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے معنی میں تصوف کی ابتداء کو لیا گیا ہے، اور دوسرے معنی میں انتہا کو البتہ دونوں ہی وصف ہیں مگر پہلے کی کوئی خاص حالت نہیں جب کہ دوسرے میں خاص حالت پائی جاتی ہے، اور کبھی دونوں معنی کی تعبیر اسی طرح کی جاتی ہے کہ پہلے کا تعلق اعمال تکلیفیہ سے جڑتا ہے اور ثانی اس کا نتیجہ کہلاتا ہے۔ اول کا مظہر انسان کا ظاہر اور ثانی کا مظہر باطن ٹھہرتا ہے اور دونوں کے مجموعہ کا نام تصوف ہے۔

جب تصوف کے معنی اچھی طرح واضح ہو گئے ہیں تو اب سمجھنا چاہئے کہ معنی اول

کے اعتبار سے تصوف کے بدعت سے خارج ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اس لئے کہ یہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے کہ جس میں عمل کی بنیاد، اس کو لاحق ہونے والی آفات وعوارض کی تفصیل، اور اس میں واقع ہونے والی خرابیوں کی تلافی و اصلاح کو سمجھنے کا نام ہے۔ اور یہ ''اصل فقہ'' ہے جس کے اصول کتاب وسنت میں ظاہر ہیں اس جیسی چیز کو بدعت نہیں کہا جا سکتا، ہاں اس فقہ کی جزئیات کہ جو سلف صالحین سے منقول نہیں ہیں کو لغوی طور پر بدعت کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بیع سلم اجارات کرایہ پر لین دین کے معاملات، اور زخموں کے جزوی مسائل، اور سجدہ سہو کے مسائل، گواہی سے رجوع کرنے، اور مدت معینہ تک بیع وشراء، اور ان جیسے دوسرے فقہ کے ابواب کی جزئیات ہیں۔

اور علماء کی شان کے خلاف ہے کہ ان جزئیات کو جو سلف صالحین کے زمانہ میں نہیں تھیں اور بعد میں اجتہاد کے ذریعہ سے ان کا حکم معلوم کیا گیا پر بدعت کا اطلاق کیا جائے اگرچہ یہ جزئیات انتہائی دقیق کیوں نہ ہوں اسی طرح اخلاق ظاہرہ و باطنہ کی دقیق جزئیات پر بھی بدعت کا اطلاق نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ ان سب کا مرجع اصول شرعیہ ہیں۔ انتہی کلام الشاطبی۔

شیخ عبدالفتاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیلاً کلام کرتے ہوئے تصوف کو معنی ثانی کے اعتبار سے چار اقسام پر تقسیم کیا ہے، اور بدعت وعدم بدعت کو بیان کیا ہے اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس سے نقل کرتے جو حضرات تفصیل چاہیں وہاں مطالعہ کر لیں۔ اور ہم نے جو امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام نقل کیا ہے یہ ''تصوف حق'' اور حقیقی صوفیاء کی مدح وستائش میں بالکل صریح ہے، ان جیسے جلیل القدر فقیہ، اصولی، محقق دانش ور امام کے بیان کے بعد کسی عالم و عاقل کو لائق نہیں کہ مطلقاً صوفیاء کی مذمت کرتا رہے ہاں ہر ایسے عمل اور جماعت کی ممانعت ضروری ہے جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کے نشان قدم سے ہٹ کر ہوں رضوان

اللہ علیہم اجمعین۔

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پہلے بھی کئی ایک ائمہ کبار، مقتدایان میں سے صوفیاء کی تعریف میں رطب اللّسان رہے ہیں۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "معارف السالکین" ۱۲۹/۳ پر (یہ کتاب مکمل تصوف وسلوک پر ہے) فرماتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں صوفیاء کے ساتھ رہا میں نے ان سے صرف دو کلمے سیکھے ہیں کہ وہ لوگ فرماتے تھے:

﴿اَلْوَقْتُ سَيْفٌ فَإِنْ قَطَعْتَهُ وَإِلَّا قَطَعَكَ، وَنَفْسَكَ إِنْ لَمْ تَشْغَلْهَا بِالْحَقِّ شَغَلَتْكَ بِالْبَاطِلِ﴾

"وقت ایک تلوار کی مانند ہے، اگر تو نے اس کو کاٹ دیا تو ٹھیک ورنہ وہ تجھے کاٹ دے گی، اور نفس کو اگر تو نے حق بات و کام میں مشغول کر دیا تو ٹھیک ورنہ وہ تجھے باطل میں مشغول کر دے گا۔"

امام ابن القیم فرماتے ہیں: کیسے ہی پیارے جامع اور نافع کلمات ہیں قائل کی علو ہمت اور بیدار مغزی پر دال ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایسے گروہ کی تعریف کافی ہے جن کے کلمات کی یہ قدر و منزلت ہے۔

مقدمہ طبعہ اولیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله ولي كل خير وهداية، والصلاة والسلام على سيدنا محمد الداعي الى افضل طريقة وغاية، ورضي الله عن أصحابه مصابيح الهدى والدين، وتابعيهم السالكين نهجهم القويم باحسان.

اما بعد! اس وقت لوگ روحانیت کی طرف توجہ، دین کی سمجھ اور اس پر عمل کرنے کے بعد سب سے زیادہ محتاج ہیں اور سلف صالحین کو یہ سعادت بدرجہ اتم حاصل تھی ان کی اجتماعیت پاکیزہ، ان کا عمل نیک، ان کی اچھائی زیادہ اور برائی کم تھی اور انہوں نے اپنی دنیا و آخرت کے واسطے اچھائی کو ہی اختیار کیا، ان اسلاف خیر نے ایسے نشانات قدم اور علم کے آثار چھوڑے ہیں کہ جو راہ بھٹکنے والوں اور جادہ مستقیم سے بچھڑنے والوں کے لئے مینارہ نور ہیں، چنانچہ انہوں نے اعمال کے فضائل اور درستگی، نفس کی اصلاح اور اس کی صفائی کی ترغیب و ترہیب کے لئے ایسی کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے کہ ان کی کثرت تصنیف و تالیف اور ترغیب و ترہیب کی وجہ سے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ: ''اسلاف نے اخلاف کے لئے کسی موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا۔''

اس عظیم سرمایہ میں سے جو اسلاف نے اخلاف کے حوالے سے کیا انتہائی پاکیزہ آثار امام شیخ ابوعبداللہ حارث محاسبی کے ہیں، جو خود زاہد، ناصح، فقیہ، محدث، متکلم، امین، اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف قلب و قالب، لسان و قلم سے دعوت دینے والے تھے۔

شیخ ابوعبداللہ محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کو دست قدرت نے اخلاص کامل، دل بیدار اور بیان ناطق کے ساتھ تقویٰ اور خوف و خشیت سے نوازا تھا یہ دونوں کلمات جو کہ بولنے

اور سننے میں بہت وزنی ہیں ابوعبداللہ کے دل میں کائنات کی وسعتوں سے زیادہ وسیع، اور زندگی سے زیادہ حساس تھے، ابوعبداللہ کا دل دنیا کی محبت سے اس انسان کی طرح خالی ہو چکا جس کو یقین ہو جائے کہ وہ موت کے منہ میں کھڑا اور قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے حتی کہ جب لوگوں کو زبان و بیان سے نصیحت کرنے کھڑے ہوتے تو ایسا لگتا کہ جنت اور اس کی نعمتوں، جہنم اور اس کی تپش کو سامنے دیکھ رہے ہیں، ان کی حالت ایسی تھی جیسے مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: مجھے دوست مل جائیں تو میں ان کو پوری دنیا میں پھیلا دوں کہ وہ اعلان کرتے پھریں لوگو! آگ سے بچو لوگو! آگ سے بچو۔

ابوعبداللہ۔ "أجزل الله مثوبته" نے اپنی بعض کتب میں اتنی تفصیل و تطویل سے کام لیا ہے کہ کسی مزید اضافے کی گنجائش نہیں رہی اور بعض کتب میں رشد و ہدایت کے طالب قاری کی ذاتی توجہ اور دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی ایجاز و اختصار اختیار کرتے ہوئے قلیل کلام پر اکتفاء کیا ہے۔

آپ نے یہ "رسالہ" تالیف فرمایا اور اس کا نام "رسالة المسترشدين" رکھا، اس میں قیمتی نصیحتیں، پاکیزہ ارشادات، بھرپور موعظت، خوب روشن بیدار کرنے والی تنبیہات، قول و بیان میں سے خالص توجیہات کو ایسے جملوں میں رکھ دیا ہے جس میں علم و معانی کے خزائن پوشیدہ ہیں جو زود فہم اور سریع القرأت ہیں، لیکن ان سے وہی قاری مکمل استفادہ کر سکتا ہے جو ان کو ایک ایک جملہ کر کے تکرار کے ساتھ انتہائی توجہ اور مکمل تدبیر سے پڑھے، اور ان کے یاد کرنے پر دھیان دیتے ہوئے ان میں خوب سوچ و بچار سے کام لے۔

یہ رسالہ میرے پاس "مخطوطہ" کی شکل میں تھا اور مجھے کئی سال قبل میسر ہوا تھا، جب میں نے اس کا براہ راست مطالعہ کیا تو اس کو مکمل جامع، بھلائی چاہنے والے اور اس کے متلاشی کے لئے نافع پایا تو میں نے اس کو طبع کرنے اور لوگوں کے سامنے

لانے کا ارادہ کر لیا تاکہ اس کے مؤلف کے اخلاص ان کی بھلائی اور ان کی انتہائی تقویٰ وعلم اور خالص نصیحت سے عام لوگ استفادہ کر سکیں۔ رحمه الله تعالىٰ و رضي عنه۔

''مخطوطہ'' کا خط انتہائی واضح کلمات صاف اور غلطیاں بہت کم تھیں اور کئی مواقع میں تصحیح بھی کی گئی تھی جس کے چھوٹی تقطیع سے ۴۳ صفحات تھے، اور اس کی کتابت کی تاریخ بھی درج نہیں تھی البتہ اس کی کتابت ازمنہ اخیرہ (بعد کے زمانہ) میں ہوئی تھی میرا اندازہ ہے کہ دسویں صدی ہجری کے بعد اس کی کتابت ہوئی ہے البتہ کاتب کا نام مذکور نہیں تھا لیکن اس کے تیسرے صفحہ پر قلم کے سر سے لگے ہوئے نقطوں سے کچھ لکھا گیا تھا جس سے یہ جملہ بنتا تھا۔ ''كتبها الحاج احمد بن اسماعيل''

اور مجھے معلوم ہوا کہ ''معهدا المخطوطات العربية'' قاہرہ میں اس کا ایک مخطوطہ نسخہ ہے جو ''بلدیہ لائبریری'' اسکندریہ سے فوٹو کاپی کر کے لایا گیا ہے جس کا نمبر (۳۰۲۴/۱۳ اج) ہے تو میں نے اس کو فوٹو کاپی کروالیا جس کی کتابت مغربی طرز کی ہے جو چھوٹی تقطیع کے ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے جس کے کلمات قریب قریب باریک خط کی وجہ سے ملے ہوئے ہیں اور ان کا خط مکمل محفوظ ہے البتہ میرے نسخہ کی طرح اس پر بھی کتابت کی تاریخ درج نہیں ہے اور نہ ہی کاتب کا نام لکھا ہوا ہے، ''معهد المخطوطات العربیہ'' کی کاپی شدہ مخطوطات کی فہرست میں ۱/۱۶۴ پر اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اس کی کتابت بارہویں صدی میں ہوئی ہے۔''

میں نے اپنے ہونہار محنتی بھتیجے شیخ عبدالستار ابوغدہ کے تعاون سے اس کا اپنے ہاں کے نسخہ سے تقابل کیا تو بعض جملوں کے تکمیل و درستگی میں اس سے بہت فائدہ ہوا، اور کہیں کہیں دونوں نسخوں کے اختلاف کو میں نے حاشیہ میں بیان بھی کر دیا ہے اس نسخہ کی طرف اشارہ کے لئے میں نے ''مغربی نسخہ'' کے الفاظ وضع کئے ہیں، اور اپنے نسخہ کے لئے ''اصل'' کے، اور جہاں دونوں متفق ہوں وہاں ''في الاصلين''

کے الفاظ ذکر کر دیئے ہیں، تکمیل استفادہ کے لئے میں نے ایسی تعلیقات کا اضافہ کیا ہے جو وضاحت نفع اور فہم میں اضافہ کا سبب ہیں اور آیات کریمہ کے ساتھ سورتوں کے حوالہ جات اور جگہ کا تعین کر دیا ہے اس کے ساتھ تخریج احادیث بھی کی ہے، اور مصنف کے مکمل ایسے حالات بیان کر دیئے ہیں جو امام کا مرتبہ وتعارف بتلانے میں شافی ہیں جب کہ اس سے قبل آپ کی دو کتابوں "التوہم" اور "الرعایۃ" کی طباعت میں ان سے چشم پوشی کی گئی ہے۔

ان کا انتساب میں اپنے جوان سال بھتیجے عبدالہادی ابوغدہ کی طرف کرتا ہوں جنہیں عنفوان شباب میں اجل نے آدبوچا جبکہ وہ ابھی اپنی زندگی کی بیس بہاریں بھی مکمل نہیں کر پائے تھے۔

اے اللہ: انہیں جنت میں اپنی جوانی کا نعم البدل عطا فرمایئے، ہمارا اور ان کا انجام اور نیکی اور زیادتی کے ساتھ فرمایئے، اور میرے اس عمل کو قبول فرمالیجئے، اور اس کاوش کو اپنی رضا کے لئے اپنی بارگاہ میں محفوظ فرمالیجئے کہ آپ کے سامنے حاضری میں اس سے فائدہ حاصل ہو۔ "یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُوْنٌ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ" کہ جب مال فائدہ دے نہ اولاد، مگر وہی کہ جو قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔"

کاتب

عبدالفتاح ابوغدہ

حلب یکم جمادی الاولی ۱۳۸۴ھ

مصنف کے حالات

نسب تاریخ ولادت و وفات

نام ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی۔ جائے پیدائش بصرہ، مستقل قیام و جائے وفات بغداد ہے۔ اپنے وقت کے امام، عارف باللہ اور ناطق بالحکمت تھے۔ تقویٰ، علم معاملات و حالات میں ''عدیم النظیر'' (اپنا ثانی نہیں رکھتے) تھے۔ دنیا سے انتہائی بے رغبت عبادت زہد و موعظت میں بیان و خطاب کے ماہر تھے۔ اپنے نفس کا کثرت احتساب کی وجہ سے ''محاسبی'' کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہو سکی البتہ آپ کی وفات ۲۴۳ھ بغداد میں ہوئی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور ولادت غالباً (بعض اکابر کی وفات سے اندازہ کرتے ہوئے) ۱۵۶ھ ہے۔

مصنف کے حالات محدث، ادیب، مورخ ابن بشکوال۔ خلف بن عبدالملک اندلسی قرطبی (۴۹۴، ۵۷۸) نے ایک مستقل رسالۃ میں بیان کئے ہیں، جیسا کہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''الجواهر والدرر فی ترجمة شیخ الاسلام الحافظ بن حجر'' کے آخر میں ایک ''مستقل فصل'' میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح ان کی کتاب ''الاعلان بالتوبیخ'' مطبوعہ بغداد کے ضمن میں بھی ۳۷۲ پر موجود ہے۔

روایت حدیث اور آپ سے روایت کرنے والوں کے نام

آپ نے یزید بن ہارونؒ اور ان کے طبقہ (ہمعصر) کے لوگوں سے حدیث روایت کی ہے، اور آپ نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی پڑھا ہے جیسا کہ ابومنصور عبدالقاہر تمیمی بغدادی نے ''اصول الدین'' صفحہ ۳۰۸ پر ذکر فرمایا ہے۔[۱]

---

[۱] حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ امام محاسبی کے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد ہونے میں

اور آپ سے روایت کرنے والے ابو العباس بن مسروق، احمد بن عبد الجبار صوفی اور شیخ امام جنید بغدادی (جن کی ان کے ساتھ بہت ساری حکایات معروف ہیں) اسماعیل بن اسحاق سراج، ابو علی حسین بن خیران، احمد بن قاسم نصر اور احمد بن عبداللہ بن میمون وغیرہ ہیں۔

آپ کا ذوق عبادت، علوم میں مرتبہ امامت، اور تصانیف کثیرہ

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ احکام کو بجا لانے والے عبادت گزار، صوفی باصفا، تارک الدنیا، فقہ واصول کے ماہر، علم کلام کے شناور، واعظ بے بدل حدیث کے راوی، زبان کی فصاحت، بیان کی عمدگی، قلب کی صفائی سے مزین تھے۔ جب کسی واقعہ کو ترغیباً یا ترہیباً بیان کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ سامعین آنکھوں سے اس کا مشاہدہ اور اعضاء سے اس کو محسوس کر رہے ہیں بات ختم کرنے سے پہلے انسان کو قائل کر کے اس کے دل کو اطمینان سے معمور کر دیتے اور ان کی بات بھلائی اور نصیحت ہی ہوتی۔

آپ کی تصنیفات وساوس و خدشات کا قلع قمع کرنے والی اور مقام انذار (ترہیب) میں صدق و یقین اور مشاہدہ کی حامل ہیں اکثر سرگوشی کے انداز میں آپ کو رلا دیں، آگ اور اس کے ہولناک مناظر سے ڈرانے میں ان کا ناصحانہ انداز اور مخلصانہ نصیحت کا اظہار ہوتا ہے اور بسا اوقات قائل کرتے ہوئے کلام کو ایسا طویل کر دیں جب کہ مشفق غمزدہ باپ اپنے بیٹے کو دردناک عذاب سے ڈراتے ہوئے کلام کو طول دے دے حتی کہ انسان فعل کو بجا لانے یا چھوڑنے پر تیار ہو جائے۔[1]

اختلاف کیا ہے جیسا کہ "تاج سبکی" کی کتاب طبقات الشافعیہ ۲/۲۷۵ پر منقول ہے۔ اور سبکی نے اس کی موافقت کرتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے، ابن الصلاح نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ "محاسبی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمعصر اور ان کے مذہب کے مقلد تھے۔ تو یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں شاگرد نہیں اور نہ ہی ان سے ملاقات ہوئی ہے اور میرے نزدیک یہی درست ہے اور اس کی دلیل بھی ہے جس کے بیان کا یہ مقام نہیں۔

[1] آپ کا یہ انداز آپ کی دو کتابوں "التوهم" اور "الرعاية" میں ملتا ہے اس لئے ان کا ضرور

ابوعبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنا سارا وقت خیر کے کاموں میں گزارتے، نصیحت کر رہے ہیں یا تصنیف میں مشغول ہیں اور یا پھر اپنے اللہ کے حضور عبودیت کا اظہار کر رہے ہیں، حتی کہ ان کا ایک سانس بھی کسی ایسی عبادت کے بغیر نہ گزرتا کہ جس کے ثواب کی انہیں امید نہ ہو۔

اسی وجہ سے ان کی تصانیف بہت ہیں شیخ تاج الدین ابن السبکی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات لکھتے ہوئے "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" ۲/۳۷ پر نقل کرتے ہیں: "ان کی کتابوں کا عدد ۲۰۰ تک پہنچتا ہے" اور ان میں سے اکثر زہد، تصوف، وسلوک میں ہیں اور بہت سی عقائد میں معتزلہ، قدریہ، اور روافض کے رد میں ہیں، اور کچھ فقہ و احکام میں ہیں۔ آپ کی کتابیں کثرت کے باوصف فوائد کثیرہ اور منافع پر مشتمل ہیں، خصوصاً تصوف، تزکیہ نفس اور روحانیت میں مابعد والوں کے لئے حتی کہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اصل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مطالعہ کیا جائے تا کہ دل نرم ہو، آنکھیں ٹپکنے لگیں اور نفس و آخرت کے وہ احوال معلوم ہوں کہ اسے پہلے آپ ان کو نہ جانتے ہوں گے ایسا لگتا ہے کہ "التوھم" کی تصنیف کی طرف امام ابوعبداللہ محاسبی کو راغب کرنے والے حضرت ابراہیم بن ادہم ہیں جو خود بڑے عابد وزاہد تھے (م ۱۶۲) رحمہما اللہ تعالیٰ۔ اس لئے کہ ابراہیم بن ادہم کا کلام اور "التوھم" کے مضامین میں قیامت کی ہولناکیاں دل و دماغ اور قلب وخیال پر نقش کرنے میں بہت حد تک باہم مماثل ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ (البدایہ ۱۰/ ۱۳۵۔۱۴۰) عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ (جو کہ ابراہیم بن ادہم کے ساتھی ہیں) کا ان کے بارے میں مندرجہ ذیل کلام نقل فرماتے ہیں: ابراہیم بن ادہم صاحب فضیلت انسان تھے آپ کے اپنے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی راز و نیاز تھے اپنی تسبیح وعبادات بالکل ظاہر نہیں فرماتے تھے اور یوں فرمایا کرتے تھے: ہماری منزل ہمارے سامنے اور ہماری زندگی بعد از موت ہے یا تو جنت میں ٹھکانا ہے یا دوزخ مقام ہے، تصور میں لاؤ کہ ملک الموت اپنے عملہ کے ساتھ تمہاری روح قبض کرنے آرہے ہیں دیکھو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ اور اپنے قبر میں رکھے جانے اور نکیرین کے سوال و جواب کے لئے آنے کو نقش خیال پر لاؤ؟ قیامت اس کے ہولناک ڈراؤنے مناظر، اور حساب و کتاب کا تصور کرو پھر خیال کرو تمہارا کیا حال ہوگا؟ پھر زبردست چیخ مارتے اور بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔

آئمہ کبار کا امام محاسبی کی تعریف میں رطب اللسان ہونا

ہمارے استاذ امام زاہد کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہت اثر تھا، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''الاحیاء'' میں امام محاسبی کی کتاب ''الرعایۃ'' کے مضامین ''امراض نفس کی حقیقت بیماریاں اوران کا علاج معالجہ'' کا خلاصہ بیان کردیا ہے۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''الكواكب الدرية في تراجم السادة الصوفية'' میں امام محاسبی کے حالات کے ذیل میں ۱/ ۲۱۸ پر نقل فرماتے ہیں: ''ابومنصور عبدالقاہر تمیمی بغدادی کہتے ہیں: امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ فقہ حدیث تصوف اور علم کلام کے امام تھے، آپ کے بارے میں کسی دوسرے عالم کا قول ہے: آپ کی بہت ساری مفید تصانیف ہیں، جن کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچتی ہے اور تصوف میں ان کی ''الرعاية'' ہی کافی ہے اور اس میدان میں کام کرنے والوں کے لئے آپ کی تصانیف اصول کا درجہ رکھتی ہیں۔ امام غزالی ''الاحیاء'' میں فرماتے ہیں: محاسبی تصوف میں امت کے امام ہیں اور آپ کو نفس کی بیماریوں، اعمال کے مفاسد اور عبادات کو نقصان پہنچانے والے امور سے بحث کرنے والوں میں سب پر تفوق حاصل ہے اور آپ کا کلام اسی لائق ہے کہ اس کو بعینہٖ نقل کیا جائے۔[1]

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ خود فقیہ اصولی اور زبردست ناقد ہیں، اپنی کتاب ''الاعتصام'' ۱/ ۲۸۴ پر فرماتے ہیں: ''(امام) محاسبی کبار صوفیہ اور مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔''

---

[1] امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف جو انہوں نے امام محاسبی کے تذکرہ میں کی ہے اس کو شیخ ابن عباد نفزی نے ''شرح الحكم'' ۳۳ پر نقل کیا ہے جس کا عنوان ہے ''أَصْلُ كُلِّ مَعْصِيَةٍ وَغَفْلَةٍ وَشَهْوَةٍ الرِّضَا عَنِ النَّفْسِ'' اور اس سے نقل کرتے ہوئے میں نے اس غلطی کی تصحیح کی ہے کہ: ''الكواكب الدرية'' میں ''حَبْرُ الأمةِ'' کو ''خير الأمة'' کردیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ ''نکت علی کتاب ابن الصلاح'' ۲/۵۸۴ پر فرماتے ہیں: ''(امام) حارث محاسبی علم حدیث اور علم کلام کے امام ہیں'' پھر حافظ خطیب بغدادی کے کلام (جو کہ ان کی کتاب ''الکفایة'' میں ہے) پر رد کرتے ہوئے اپنی کتاب ''فهم السنن'' کا کلام حرف بحرف نقل فرماتے ہیں۔

اسی طرح امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار آئمۃ اصول فقہ میں بھی ہے چنانچہ اصول فقہ کی بعض کتب میں بعض آراء و مذاہب کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جسے آپ تقی الدین فتوحی حنبلی کی کتاب ''الكوكب المنير في شرح مختصر التحرير'' کے ۲/۲۷۳ بحث ''اجماع'' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اسی طرح ابن حزم کی کتاب ''الإحکام فی اصول الأحکام'' ۱/۱۱۹ پر اور ''ارشاد الفحول الی علم الأصول'' شوکانی ۴۶ اور ۱/۱۰۷ کے محقق ایڈیشن ''بحث السنة'' میں ''القسم الثاني: الأحاد وهو خبر لا يفيد بنفسه العلم'' پر دیکھ سکتے ہیں۔

تصوف میں آپ کی تصنیف کا طریق کار

تدوین علم اور تالیف کتب میں آپ کا عجیب انداز تھا جسے ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''الحِلیه'' میں آپ کے حالات بیان کرتے ہوئے ۱/۷۴ پر بیان کیا ہے کہتے ہیں: حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام حارث محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس گھر میں آتے اور فرماتے: آؤ صحراء کی طرف چلیں تو میں ان سے کہتا: آپ مجھے گوشہ نشینی اور شہوات و آفات سے پر امن جگہ سے نکال کر لے جانا چاہتے ہیں تو فرماتے: ڈرنے کی ضرورت نہیں چلتے ہیں، میں ان کے ساتھ چلتا تو راستہ پر ہر قسم کی لغویات سے مامون ہوتا اور کوئی ناپسندیدہ بات نظر نہ آتی اور جب ان کے بیٹھنے کی جگہ پر پہنچتے تو فرماتے مجھ سے سوال کیجئے، میں کہتا کہ میرے پاس پوچھنے کی کوئی بات نہیں تو کہتے: جو دل میں بات آئے وہی پوچھ لو، پھر خود مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے تو میں بھی ان سے پوچھتا تو اس وقت تو مجھے جواب دیتے لیکن بعد

میں جا کر ان کو لکھ لیتے اسی طرح وہ کتاب بن جاتی۔ اور اگر آپ امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ فقہ اور علم میں علوم مرتبہ کی جھلک دیکھنا چاہتے ہیں تو تفسیر قرطبی ۱۶/ ۳۳۹ آیت "وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا" کے ذیل میں اسی طویل فصل کا ضرور مطالعہ کریں جسے امام قرطبی نے نقل کیا ہے جو انتہائی مفید ہے اور امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علوم فقہ و تصوف میں علو مرتبہ اور ید طولی پر دلالت کرتی ہے۔

امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیفات پر بعض محدثین کی تنقید

امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تزکیہ وتصوف دل کی بیماریوں اور ان کے علاج کے بیانِ وتدوین کا کام دوسری صدی ہجری کی انتہاء اور تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ایسے وقت شروع فرمایا کہ جو زمانہ نبوی سے انتہائی قریب تھا جس وقت کہ علم حدیث کی روایت وحفاظت بذریعہ کتابت اور اس کی طلب وتحصیل کے لئے سفر عام ہو چکا تھا اور جو کوئی اس راستہ سے ہٹ کر کسی دوسرے طریقہ سے تحصیل علم میں مشغول ہوتا وہ فقیہ ہو یا واعظ، یا متکلم، محدثین اس کو ناقدانہ اور مشکوک نظروں سے دیکھتے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ "میزان الاعتدال" ۴/ ۳۰۴ پر جب امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی اپنے معاصر (ہشام بن عمار دمشقی) پر تنقید اور ان کے بارے میں سخت حکم کا تذکرہ کرتے ہیں تو بعد میں فرماتے ہیں: علماء ہمیشہ سے اپنے معاصرین کے بارے میں اپنے اجتہاد کے اعتبار سے سخت حکم لگاتے آئے ہیں اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر عالم کا قولِ معتبر اختیار، اور مجروح ترک کر دیا جاتا ہے۔

اسی بناء پر امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ بعض ایسے معاصرین کی شدید تنقید کا نشانہ بنے جو "روایت حدیث" کو سند ومتن کے اعتبار سے ہی کامل علم سمجھتے، اور ان سے مسائل کے استنباط اور بحث مباحثہ کو علم کا حصہ ہی خیال نہ کرتے حتی کہ حدیث کے سمجھنے اور سمجھانے میں رائے واجتہاد کو علم حدیث سے سوا خیال کرتے تو انہیں جب کسی

عالم کے بارے میں یہ بات پہنچتی کہ وہ حدیث کے معانی کے بارے میں بحث ونظر اجتہاد و استنباط کو دخل دیتا ہے یا کسی متکلم کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ صفات باری تعالیٰ میں کلام کرتا ہے یا کسی واعظ کو دیکھتے کہ وہ دل کی بیماریوں کو کھولتا اوران کی کھوج لگاتا ہے تو ان کے جذبات بھڑک اٹھتے، اس کے کام کو تنقید کا نشانہ بناتے اور اس پر جرح وتعدیل سے وہی الفاظ چسپاں کر دیتے جو ان کی نظر وفکر میں اس کے لئے موزوں ہوتے۔[1]

---

[1] امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''مناقب الشافعی'' ۲/۴۶ پر اور علامہ یاقوت حموی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''معجم الادباء'' کے ۱۷/۲۹۹ پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھا ہے: مصعب بن عبداللہ زبیری فرماتے ہیں: امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ نے مجھے ہذیل شاعر کے اشعار زبانی سنائے اور فرمایا کہ: تم اہل حدیث (محدثین) کے سامنے ان کا ذکر نہ کرنا اس لئے کہ وہ ان کا تحمل نہیں کر سکیں گے۔ زبیری کہتے ہیں: میں نے جواب میں عرض کیا وہ لوگ ان سے کم چیز کا بھی تحمل نہیں کر سکتے، وہ تو اس بات کو بھی برداشت نہیں کر پاتے کہ حدیث کو ابواب میں تقسیم کر دیا جائے، یا ان علماء کے کلام کو کتب میں نقل کر دیا جائے کہ جو علماء کتاب وسنت، فقہ اور تقویٰ میں مستند ہیں۔ اس بات کے مندرجہ ذیل دلائل بھی شاہد ہیں:

❶ ابو نعیم ''حلیة'' میں ۸/۱۶۵ پر امام جلیل، عالم خراسان امام عبد بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ (م۱۸۱) کے حالات میں مندرجہ ذیل کلام فرماتے ہیں: احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ میں نے ابو اسامہ، حماد بن مسلمۃ کرخی (جو کہ خود امام اور حجت ہیں) سے سنا وہ کہہ رہے تھے: طرطوس میں، میں ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک کے پاس گیا آپ حدیث پڑھا رہے تھے تو میں نے کہا: میں آپ کی یہ ترتیب ابواب کی صورت میں جو آپ نے دے رکھی ہے اس سے ناپسند کرتا ہوں ہم نے اپنے اساتذہ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا۔

یہ ایک جلیل القدر محدث، اور حافظ حدیث کی رائے ایک ایسے انسان کے بارے میں ہے کہ جو شیخ المحدثین، استاذ الفقہاء، رئیس العابدین، اور امام المجاہدین ہے اور بات کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کو عنوانات لگا کر ابواب کے تحت جمع کیا ہے تو اس بارے میں بالکل شک نہیں کرنا چاہئے کہ امام محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو ان کی رائے سخت ترین ہوگی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان میں تو کڑوے کسیلے خیالات رکھتے ہوں گے اس لئے کہ وہ فقہ کے مدون ہیں۔

❷ علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''تہذیب التہذیب'' ۱/۱۱۸ پر امام محدث، فقیہ، مجتہد ابوثور ابراہیم بن خالد بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ م۲۴۰ کے حالات میں ہے کہ: ابوبکر اعین کہتے ہیں میں نے امام

احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان (ابراہیم بن خالد بغدادی) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں نے ان کو پچاس سال سے حدیث (پڑھنے پڑھانے) میں مشغول دیکھ رہا ہوں اور یہ میرے نزدیک (سفیان) ثوری کے مرتبہ کے امام ہیں۔ اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے اس کو فرمایا: ”فقیہ ابوثور سے معلوم کرو“۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل (امام احمد کے صاحبزادے) کہتے ہیں کہ: امام احمد ابوثور رحمہ اللہ تعالیٰ کا جنازہ پڑھ کر واپس لوٹا تو والد صاحب نے پوچھا کہ کہاں تھے؟ میں نے بتلایا: امام ابوثور رحمہ اللہ تعالیٰ کی نماز جنازہ پڑھ کر آ رہا ہوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوثور پر رحم فرمائیں (بہت بڑے) فقیہ تھے ہمیں ان کی طرف سے بھلائی کی بات ہی پہنچی ہے مگر ہمیں ان کی یہ بات پسند نہیں آئی کہ (یہ جوان کے شاگرد) ان کے کلام کو کتابوں میں لکھ رہے ہیں۔ یہ امام احمد بن حنبل کی رائے اپنے ایسے ہمعصر کے بارے میں ہے کہ جن کے بارے میں خود گواہی دے رہے ہیں کہ ”پچاس سال سے خدمت حدیث میں مشغول ہیں فقیہ ہیں امام سفیان ثوری کے مرتبہ کے ہیں“ تو ان کی رائے جو امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے اس میں تعجب نہیں کرنا چاہئے۔

۴ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت امام سفیان ثوری، امام مالک، امام شافعی، ابوعبید قاسم بن سلام اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتابیں (ان کی آراء اور فقہی اجتہادات کی وجہ سے) دیکھنے سے منع فرماتے تھے۔

حافظ ابن الجوزی اپنی کتاب ”مناقب الامام احمد“ باب نمبر ۲۸، ۲۹، صفحہ ۲۴۹، ۲۵۱، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول جو انہوں نے عثمان بن سعید کو ارشاد فرمایا نقل کرتے ہیں: کہ ابوعبید، اسحاق، سفیان، شافعی، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں مت دیکھو بلکہ ”اصل“ کا مطالعہ کرو۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے سلمہ بن شبیب نے پوچھا: کہ محدثین امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں نقل کرتے ہیں (یہ کیا ہے؟) آپ نے جواب دیا ”لا أری لهم ذلك“ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ اس طرح آپ سے امام ابوثور کی کتب کے بارے میں آپ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا! یہ تو ایجاد بدعت ہیں۔ آپ کو کتاب والی ترتیب پسند نہیں تھی، آپ فرماتے تھے صرف حدیث پڑھو امام احمد اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ آپ کے کلام سے رائے یا فتویٰ کو لکھا جائے۔

جب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ جیسا جلیل القدر امام ان بڑے بڑے آئمہ کی کتب ان کی آراء اجتہادیہ کو پسند نہیں فرماتے تو یہ ایسی کتابوں کو کہ جو دلی خیالات، ذہنی خدشات، ارادے اور نیتوں سے بحث کرتی ہوں کیسے پسند فرمائیں گے؟

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مطلقاً کتابیں لکھنے کی ممانعت سے اسی طرح اتفاق نہیں کیا جا سکتا جس

کتب جرح وتعدیل میں اس طرح کے واقعات بکثرت ملتے ہیں[1]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ "میزان الاعتدال" ۱/ ۱۹۹، ۲۰۰ پر امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھتے ہیں: محاسبی عارف باللہ اور صاحب تصنیف وتالیف بزرگ ہیں سچے ہیں، علماء نے آپ کی تصوف کی بعض باتوں اور تصانیف کا رد فرمایا ہے۔

طرح کہ ان کی کتاب فتاویٰ مسائل ملفوظات مدون کرنے کی ممانعت سے اتفاق ممکن نہیں جیسا کہ شیخ ابن قیم "إعلام الموقعين" کی ابتداء ۱/ ۲۸ پر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

علامہ تاج سبکی "قاعدة في الجرح والتعديل" ۵۴ پر امام ابن دقیق العید سے نقل فرماتے ہیں کہ: جرح کرتے وقت وہ بات جسے تو نظر انداز کر دے (ان میں سے ایک) یہ ہے کہ وہ اختلاف جو صوفیاء اور محدثین میں ہوا کہ ایک نے دوسرے کے بارے میں (بے جا) کلام کیا ہے جیسا کہ بعض (محدثین) نے امام حارث محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جرح کی ہے، یعنی جس نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے اس کا کلام قابل رد ہے، اس لئے کہ یہ صوفیاء اور محدثین کے درمیان منافرت کے نتیجہ میں واقع ہوا ہے، اور یہ منافرت تو آخر تک بلکہ یہ کہا جائے کہ آج تک ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ حافظ ابن عساکر اپنی کتاب "تبيين كذب المعترى" ۱۹۱ پر، صوفی، فقیہ، ابوعبداللہ محمد بن حنیف (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے حالات میں فرماتے ہیں:

محمد بن عبداللہ شیرازی سے روایت ہے کہ: ابوعبداللہ بن خفیف نے ایک دن اُبن مکتوم اور ان کے بعض ساتھیوں کو دیکھا کہ کچھ لکھ رہے ہیں تو انہوں نے سوال کیا یہ کیا ہے؟ ان لوگوں نے جواب میں مکتوب کے بارے میں بتایا تو محمد بن خفیف نے فرمایا کہ: کچھ چیز سیکھو اور صوفیاء کے کلام سے دھوکہ مت کھاؤ، میں اپنی قمیص کی جیب میں سیاہی رکھتا اور شلوار میں کاغذ چھپاتا اور چھپ کر علم حاصل کرنے جاتا، جب ان (صوفیا) کو معلوم ہوتا تو مجھ پر ناراضگی کا اظہار کرتے۔ اور کہتے: تو کامیاب نہیں ہوگا، پھر اس کے بعد خود ہی میری ضرورت (علم کی وجہ سے) محسوس کی۔

"تذکرۃ الحفاظ" میں حافظ ذہبی ۴/ ۱۲۱۶ پر ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن عبدالوارث شیرازی ثم مروزی (م ۴۸۵) کے حالات میں فرماتے ہیں: محمد بن محمد فاشانی کہتے ہیں کہ میں دوران جہاد ابوالقاسم کے پاس حدیث پڑھنے جاتا تو وہ مجھے صحراء کی طرف لے کر نکل جاتے اور فرماتے اب پڑھو صوفیاء ہمارے اشتغال بالحدیث سے اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اوقات خراب کر رہا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

[1] اس کے دلائل اور مثالیں ہماری کتاب "مسألة خلق القرآن وأثرها في صفوف الرواة والمحدثين" یا میری تعلیقات حضرت تھانوی کی کتاب "قواعد فی علوم الحدیث" میں دیکھ لو۔

تو امام ابوزرعۃ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ انہوں نے اردگرد کے ماحول و معاشرہ سے متأثر ہو کر امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے طریقہ کار پر شدید تنقید کی ہے۔

خطیب بغدادی اپنی "تاریخ بغداد" ۸/۲۱۵ پر سند متصل کے ساتھ سعید بن عمرو بردعی سے روایت کرتے ہیں کہ: میرے سامنے ابوزرعہ سے امام محاسبی کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے سائل سے فرمایا: تمہیں ان کی کتابوں سے بچنا چاہئے، اس لئے کہ ان میں بدعت و گمراہی ہے تمہیں صرف حدیث پر اکتفا کرنا چاہئے یہ حدیث تمہیں اپنے ماسوا ہر چیز سے مستغنی کر دے گی۔ امام ابوزرعہ سے کسی نے کہا کہ ان کی کتابوں میں تو عبرت کا سامان ہے، تو انہوں نے جواباً فرمایا: جس کے لئے اللہ کی کتاب میں عبرت کا سامان نہ ہو اس سے ان کتابوں سے عبرت حاصل نہیں ہو سکتی کیا امام مالک بن انس، سفیان ثوری، امام اوزاعی اور دوسرے آئمہ متقدمین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان وساوس و خدشات پر کتابیں لکھی ہیں؟ (یہ صوفیاء) ایسی قوم ہے جو اہل حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے کبھی حارث محاسبی (کی کتب) اٹھا لائیں گے، کبھی عبدالرحیم دیبلی حاتم اصم، اور کبھی شقیق (بلخی) کی، لوگ کس قدر تیزی سے بدعت کی طرف لپکتے ہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بدعت کو مذموم اور محمود میں تقسیم کرنا

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری ۱۳/۲۱۲ پر "کتاب الاعتصام" "باب الاقتداء بسنن رسو اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول: "إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَأَحْسَنَ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ صلى اللّٰه عليه وسلم وشرّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا" کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ① بدعت محمود ② بدعت مذموم، لہٰذا جو کام کہ سنت کی موافقت میں ہو

(اگر چہ بظاہر نیا ہو) محمود ہے، اور جو سنت کے مخالف ہو مذموم ہے۔ اس روایت کو ابو نعیم، ابراہیم بن جنید کے طریق سے امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس طرح امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مناقب الشافعی" ۱/ ۴۶۹ پر روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: نو ایجاد کام دو طرح کے ہیں

❶ ایسا نیا کام جو کتاب سنت رسول اللہ، آثار صحابہ یا اجماع کے مخالف ہو یہ نیا کام گمراہی ہے، اور جو نیا کام ان میں سے کسی کے بھی مخالف نہ ہو تو یہ مذموم نہیں (محمود) ہے۔

تو ① تدوین حدیث ② تفسیر قرآن ③ تدوین مسائل فقہیہ جو محض قیاس سے ثابت ہیں ④ اور تدوین تصوف، یہ سب نو ایجاد کام ہیں۔

اول کو حضرت عمر، ابو موسیٰ اشعری اور ایک جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ناپسند جب کہ اکثر نے اس کی اجازت دی ہے۔

دوم کو تابعین کے ایک گروہ جن میں شعبی بھی ہیں نے ناپسند کیا ہے۔

سوم کو امام احمد اور ایک قلیل جماعت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے، اسی طرح چہارم کو امام احمد نے سخت ناپسند کیا ہے۔

امام احمد و ابو زرعہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے مسلکِ امام محاسبی کو ناپسند کرنے کی ایک اور توجیہ

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو حضرات کے مسلک "محاسبی" رحمہ اللہ کو ناپسند کرنے کی ایک اور وجہ بیان کی ہے کہ جو پہلی کے علاوہ ہے۔ آپ اپنی کتاب "جامع العلوم والحکم" کے صفحہ ۲۲۳ پر حدیث "أو استفت قلبك وإن أفتاك المفتون" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام احمد وغیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات صوفیاء (کہ جو وساوس قلبی و خدشات کے بارے میں بحث کرتے ہیں) کا رد اس لئے فرمایا ہے کہ ان کی باتیں قرآن وحدیث سے ہٹ کر محض ذوق و وجدان اور رائے سے ثابت ہیں، اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا امام صاحب محض قیاس سے کسی دوسری

شرعی دلیل سے ہٹ کر مسائل حرام و حلال کو ثابت کرنے سے منع فرماتے تھے (حالانکہ تمام امت کے نزدیک قیاس سے مسائل کا اثبات ہوتا ہے)۔

علامہ ابن جوزی ''مناقب الامام احمد'' باب ۲۱ صفحہ ۱۷۹ پر، اسحاق بن حیۃ اعمش سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے قلبی وساوس و خدشات کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: صحابہ کرام اور تابعین نے ان سے بحث نہیں فرمائی۔ پھر علامہ جوزی باب ۲۳ صفحہ ۱۸۵ پر فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بدعت سے انتہائی تنفر اور سنت سے شدید محبت رکھتے تھے اس لئے بعض پسندیدہ علماء کے بارے میں بھی کلام فرماتے تھے کہ جن سے (بظاہر) خلاف سنت کاموں کا صدور ہوتا اور آپ کا یہ کلام دینی خیر خواہی پر ہی محمول ہوتا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے امام محاسبی کے کلام سے روکنے اور دور رکھنے کا سبب صرف یہ تھا کہ امام محاسبی نے بعض مسائل میں متکلمین کا مسلک اختیار کر لیا تھا جنہیں ابن کلاب بصری نے پیش کیا تھا، نہ یہ کہ آپ نے تصوف و سلوک، اخلاق اور تہذیب نفس کے بارے میں بحث فرمائی یہ تو ایسی چیز ہے کہ باعمل علماء اس کے حریص اور اپنے حال و قال، اعمال و تصانیف سے اس کے داعی ہوتے ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ''فتاویٰ'' ۱۲/ ۳۶۶، ۳۶۸ پر آپ کا یہ قول ہے:
''ابوعبداللہ احمد بن حنبل کے آخری زمانہ میں ابومحمد سعید بن کلاب بصری کا چرچا ہوا انہوں نے جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ کے رد میں کتابیں لکھیں اور یہ صفات باری تعالیٰ سے بحث کرنے والے متکلمین میں سے تھے ان کا زیادہ میلان اہل السنّت والجماعت اور محدثین کی طرف تھا لیکن ان کے کلام میں کچھ شائبہ بدعت کا بھی تھا کیونکہ یہ صفات کو تو ذات باری تعالیٰ سے متصف فرماتے لیکن افعال اختیاریہ کے ذات باری تعالیٰ سے اتصاف کے قائل نہیں تھے۔ امام محاسبی اور ابو العباس قلانسی وغیرہ ان کے متبعین میں

سے تھے۔

اور امام احمد و علماء اہل سنت اس اصول سے (جو انہوں نے بیان کیا تھا) خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی بچنے کا فرماتے اور امام صاحب کے امام محاسبی اور ان جیسے کلابی علماء سے احتراز کا یہی سبب تھا۔ علامہ ابن جوزی "تلبیس ابلیس" صفحہ ۱۶۷ پر فرماتے ہیں: سلمی کہتے ہیں: حارث محاسبی چونکہ صفات باری تعالیٰ میں بحث کرتے رہتے تھے اس لئے امام احمد نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔

علامہ ابن تیمیہ کی طرف سے امام محاسبی کی تعریف

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حارث محاسبی کا تذکرہ اپنے رسالہ "التدمرية" صفحہ ۲۰۴ میں خیر کے ساتھ اور آپ کی تعریف کی ہے۔ نیز اپنی کتاب "الفتوی الحمویۃ الکبری" صفحہ ۲۶۶ پر ان الفاظ کے ساتھ آپ کو یاد فرمایا ہے "قال الإمام أبوعبدالله الحارث بن أسد بن إسماعيل في كتابه فهم القرآن" پھر اس کے بعد شیخ نے امام محاسبی کا رضاء واستحسان پر چار صفحات سے زیادہ کلام نقل کیا ہے۔

شیخ جنید بغدادی کے شیخ "سری سقطی" امام محاسبی کے ادب وسلوک کی تعریف کرتے اور حضرت جنید بغدادی کو ان پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے اور علم کلام (عقائد) میں ان کی پیروی سے منع فرماتے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ "احیاء العلوم" ۱/ ۳۷، ۳۸ پر فرماتے ہیں: کہ جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے شیخ سری نے مجھ سے ایک دن کہا: جب تم میرے پاس سے اٹھ کر جاتے ہو تو کس کے پاس بیٹھتے ہو تو میں نے عرض کیا: محاسبی کے ساتھ، تو فرمایا: ان کے علم وادب کو اختیار کر لو لیکن ان کے کلام میں سے جو انہوں نے متکلمین کے رد میں لکھا ہے اس سے چھوڑ دو۔

امام احمد کے محاسبی پر رد کی ایک اور توجیہ

حافظ ابن رجب "مناقب" میں لکھتے ہیں: ان نئی باتوں کو جنہیں امام احمد ناپسند

فرماتے تھے ایک یہ ہے کہ بعض لوگوں کی یہ بات جو وہ کہتے ہیں "کہ اللہ تعالیٰ بغیر آواز کے کلام فرماتے ہیں" آپ نے اس قول کو ناپسند کرتے ہوئے اس کے قائل کو مبتدع قرار دیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے امام محاسبی کو اسی وجہ سے متروک کر دیا تھا۔

ابوالعباس ابن تیمیہ فرماتے ہیں: امام احمد کے محاسبی کے چھوڑنے کی یہی وجہ تھی۔ علماء نے فرمایا کہ محاسبی نے اس بات سے رجوع کر لیا تھا اور علم وفضل رشد و ہدایت میں شہرت پائی۔ شرح الکوکب المنیر فتوحی ۲/۱۰۷۔ اگر یہ قول درست ہے تو پھر اس کے مطابق امام احمد کے امام محاسبی کو ناپسند کرنے کی وجہ ایک ایسے مسئلہ میں پڑنا ہے جس میں کوئی شرعی دلیل نہیں ہے امام محاسبی علم کلام میں بحث مباحثہ کی وجہ سے امام احمد کی تنقید کا نشانہ بنے۔

(شیخ) عبدالفتاح (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ محاسبی علم کلام کے مسائل کی وجہ سے امام احمد کی تنقید کا نشانہ بنے مندرجہ ذیل شواہد بھی اس کی تائید کرتے ہیں:

❶ خطیب بغدادی "تاریخ بغداد" ۸/۲۱۴ پر فرماتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ امام محاسبی کو علم کلام میں نظر وفکر اور تصانیف کی وجہ سے ناپسند فرماتے تھے اور لوگوں کو ان سے روکتے تھے۔

(شیخ) عبدالفتاح فرماتے ہیں: علم کلام سے اس وقت ہر بڑے عالم کو واسطہ پڑتا اور محاسبی بھی اپنے وقت کے بڑے عالم تھے، تو حالات کے بہاؤ کے ساتھ آپ کو بھی اس سے واسطہ پڑا اگرچہ آپ فلسفی اور کلامی عالم نہیں تھے، تو کیا ہوا کہ آپ نے معتزلہ کے اعتراضات کو توڑا اور ان سے دفاع کیا؟

❷ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ احیاء العلوم "کتاب قواعد العقائد" فصل ثانی ۱/۹۵ پر ائمہ اسلاف کی علم کلام کی مذمت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام احمد بن حنبل

فرماتے ہیں: ''علم کلام سے تعلق والا عالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا جب کسی کو علم کلام میں مباحثہ کرتے دیکھ لو سمجھ لو ضرور اس کے دل میں کھوٹ ہے (حاصل کلام) یہ کہ آپ نے اس کی بہت مذمت کی ہے۔ حتی کہ امام حارث محاسبی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو باوجود متقی تارک الدنیا ہونے کے محض اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ مبتدعین کے رد میں انہوں نے کتاب لکھی تھی اور امام نے ان سے کہا تھا تعجب ہے کہ تو پہلے ان کی بدعت کو بیان کر کے پھر ہی تو اس پر رد کرتا ہے تو کیا! تو لوگوں کو اپنی تصنیف کے ذریعہ سے لوگوں کے بدعت کے مطالعہ اور اس میں غور وفکر کی دعوت نہیں دے رہا ہے؟ اس طرح ان کو اس پر ابھارتا ہے کہ وہ اس کے بارے بحث اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔''

۴ شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ ''طبقات الشافعیہ'' (طبع حسینی) ۳۹/۳ اور طبع بابی حلبی ۲/ ۲۷۸ پر فرماتے ہیں! جاننا چاہیئے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ علم کلام سے بحث کرنے والوں پر سخت نکیر فرماتے تھے ان کو اس بات کا خوف رہتا کہ یہ بحث ان کو نامناسب کلام تک پہنچا دے گی، اور اس میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ بلا ضرورت بات سے چپ رہنا بہتر ہے۔ اس لئے علم کلام کی بھی جب تک ضرورت نہ ہو بدعت ہے۔[۱]

اور حارث محاسبی چونکہ علم کلام کے درپے رہتے اس لئے ابوالقاسم نصر آبادی فرماتے ہیں کہ: امام صاحب نے اسی لئے محاسبی کو ترک کر دیا تھا۔

شیخ عبدالفتاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہر شہر اور ہر زمانہ کے علماء کے مابین اجتہادی اختلاف ہوا ہے کہ ایک، ایک بات کو درست سمجھتا ہے اور دوسرا اس بات کو غلط

---

[۱] علامہ مناوی ''فیض القدیر'' ۴/ ۴۳۱ پر فرماتے ہیں ''ابن عربی کہتے ہیں کہ علم کلام اپنی فضیلت کے باوجود ان علوم میں سے ہے جس کے اکثر لوگ محتاج نہیں ہیں اس لئے پورے شہر میں ایک عالم، علم کلام کا کافی ہے۔ بخلاف فقہ، کے اس لئے کہ لوگ اس میں علماء کے زیادہ محتاج ہیں، اور اگر کوئی دنیا سے اس حال میں چلا جائے کہ وہ علم کلام کی اصطلاحات: جوہر، عرض، جسم، روح کے بارے میں علم نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے اس بارے میں نہیں پوچھیں گے البتہ تکلیفات شرعیہ فرعیہ کے بارے میں ضرور سوال ہوگا۔

کہتا ہے اور ان کے لئے ایک یا پھر دوہرا اجر ہے، اس لئے خطیب بغدادی نے جو روایت ذکر کی ہے کہ حارث محاسبی کے علم کلام میں نظر وفکر کی بنیاد پر امام احمد نے ان کو چھوڑ دیا تھا اور حارث عوام کے تعصب کی بناء پر (جو حضرت امام احمد کی وجہ سے پھیل گیا) ایک گھر میں چھپ گئے اور وہیں ان کی وفات ہوگئی اور سوائے چار آدمیوں نے کسی نے آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ یہ بات بعید از قیاس اور اس کی صحت مشکوک ہے اسی کے بارے میں حافظ ذہبی نے "المیزان" ۱/۱۹۹ پر فرمایا ہے کہ "یہ روایت منقطع ہے"۔

علامہ تاج الدین سبکی کی نصیحت کہ "سلف صالحین" کا ادب ضروری ہے

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جب امام حارث محاسبی اور امام احمد بن حنبل کے اختلافات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے بہت پاکیزہ اور معتدل بات کہی، اور امام عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جرح وتعدیل کا اصول قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب "الرفع والتکمل فی الجرح والتعدیل" کا اختتام اسی اصول پر کیا ہے۔ (صفحہ ۴۲۵ طبع ثالث)

علامہ سبکی کا یہ قول آپ کی کتاب "طبقات الشافعیۃ" ۲/۳۷۸ (طبع حلب) پر امام محاسبی کے حالات اور امام احمد اور محاسبی کے تنافر کے ذکر میں ہے فرماتے ہیں: ہدایت کی راہ کے طلب گار کو چاہئے کہ آئمہ سلف کے ساتھ ادب کی راہ پر چلے اور ان کے ایک دوسرے کے بارے میں کہے ہوئے کلام کی طرف دھیان نہ کرے الا یہ کہ کوئی واضح دلیل (کسی کے خلاف) آجائے، اور اگر تاویل ہو سکے اور حسن ظن کا پہلو نکلے تو اسی کو اختیار کرے ورنہ ان کے مشاجرات (اختلافات) سے اعراض ہی بہتر ہے کیونکہ انسان کی پیدائش اس لئے نہیں ہوئی لہٰذا مقصود کاموں میں اشتغال رکھے اور غیر مقصود کاموں کو چھوڑ دے اور طالب علم نیک بخت رہتا ہے جب تک کہ آئمہ

سلف کے اختلافات میں نہ پڑے، اور بعض کو بھی بعض پر ترجیح نہ دے۔ لہٰذا ہرگز ہرگز امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، امام مالک، ابن ابی ذئب، احمد بن صالح اور نسائی، یا احمد بن حنبل و حارث محاسبی اور اسی طرح سے عزالدین بن عبدالسلام اور شیخ تقی الدین بن صلاح تک۔ رحمہم اللہ۔ ان کے اختلافات کی طرف توجہ نہ کرے۔ اس لئے کہ تم ان کے اختلافات میں الجھ گئے تو مجھے تمہاری ہلاکت کا اندیشہ ہے علماء سب کے سب قابل احترام ہیں اور ان کے ہر قول کا اپنا معنیٰ و محمل ہے بعض لوگ اس کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں ہمیں سب کے لئے رضا اور سکوت اختیار کرنا چاہئے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مشاجرات میں کیا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کی امام محاسبی کی مجلس میں شرکت اور ان کی تعریف

خطیب بغدادی ۲۱۴/۸ پر سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور ابن الجوزی "مناقب الامام احمد" صفحہ ۱۸۵ "باب چھبیس" "فی ذكر إعراضه عن أهل البدع ونهيه عن كلام وقدحه فيهم" پر اپنی سند سے اسماعیل بن اسحاق سراج سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ "ایک دن امام احمد بن حنبل نے مجھ سے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ حارث محاسبی آپ کے پاس بہت آتے جاتے ہیں اگر میں بھی تمہارے گھر میں آجاؤں اور ایسی جگہ بیٹھوں جہاں وہ مجھے نہ دیکھ سکیں تو میں ان کا کلام سن لوں! تو میں نے حامی بھر لی اور مجھے اس بات پر خوشی ہوئی کہ معاملہ کی ابتداء خود امام صاحب کی طرف سے ہو رہی ہے، میں حضرت امام حارث محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ آج رات ہمارے گھر تشریف لائیں، اور میں نے عرض کیا کہ ساتھ دوسرے ساتھی بھی آجائیں تو آپ نے فرمایا ارے اسماعیل یہ تو بہت زیادہ ہیں لہٰذا تم تیل اور کھجور کے علاوہ کوئی انتظام نہ کرنا البتہ یہ جتنا زیادہ ہو سکے مہیا کر لینا اسماعیل فرماتے ہیں: میں نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا اور ساری صورت

حال عرض کی تو امام صاحب مغرب کے بعد آ گئے اور گھر کے بالا خانہ پر فروکش ہو گئے اور اپنے وظائف شروع کر دیئے اور ان سے فارغ بھی ہو گئے اس دوران حضرت امام حارث محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ ساتھیوں سمیت تشریف لے آئے کھانے سے فارغ ہو کر نماز عشاء پڑھی اور اس کے بعد بغیر کوئی دیگر نماز پڑھے سب امام حارث کے سامنے بیٹھ گئے اور نصف لیل اسی طرح خاموشی سے بیٹھے رہے اس کے بعد ایک آدمی نے ابتداء کی اور امام حارث محاسبی سے مسئلہ پوچھا، تو امام حارث نے بات شروع فرمائی بقیہ سب لوگ اس طرح کان لگا کر سننے لگے جب کہ محاسبی نے کلام جاری رکھا۔

میں بالا خانہ کی طرف گیا تا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھوں کس حال میں ہیں تو ان کو دیکھا کہ روتے رہنے سے ان پر غشی طاری ہے تو میں واپس آ گیا صبح تک یہی حال رہا صبح سب لوگ منتشر ہو گئے میں دوبارہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس گیا تو میں نے حضرت امام سے پوچھا: آپ نے ان کو کیسا پایا؟ تو آپ فرمانے لگے: مجھے یاد نہیں کہ میں نے ان جیسے لوگ دیکھے ہوں اور نہ ہی علم معاملات کے غوامض بیان کرنے میں اس جیسا کلام سنا، اور نہ ہی ان جیسے حالات سے گزرا میں آپ کا ان کی صحبت میں بیٹھنا مناسب نہیں سمجھتا پھر آپ تشریف لے گئے۔[1]

شیخ تاج الدین ابن سبکی، طبقات الشافعیہ ۲/۴۰ پر اور حافظ ابن حجر "تہذیب التہذیب" ۳/۱۳۶ پر فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مجلس میں بیٹھنے

---

[1] ابن الجوزی اپنی کتاب "صید الخاطر" صفحہ ۱۰۰ فصل ۶۰ میں فرماتے ہیں: امام احمد محاسبی کی مجلس میں حاضر ہوئے ان کا کلام سنا تو رو پڑے۔ پھر فرمایا مجھے یہاں آنا اچھا نہیں لگا اور رویا اس لئے کہ حالت ایسی طاری ہو گئی تھی۔

علامہ ابن الجوزی نے یہ روایت "کتاب القصاص والمذکرین" ۱۲۰/۲۱ پر روایت کرنے کے بعد فرمایا: امام احمد حدیث کے اتباع کی وجہ سے ہر نئی چیز کو ناپسند کرتے تھے اگر چہ وہ درست ہی ہوتی، اور امام حارث معاملات میں ایسی باتیں بھی نقل فرماتے کہ جو سلف سے منقول نہیں ہیں اور کبھی علم کلام سے بھی بحث کرتے، اور امام احمد سمجھتے تھے کہ ان چیزوں میں مشغولیت منقولات سے اعراض کا سبب بن جائے گی جیسا کہ عنقریب آنے والا ہے۔

سے اس لئے منع فرمایا کہ یہ لوگ (عوام) صوفیاء کے مقام بلند سے واقف نہیں اس لئے کہ صوفیاء دین میں (عزیمت کی تنگ راہ) پر چلتے ہیں کہ جس کو دوسرے لوگ اختیار نہیں کر سکتے اور اس سے اختیار کرنے والے کے بارے میں یہ خوف رہتا ہے کہ اس کے حقوق کی ادائیگی کما حقہ نہیں کر سکے گا، حافظ ابن حجر کا کلام بھی ایسا ہی ہے۔

شیخ عبدالفتاح فرماتے ہیں: میرے نزدیک امام صاحب کے صوفیاء کی مجلس اختیار کرنے سے ممانعت کی یہ توجیہ کمزور ہے اور عنقریب میں اس کی صحیح وجہ بیان کروں گا۔

امام ابن مفلح حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "الفروع" ۳۱۳/۵ پر اس واقعہ کے بیان کے آخر میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ جملہ نقل فرماتے ہیں: "مجھے علم نہیں کہ میں نے ان جیسا کوئی انسان دیکھا ہو" پھر اس کے بعد ابن مفلح فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے منصور بن عمار کا کلام لکھنے اور اس کے سننے سے منع فرمایا ہے۔ ابوالحسین اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہیں اس کی وجہ سے سامع کتاب وسنت سے غافل نہ ہو جائے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ "البدایہ والنہایہ" امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۰ پر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مناقب میں فرماتے ہیں: امام صاحب کی اس ممانعت کے بارے میں احتمال ہے کہ امام صاحب نے ان کی مجلس میں بیٹھنے کو اس لئے ناپسند فرمایا کہ حارث بن اسد اگرچہ زاہد تھے لیکن چونکہ علم کلام میں بھی بحث فرماتے تھے اور امام صاحب نے اس کو ناپسند کیا۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ (مخاطب) صوفیاء کے راستہ اور ان کے زہد وتقویٰ کو اختیار کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اس لئے منع فرمایا۔"

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مجلس کو اس لئے ناپسند فرمایا کہ ان میں ایسی خشکی، اور سخت طرز عمل تھا کہ جس کا شریعت

نے حکم نہیں دیا، اور ایسی دقت نظر، اور اعمال کا کڑا محاسبہ تھا کہ جو مامور من اللہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوزرعۃ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام حارث محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الرعایۃ" کو دیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ: "یہ بدعت ہے" پھر کتاب لانے والے سے کہا: تجھے ان احکام پر عمل کرنے چاہئے جن پر امام مالک، ثوری، اوزاعی، لیث رحمہ اللہ تعالیٰ عمل فرماتے تھے اسے چھوڑ دو اس لئے کہ یہ بدعت ہے۔"

شیخ عبدالفتاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے خیال کے مطابق امام صاحب نے ان کو حق پر سمجھنے کے باوجود ان کی پیروی سے اس لئے منع فرمایا کہ "وہ (امام احمد) اپنے راستہ پر چلنے کو حق سے زیادہ قریب اور ہدایت کی طرف زیادہ راہنما سمجھتے تھے۔"

میری اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جو توجیہ امام ابومحمد تمیمی حنبلی نے اپنی کتاب "مقدمة فی عقیدة الامام احمد بن حنبل وفی اصول مذهبه و مشربه" (جو کہ کتاب "طبقات حنابلہ" ابن ابی یعلی کی دوسری جلد کے آخر میں ۲/۲۷۹ پر موجود ہے) میں امام احمد بن حنبل کی طرف سے امام محاسبی اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے کی ہے انہوں نے فرمایا: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ دلی وساوس و خیالات و اشارات میں کلام کو ناپسند فرماتے تھے۔ نیز فرماتے: اصل حکم کتاب وسنت پر عمل کا ہے۔ آپ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا "مرید" کون ہے؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: مرید وہ ہے کہ جو اللہ کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اور ہر اس چیز کو جس کا وہ ارادہ کر رہا ہے جس کے لئے کر رہا ہے چھوڑ دے۔ اور یہ تو ایک مثال ہے ایسا کلام نہیں ہے کہ جو حرف آخر ہو۔

البتہ امام صاحب صوفیاء کی تعظیم کرتے تھے اور توقیر سے پیش آتے آپ کے سامنے صوفیاء کا تذکرہ ہوا تو کسی نے کہا کہ: وہ لوگ مساجد میں بیٹھتے ہیں تو آپ نے جواب دیا: کہ علم نے ان کو بٹھایا ہے۔

اسی واقعہ کو علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "کتاب القصاص والمذکرین"

۱۴۳/۱۳۱ پر ذکر کیا ہے پھر بعد میں فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ خود چونکہ حدیث پر عامل تھے اس لئے ہر نئی چیز کو (اگرچہ درست ہو) ناپسند کرتے تھے، اور امام حارث محاسبی ایسے معاملات کا تذکرہ فرماتے کہ جو سلف صالحین سے منقول نہیں ہیں اور بسا اوقات عقائد و کلام کی بحث میں بھی الجھ جاتے، چونکہ امام احمد رحمہ اللہ اس کو منقولات احادیث وغیرہ سے اعراض کا سبب سمجھتے اس لئے اس سے ناپسندیدہ فرماتے یہ بات بھی میری توجیہ و تاویل سے قریب قریب ہے۔ "فالحمد للّٰہ علی ھدایتہ وتوفیقہ"

اس سے قبل (امام محاسبی کی تالیفات پر محدثین کی تنقید کے حاشیہ میں دیکھ لیا جائے) علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "مناقب الامام احمد" کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ امام احمد آئمہ کبار جیسے امام ابوثور، ابوعبید، اسحاق بن راہویہ، سفیان ثوری، مالک و شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں مطالعہ کرنے سے بھی منع فرماتے تھے۔ اور فرماتے: تمہیں صرف حدیث پڑھنی چاہئے۔

جب یہ بات طے ہوگئی کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ان اکابر آئمہ کی مرتب فقہ پڑھنے سے اس لئے منع فرماتے کہ یہ حدیث مبارک سے اعراض کا سبب بن جائے گا، تو امام رحمہ اللہ تعالیٰ بطریق اولیٰ تصوف کی دلی وساوس و خلجان میں مدون کتابوں کے مطالعہ کو صحیح نہیں سمجھتے ہوں گے اسی بات کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے نیز علامہ ابن الجوزی سے نقل کر دیا گیا ہے۔ (جس کے حوالہ کے لئے ابھی ماقبل میں اصل عنوان کو لکھ دیا گیا ہے مترجم)۔

یہ تمام تفصیل اس صورت میں ہے جب اس واقعہ کے وقوع کو تسلیم کیا جائے اور اس کی صحت کو فرض کر لیا جائے اس لئے کہ اس میں بعض ایسے امور ہیں کہ جو دل میں خلجان اور اس کے وقوع میں شک کو جنم دیتے ہیں، اس لئے حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "المیزان" میں اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: "اسی واقعہ کی سند صحیح ہے لیکن یہ قابل انکار ہے میرا دل اس کو صحیح قرار نہیں دیتا، اور میں اس واقعہ کو امام احمد رحمہ

اللہ تعالیٰ جیسی شخصیت سے وقوع کو مستبعد خیال کرتا ہوں۔"

اس سے قبل، امام ابن تیمیہ، ابن رجب، خطیب بغدادی، اور علامہ تاج سبکی اور ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ صحیح قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ امام محاسبی پر ان کے علم کلام میں بحث کی وجہ سے تنقید کرتے تھے۔

اور رہا ان کا عبادت میں ذوق تو اس میں کوئی اشکال نہیں بلکہ علامہ ابن تیمیہ وغیرہ آئمہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس میں ان کی تعریف کی ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور ایسا امر جس پر مختلف آئمہ کرام نے امام محاسبی پر تنقید کی ہے بلکہ امام نے خود ناقدین کو اس کا موقع فراہم کیا ہے اور وہ ہے اپنی تصانیف اور کتب میں ضعیف اور بعض من گھڑت احادیث کو ذکر کرنے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان میں بیان کردہ معانی کو اصول بنالینا۔

شیخ ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ ان کی جلالت شان کے معترف ان کے قابل فخر اور زبردست نقاد تھے، بھی اس امر میں ان پر تنقید کئے بغیر نہیں رہ سکے وہ اپنی کتاب "عارضۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی" ۲۰۱/۵ پر حدیث "الحلال بین والحرام بین" کی شرح میں رقم طراز ہیں "اور اس میں کلام کرنے والوں میں سے سب سے اہم اور بڑے عالم حارث بن اسد ہیں، جو اصول انہوں نے بنائے ہیں ان میں سے ایک عطیہ سعدی کا قول ہے جسے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں "لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَتْرُكَ مَالَا بَأْسَ بِهٖ مَخَافَةَ مَابِهٖ بَأْسٌ" "کہ کوئی بندہ کامل متقین میں شمار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ گناہ کے ڈر کی وجہ سے ان چیزوں کو بھی ترک کر دے جن میں بذات خود کوئی گناہ نہیں[۱]" یہ اور اس جیسی دوسری احادیث ہیں۔

---

[۱] ترمذی ۴۷۸/۵۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن غریب" ہے اور ہم تک صرف اسی طریق سے پہنچی ہے۔

جن میں بہت طویل کلام کیا ہے اور ان میں بہت سی کئی باتیں ذکر کی ہیں، حالانکہ یہ آن کی اپنی ایجاد ہے، لیکن کاش کہ ان میں ضعیف احادیث کو اصل نہ بنایا گیا ہوتا کہ اگر علماء حدیث ان پر مطلع ہو جائیں تو مذاق اڑائیں اور تمسخر کریں حالانکہ محاسبی علم حدیث میں نابغہ روزگار ہستیوں ابن ابی شیبہ وغیرہ جیسے حضرات سے شرف ملاقات رکھتے ہیں۔

میرے نزدیک اس بارے میں وہ قول مندل ہو سکتا ہے جو امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے: ”ضعیف حدیث تقویٰ کے معاملات میں روایت کرنا جائز ہے۔“

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح حدیث کے علاوہ کسی دوسری روایت سے دین کا ارتباط اور تعلق قلب صحیح نہیں سمجھتے تھے[1] اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں[2]۔

اور اگر ہم امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کو اختیار کریں تو کہنا پڑے گا کہ ضعیف حدیث کو صرف دل کو نرم کرنے والی باتوں اور مواعظ میں اختیار کیا جائے گا رہا اصول کا مسئلہ تو اس میں ضعیف حدیث کو بالکل نہیں لے سکتے۔ شیخ ابن عربی کا کلام اختصار اور تصحیح کے ساتھ مکمل ہو گیا۔

---

[1] شیخ ابوغدہ فرماتے ہیں: حلال وحرام سے متعلق مسائل میں تو یہی اصل ہے لیکن فضائل اعمال جیسے ابواب میں جمہور اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سب ضعیف حدیث پر عمل کے جواز کے قائل ہیں لیکن اس کی کچھ شرائط ہیں جو اپنے مقام پر مذکور ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب ”الادب المفرد“ میں اسی اصول پر عمل کیا ہے، میں نے اس کی تشریح وہیں پر بہت سے شواہد کی روشنی میں کر دی ہے جیسا کہ میری مفصل تعلیقات علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”ظفر الأماني في شرح مختصر السيد شريف الجرجاني“ کے صفحہ ۱۸۲، ۱۸۶ پر موجود ہے۔

[2] شیخ ابوغدہ فرماتے ہیں: فضائل اعمال وغیرہ ابواب میں جمہور سلف اور امام احمد، اور ان کے اساتذہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث اس میں قابل قبول ہے، جسے علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة“ صفحہ ۲۶ تا ۵۹ اور ”ظفر الأماني في شرح مختصر السيد شريف الجرجاني“ کے صفحہ ۱۸۱، ۱۹۲ پر بھی، اور ان دونوں کتابوں پر میری تعلیقات میں موجود ہے۔

امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ پر تنقید کا یہ سبب ان کی کتب میں موجود ہونے کی وجہ سے قائم ہے جس سے چھٹکارا ممکن نہیں اس لئے کہ مختصر رسالہ "رسالة المسترشدين" باجود اپنے حجم کے چھوٹے ہونے کے ضعیف احادیث کے ایک مجموعہ پر مشتمل ہے، اور بعض من گھڑت احادیث بھی ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر دوران تخریج آئے گا۔

امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ تساہل سرایت کرتا ہوا شیخ ابو طالب مکی کی کتاب "قوت القلوب" اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الاحیاء" اور ان کے علاوہ دوسرے صوفیاء مصنفین جنہوں نے تصوف اور احوال نفس پر کتابیں لکھی ہیں تک پہنچا ہے۔ امام حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "القصاص والمذكرين" صفحہ۱۰۲ پر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وعظ وتذکیر کے مصنفین میں سے حارث محاسبی، ابو طالب مکی، ابو حامد غزالی ہیں اور یہ حضرات اپنی کتابوں میں باطل حدیثیں لائے ہیں اور ان کا جھوٹ ہونا جانتے بھی نہیں۔" انتہی کلامہ۔ اور رہا اسرائیلیات کا مسئلہ تو ان کا اکثر حصہ وہ ہے کہ اس کی تکذیب وتصدیق کے ہم مکلف نہیں البتہ وعظ ونصیحت کے لئے ان کی روایت جائز ہے۔

امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تصوف خرابیوں سے پاک ہے

امام ابو عبداللہ محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریق تصوف میں پاکیزہ اور خوبصورت ہے اس لئے کہ جس تصوف کو انہوں نے اپنی کتب میں مدون فرمایا ہے اس میں کتاب و سنت اور اقوال صحابہ اور ان کے اعمال کی اپنے علم وفہم کے مطابق رعایت کی ہے میں اپنی معلومات کی حد تک ان کی کتب میں اِدھر اُدھر کی باتیں یا ایسے تصوف کی بو نہیں پاتا جس میں فلسفہ کی آمیزش ہو ان کے تصوف کا مدار تصحیح علم وعمل، مراقبہ حق تعالیٰ، تزکیہ نفوس، ان کو گندگیوں سے پاک کرنے، اور اللہ کی رضا جوئی سے قریب کرنے کی دعوت پر ہے دیگر لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ: ان کا کلام اور ان کی تحریر صرف ان

باتوں سے متعلق ہوتی ہے جن کا ارتباط عمل سے ہو[1] اور یہ شرعی مطلوب طریق ہے جو لائق تشکر اور قابل اجر وثواب ہے۔ انشاء اللہ۔

بعض آئمہ کا امام محاسبی اور ان کی کتب کی تعریف کرنا

امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بصیرت نصیحت آپ کے سلوک وتقویٰ اور علم کی متعدد اجلہ آئمہ کرام نے تعریف کی ہے انہی میں سے اپنے وقت کے علماء مالکیہ کے منظور نظر ابو محمد عبدالحق صقلی (متوفی ۴۶۶) رحمہ اللہ ہیں۔ امام ابوالعباس ونشریشی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "المعيار المعرب والجامع المغرب عن فتاوى أهل افريقية والأندلس والمغرب" کے جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۹ پر ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: امام ابو محمد عبدالحق صقلی سے پوچھا گیا کہ کونسی کتب کا مطالعہ مفید ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا! جو آدمی لوگوں کا امام اور مسائل وفتاوی میں لوگوں کا مرجع بننے والا ہو اس کیلئے سب سے اہم جزئیات کا مطالعہ اور فقہ میں بصیرت میں پیدا کرنا ہے کیونکہ ان کی اکثر ضرورت پیش آتی ہے اور ایسے آدمی کے لئے اس کے ساتھ حدیث کی کتب موطأ اور صحیح بخاری وغیرہ دیکھنا بہتر ہوگا اگر وہ ان کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اور ایسے آدمی جو کہ عامی ہے لوگوں کا مرجع نہیں ہے تو اس سے چاہئے کہ ایسی صحاح احادیث جو فقہ، ادب، فضائل اور ترغیب کے ابواب سے ہوں، اور جن سے انسان کو بذاتہ فائدہ پہنچے، کا مطالعہ کرے، ہر انسان کو چاہئے کہ میری بیان کردہ نصیحت پر عمل کرے۔

اور رہا معاملہ امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب کا تو یہ مذکورہ دونوں قسم کے افراد

---

[1] امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: عقائد میں بحث یعنی علم کلام وغیرہ کا پڑھنا پڑھانا سب میرے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور اہل مدینہ تقدیر میں بحث کو ناپسند کرتے رہے ہیں اور اسی طرح جہمیہ وغیرہ کی آراء میں کلام نہیں کرتے تھے مجھے صرف وہی چیز پسند ہے جو عمل سے متعلق ہو، رہا اللہ تعالیٰ کی ذات میں کلام کرنا تو میں اس میں سکوت بہتر خیال کرتا ہوں اس لئے اہل مدینہ عمل سے متعلق چیزوں کے علاوہ میں بحث کرنا ناپسند فرماتے تھے)۔ (از ترتیب المدارک قاضی عیاض جلد ۳ صفحہ ۱۷۱)

عام وخاص کے لئے اہمیت کی حامل ہیں اس لئے کہ ان میں اعمال کو نقصان پہنچانے والے اسباب اور صدق و اخلاص کے متعلق قابل تحقیق امور کا بیان ہے مع ہذا ان کی کتابیں حدیث و ادب کے فوائد کی بھی جامع ہیں اور جو کوئی ان کی کتابوں کے مطالعہ سے روکتا ہے وہ جاہل اور غلط کار اور ان کے رتبہ و مقام سے ناواقف ہے۔"

امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فصاحت بیان و بلاغت

امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا طرز اداء اور حسن بیان متقدمین کی طرح سلیس و فصیح، معانی کی حسن ادائیگی، الفاظ کی خوبصورتی میں آپ کا قلم رواں، بیان جامع، وضوح مطالب اور فصاحت میں زبان انتہائی زوردار ہے، آپ کی اس کتاب اور اس کے علاوہ دوسری کتب "الرعایۃ" اور "التوہم" میں کلام اور جملوں کے ایسے ٹکڑے ہیں جو اپنے زوردار الفاظ، مقصد کی تصویر کشی، دل کے ان کے معنی کی طرف میلان، اور کانوں کی بھرپور غذا کو جامع ہونے کی وجہ سے سننے اور پڑھنے والے کو سیراب کر دیتے ہیں۔

اس میں کوئی استبعاد بھی نہیں ہے اس لئے کہ ابوعبداللہ ایک زریں دور کی یادگار ہیں جو علامہ جاحظ اور ان کے ہم عصر طبقہ کے ادباء کے معاصر ہیں جو عربی زبان کے فصیح ترین اور چوٹی کے ادیب تھے۔

اسی طرح امام محاسبی، معروف کرخی، سری سقطی، بشر حافی، کے ہم زمانہ ہیں جن کا شمار زہاد امت اور صلحاء زمانہ میں ہوتا ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپ زبان و بیان کے دھنی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلب و روح بھی ہوں کہ کلام کو طویل کریں تو بے وقعت نہ ہو اختصار کریں تو صحت کے ساتھ کوتاہی نہ ہو۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

آپ کے چیدہ چیدہ حالات اور اقوال

1. ابن ظفر مغربی اپنی کتاب "انباء نجباء الابناء" صفحہ ۱۴۸ پر فرماتے ہیں: ایک

مرتبہ جب کہ حارث محاسبی بچے تھے تو کچھ بچوں کے قریب سے گزرے جو کھیل رہے تھے اور قریب ہی ایک کھجور فروش کا گھر تھا، آپ کھڑے ہو کر ان بچوں کے کھیل کو دیکھنے لگے کہ اتنے میں اس گھر کا مالک نکلا جس کے پاس کچھ کھجوریں تھیں حارث سے کہنے لگا انہیں کھالو، حارث نے پوچھا یہ کیسی ہیں؟ اس نے جواب دیا میں نے ابھی ابھی ایک آدمی کو کھجوریں فروخت کیں تو اس سے یہ چند کھجور کے دانے گر گئے اس لئے تمہیں کھانے کو دے رہا ہوں، حارث نے اس سے پوچھا۔ کیا تم اس مشتری (خریدار) کو جانتے ہو؟ اس نے کہا۔ ہاں جانتا ہوں؟ پھر حارث بچوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگے، کیا یہ آدمی مسلمان ہے؟ بچوں نے اثبات میں جواب دیا تو حارث وہاں سے چل پڑے اور اس شخص کو اسی حالت پر چھوڑ دیا، کھجور فروش آپ کے سر ہوا اور پکڑ لیا کہنے لگا: تم میرے ہاتھ سے اس وقت تک نہیں چھوٹ سکتے جب تک کہ یہ نہ بتلا دو کہ تمہارا میرے بارے میں کیا خیال ہے اس پر حارث کہنے لگے: اے معزز انسان اگر تو مسلمان ہے تو تجھے ان کھجوروں کے مالک کو تلاش کرنا چاہئے تاکہ تم ان کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاؤ، اور تلاش میں اتنی محنت کرو جتنا کہ ایک سخت پیاسا پانی کی تلاش میں اٹھاتا ہے تعجب ہے کہ آپ مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے بچوں کو حرام کھلاتے ہیں اس پر کھجور فروش کہنے لگا: واللہ میں نے آج تک دنیا طلبی کے لئے تجارت نہیں کی ہے۔

❷ امام قشیری ''الرسالۃ'' صفحہ ۱۵ میں، ابن خلکان ''وفیات'' ۱/۱۴۶ میں، اور علامہ ابن حجر ''تہذیب التہذیب'' ۲/۱۳۵ میں فرماتے ہیں: حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حارث محاسبی اپنی وفات کے وقت چاندی کے ایک دانق کو ترستے تھے (دانق درہم کے چھٹے حصے کے برابر ہوتا ہے) جب کہ آپ کے والد نے اپنی وفات کے وقت ستر ہزار درہم چھوڑے اور حارث محاسبی نے ان سے ایک پائی بھی نہیں لی وجہ یہ تھی کہ آپ کے والد قدریہ کے عقائد رکھتے تھے، آپ نے ان کی میراث

میں سے حصہ لینا تقویٰ کے خلاف سمجھا۔

۳ حافظ ابو نعیم، خطیب بغدادی، علامہ قشیری، تاج سبکی وغیرہ حضرات روایت فرماتے ہیں کہ: حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ (جو کہ حارث محاسبی کے شاگرد تھے) کہتے ہیں: حارث محاسبی بہت تنگ دست، پتلی حالت، اور سخت فقر و فاقہ والے تھے ایک دن میں اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پاس سے گزرے، تنگدستی اور بھوک کے آثار آپ کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے میں نے عرض کیا اے عم! اگر آپ ہمارے گھر میں قدم رنجہ فرماتے تو ہمیں کچھ خدمت کا موقع ملتا، آپ نے فرمایا اگر چاہو تو کرلو، میں نے کہا یہ تو بہت نیکی اور خوشی کا موقع ہے۔ چنانچہ میں آپ کو اپنے گھر لے گیا اور اپنے چچا کے گھر میں بٹھایا کیونکہ وہ وسیع اور عمدہ کھانوں سے پر تھا۔ پھر میں انواع واقسام کے کھانے لے آیا اور آپ کے سامنے چن دیئے تو آپ نے ہاتھ بڑھا کر ایک لقمہ لیا اور منہ میں ڈال لیا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس کو منہ میں گھما رہے ہیں لیکن چبا نہیں پا رہے، چنانچہ وہ جلدی سے اٹھے اور ہمارے گھر سے نکل گئے دوسرے دن میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا: آپ نے تو کل میری خوشی کو مکدر کر دیا آپ فرمانے لگے ارے بیٹا! کئی دن کا فاقہ تھا، بھوک سخت لگی ہوئی تھی اور میں نے آپ کے پیش کردہ کھانوں سے کھانا بھی چاہا لیکن میرے اور میرے اللہ کے درمیان ایک علامت مقرر ہے کہ کھانا جب مشکوک ناپسندیدہ ہو تو مجھے اس میں سے ایسی بو آتی ہے جسے میری طبیعت ناپسند کرتی ہے، اس لئے میں اس لقمے کو تمہارے گھر کی دہلیز پر پھینک کر نکل گیا۔ قشیری کی روایت کے مطابق مزید تفصیل یہ ہے میں نے عرض کیا آج پھر مجھے خدمت کا موقع دیں چنانچہ میں نے آپ کے سامنے روٹی کا ایک خشک ٹکڑا رکھ دیا جسے آپ نے بخوشی تناول فرما لیا اور فرمانے لگے: جب کسی درویش کو کچھ دینا چاہو تو ایسی چیز دیا کرو۔

۴ علامہ شعرانی "الطبقات الکبری" ۱/۶۴ پر اور علامہ مناوی "الکوکب الدریۃ"

۲۱۹/۱ میں خود حارث محاسبی سے روایت کرتے ہیں: میں نے معرفت (ذات حق) پر کتاب لکھی جو مجھے بہت ہی اچھی لگی تو ایک دن میں اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا کہ بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس ایک نوجوان میرے پاس آیا اور مجھ سے سوال کرنے لگا۔ اے عبداللہ! کیا اللہ کو پہچاننا، اللہ کا حق ہے مخلوق پر؟ (کہ انسان اس کی پہچان حاصل کرے) یا کہ مخلوق کا حق ہے اللہ پر؟ (کہ اللہ مخلوق کو اپنی پہچان کروائے) حارث کہتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا: معرفت اللہ کا حق ہے مخلوق پر، تو وہ نوجوان کہنے لگا پھر تو اللہ تعالیٰ کا حق بنتا ہے کہ وہ اس معرفت کی حقیقت اپنی مخلوق پر منکشف فرمادے (کیونکہ اللہ تعالیٰ کے انکشاف کے بغیر تو مخلوق اللہ کی معرفت نہیں پاسکتی۔ مترجم) حارث کہتے ہیں اس کے اعتراض پر میں نے پلٹ کر جواب دیا: نہیں بلکہ مخلوق کا حق ہے اللہ پر تو اس نے اعتراضاً پھر کہا: اللہ تعالیٰ تو منصف ہیں مخلوق پر ظلم نہیں کرسکتے (یعنی اپنی معرفت کما حقہ اللہ نے مخلوق کو عطا نہیں فرمائی گویا آپ نے حق تلفی کی۔ مترجم) پھر وہ نوجوان سلام کر کے نکل گیا، حارث کہتے ہیں میں نے اپنی وہ کتاب اٹھائی اور پانی میں ڈال کر ضائع کر دی، اور میں نے اپنے جی میں عہد کیا کہ: آئندہ کبھی معرفت ذات حق میں کلام نہیں کروں گا۔[1]

❺ ابو نصر سراج طوسی اپنی کتاب "اللمع" میں صفحہ ۴۹۵ پر لکھتے ہیں: ابو حمزہ صوفی حارث محاسبی کے گھر گئے جب کہ حارث محاسبی کا گھر خوبصورت اور کپڑے صاف تھے اور گھر میں ایک ممیانے والی بکری تھی جو انتہائی اونچی آواز میں ممیاتی چنانچہ وہ اونچی

---

[1] شیخ ابو غدہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بظاہر اس کتاب کے تلف سے پہلے متعدد نسخے نقل ہو چکے تھے اسی لئے اس کو آپ کے سوانح نگاروں نے آپ کی جملہ تالیفات میں شمار کیا ہے اور ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض اساتذہ کے حالات میں ملتا ہے کہ انہوں نے اس کو پڑھا ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب "روح القدس فی محاسبة النفس" مطبوعہ دمشق کے صفحہ ۲۷ پر نقل کیا ہے اور امام محاسبی کی یہ کتاب "کتاب المعرفة" اور "شرح معرفة" کے نام کے معروف ہے اور دار القلم بیروت سے استاذ صالح شامی کے تحقیق کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

آواز سے ممیاتی تو ابوحمزہ چلاتے: "لبيك يا سيدي" جس پر حارث محاسبی غضب ناک ہو گئے اور چھری لے کر فرمانے لگے: اگر اس حالت سے تائب نہیں ہوتے تو میں تمہیں ذبح کرتا ہوں۔

❻ استاذ ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ امام محاسبی کے حالات بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "الرسالۃ" صفحہ۱۵ پر فرماتے ہیں: استاذ ابوعبداللہ بن خفیف کہتے ہیں: شیوخ میں سے صرف پانچ کی اقتداء کی جائے اور بقیہ کے حالات انہی کے سپرد کر دیئے جائیں وہ پانچ یہ ہیں: حارث بن اسد محاسبی، جنید بن محمد (بغدادی) ابومحمد رویم، ابوالعباس بن عطاء، عمرو بن عثمان مکی، اس لئے کہ یہ حضرات جامعین شریعت وطریقت ہیں۔

❼ خطیب بغدادی "تاریخ بغدادی" جلد۸ صفحہ۲۱۵ پر، اور ابن السبکی "طبقات الشافعیہ" میں جلد۲ صفحہ۳۸ پر قاضی حسین بن اسماعیل محاصلی سے روایت کرتے ہیں: ابوبکر بن ہارون مجدد کہتے ہیں: میں نے جعفر بن اخی ابوثور کو کہتے ہوئے سنا: میں حارث محاسبی کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھا انہوں نے کہا: اگر مجھے اپنی پسندیدہ حالت دکھائی دی تو میں مسکراؤں گا، اور اگر غیر پسندیدہ حالت ہوئی تو تمہیں میرے چہرے کے آثار سے معلوم ہو جائے گا۔ مجدد کہتے ہیں: آپ نے تبسم فرمایا پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔

اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور اکرام کا معاملہ کرے کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں پہنچے جیسا کہ گھر سے غائب شخص گھر کو لوٹتا ہے اور اس طرح لوٹے جیسا کہ مطیع فرمانبردار غلام اپنے آقا کے پاس آتا ہے اللہ تعالیٰ علیین میں ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آپ کی تدفین ابوالحسین ہروی کے بیان کے مطابق جبانۃ دارالسلام بغداد میں ہوئی جیسا کہ ان کی کتاب "الإرشادات الى معرفة الزيارات" صفحہ۷۴ پر ہے۔ آپ کی قبر معروف ہے اور اس کے قریب ایک مسجد "مسجد المحاسبی" کے نام

سے بنی ہوئی ہے۔

اقوالِ محاسبی

۱ ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے اور انسان کا جوہر اس کی عقل ہے، اور عقل کا جوہر توفیق ہے اور دوسرے الفاظ میں عقل کا جوہر صبر ہے۔

۲ اس امت کے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جنھیں ان کی آخرت دنیا سے اور دنیا آخرت سے غافل نہ کر سکے۔

۳ حسن خلق کا مطلب: تکلیف برداشت کرنا، غصہ کم کرنا، چہرے کو کشادہ رکھنا، اور پاکیزہ کلام کرنا۔

۴ جو شخص اللہ کی نعمت پر اس کا شکر ادا نہیں کرتا گویا وہ اس کے زوال کا متمنی ہے۔

۵ ہر تارک الدنیا کا زہد اس کی معرفت کے بقدر، اور معرفت عقل کے بقدر، اور عقل قوت ایمان کے بقدر ہوتی ہے۔

۶ ظالم شرمندہ ہی ہوتا ہے اگر چہ لوگ اس کی تعریف بھی کریں اور مظلوم مطمئن محفوظ رہتا ہے اگر چہ لوگ اس کی مذمت کریں اور تھوڑے پر صبر کرنے والا مالدار ہے اگر چہ بھوکا ہی ہو اور لالچی محتاج ہے اگر چہ بادشاہ بن جائے۔

۷ جو اپنے باطن کی اصلاح مراقبہ اور اخلاص سے کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت سے مزین فرما دیں گے۔

۸ کوئی بندہ جب نیکی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکی سے دوسرے کو نیکی کی توفیق عنایت فرماتے ہیں اور جب کوئی بگڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بگاڑ سے دوسرے کو بگاڑتے ہیں۔

۹ عبدیت کی شان یہ ہے کہ انسان کسی چیز کو اپنے اختیار میں نہ سمجھے، اور یہ یقین کر لے کہ وہ اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے۔

⓾ اخلاص یہ ہے کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے معاملات سے علیحدہ کر دے، اور نفس تمام مخلوقات سے پہلے مخلوق ہے۔

⓫ جو شخص اپنے باطن کے اصلاح کی کوشش کرتا ہے اللہ عزوجل اس کو ظاہری معاملات کا حسن عطا فرما دیتے ہیں، اور جو باطن کی اصلاح کی کوشش کے ساتھ ساتھ ظاہری معاملات کو بھی خوبصورت بنانے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے راستہ کی راہنمائی نصیب فرما دیتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۝﴾

تالیفات محاسبی

حضرت امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی تالیفات ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ان میں جو معروف ہیں یا جو ابھی متداول ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

❶ "الرعاية لحقوق الله عزوجل" پہلے یورپ پھر مصر میں طبع ہوئی ہے۔ تاریخ مذکور نہیں۔

❷ "التوھم" مصر میں ۱۳۵۷ھ میں طبع ہوئی پھر حلب سے ۱۳۸۳ھ میں طبع ہوئی۔

❸ "رسالة المسترشدين" یہی جو آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ اس کی آٹھویں طباعت ہے پہلی دونوں طباعتوں کا ترجمہ ترکی زبان میں ہو چکا ہے۔ مترجم پروفیسر علی ارسلان ہیں، جو کہ استنبول کے دائرۃ الافتاء کے خطیب ہیں وہاں یہ ۱۹۶۸ء میں چھپ چکی ہے (اور اب اس کا الحمد للہ اردو ترجمہ ہو رہا ہے۔ جترجم)

❹ رسالة الوصايا۔

❺ آداب النفوس۔

۶ شرح المعرفة۔

۷ "بدأ من أناب إلى اللّٰه تعالٰی"

۸ المسائل فی الزهد وغیرہ۔

۹ "المسائل فی أعمال القلوب والجوارح"

۱۰ "المكاسب والورع والشبهة" ذرائع روز گار، تقویٰ کے مقتضیات اس میں پیدا ہونے والے شبہات امور مباح وممنوع، اوران کی طلب میں لوگوں کی مختلف قسمیں، اوراس میں غلط کاروں پر رد کا بیان ہے۔

۱۱ "ماهية العقل ومعناه واختلاف الناس فيه"

یہ آٹھوں کتابیں قاہرہ سے ۱۹۶۹ھ میں چھپ چکی ہیں۔

۱۲ البعث والنشور۔

۱۳ کتاب فی الدماء۔

۱۴ کتاب فی التفکر والاعتبار۔

۱۵ رسالة المراقبة۔

۱۶ التنبیه علی أعمال القلوب فی الدلالة علی وحدانیة اللّٰه تعالٰی۔

۱۷ کتاب العظمة۔

۱۸ القصد والرجوع الی اللّٰه تعالٰی۔

۱۹ کتاب النصائح۔

۲۰ مختصر کتاب فهم الصلوٰة۔

۲۱ کتاب الرضا: اس کا تذکرہ امام محاسبی نے اپنی کتاب "المسائل فی أعمال القلوب" صفحہ ۱۴۷ پر کیا ہے۔

۲۲ فهم القرآن: اس میں سے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجموع الفتاوی جلد ۵ صفحہ ۵۵۷ پر نقل کیا ہے۔ نیز اپنی کتاب "الفتوی الحمویة

الکبریٰ" صفحہ ٢٦٦ سے ٢٧٠ تک نقل کیا ہے۔

٢٣ "فهم السنن" اس میں سے حافظ ابن حجر اپنی کتاب "النکت علی مقدمة ابن الصلاح" حدیث معضل کی بحث میں جلد ٢ صفحہ ٥٨٤ پر، اور حافظ سیوطی نے الاتقان جلد ١ صفحہ ١٦٨ پر اٹھارویں قسم میں نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کتب ہیں جن کا استقصاء یہاں ممکن نہیں۔

رحمہ اللّٰہ تعالیٰ الإمام المحاسبي وغفرله وأكرمه برضوانه الكريم

تعمیرِ اخلاق

ترجمہ

رسالة المسترشدين

امام حارث محاسبی

أبو عبداللّٰه حارث بن اسد محاسبی بصری

(ولادت ۱۶۵ھ بصرہ، وفات ۲۴۳ھ بغداد)

تحقیق وتخریج احادیث، و تعلیقات نافعہ

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ۔ رحمہ اللّٰہ و غفرلہ

مترجم

العبد قاضی اسامۃ عبدالحق

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الحَمْدُ لِلّٰهِ الاوّل القديم[1]، الواحد الجليل الذى ليس له شبيهٌ ولا نظير، أَحْمَدُهُ حمدًا يُوا فى نِعمَه ويَبلُغ مَدَى نَعْمائه[2] وأَشْهَدُ أن لا إله إِلَّا اللّٰه وحده لا شريك له شهادةَ عَالمٍ بربُوبيَتِه عارفٍ بِوَاحْدَانيته وأشهد أن محمدًا عبدُه ورسولُهُ اصطفاه لوحيه وخَتَم به أَنْبياءَ هُ وجَعَلَهُ حُجَّةً على جميع خَلْقِه ((لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيّنَةٍ وَيَحْيٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللّٰه لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ)).

(سورۃ الانفال آیہ ۴۲)

اما بعد: جاننا چاہئے کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں میں سے ایسے عقل مندوں کا انتخاب کیا ہے کہ جو اس کی ذات اور اس کے حکم کو جانتے ہیں ان کا تذکرہ "وفادار، بہترین اخلاق والے، اور خوف وخشیت سے متصف" کے الفاظ سے کیا ہے، چنانچہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے: پس نصیحت تو سمجھ دار ہی قبول کرتے ہیں اور یہ (سمجھدار) لوگ ایسے ہیں کہ اللہ سے جو کچھ انہوں نے عہد کیا ہے اس کو پورا کرتے ہیں اور اس عہد کو توڑتے نہیں، اور یہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن علاقوں کے (تعلقات) قائم رکھنے کا حکم دیا ہے ان کو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں، اور سخت عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ (سورۃ الرعد۔ آیت ۱۹، ۲۰، ۲۱)

---

[1] اس سے متعلق کتاب کے آخر میں ضمیمہ جات دیکھیں۔

[2] یہاں ایک حاشیہ جملہ (حمدًا ایوا فی نِعمَهٗ) سے متعلق آخر کتاب میں ضمیمہ جات دیکھیں۔

پس جس کے سینے کو اللہ نے ایمان کے واسطے کھول دیا اور تصدیق اس کے قلب تک سرایت کر گئی اور وہ اللہ تک پہنچنے کا مشتاق ہے تو وہ اہل عقل کے طریق کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام آئمہ مجتہدین مہتدین کی متفق علیہ شریعت کی حدود کی رعایت کرتے ہوئے۔ کو لازم پکڑ لیتا ہے اور یہی وہ صراط مستقیم ہے جس کی طرف اللہ نے اپنے بندوں کو بلایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم (سیدھا) ہے سو اس راہ پر چلو دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اس کی یعنی اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم اس راہ کے خلاف کرنے سے احتیاط رکھو۔

(سورۃ الانعام آیت ۱۵۳)

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تم پر میری اور میرے بعد آنے والے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔[1]

---

[1] یہ حضرت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جس سے امام احمد نے جلد۴ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ پر اور امام ابوداؤد نے جلد۴ صفحہ ۲۰۱ پر اور امام ترمذی نے جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۴ پر نقل کیا ہے اور ترمذی فرماتے ہیں "یہ حدیث حسن صحیح ہے" اور امام ابن ماجہ نے جلد ۱ صفحہ ۱۵ پر نقل کیا ہے اور امام نووی کی اربعین میں اس کا نمبر اٹھارواں ہے (رحمہم اللہ تعالیٰ)۔ امام احمد اور ان کے شاگرد امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کے مطابق حسب حال پوری روایت کو ذکر کیا جاتا ہے: "حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

﴿صلّى بنَا رسول الله صلى الله عليه وسلم الصُّبحَ ذاتَ يَوْمٍ، ثم أَقْبلَ عَلَيْنَا فوَعَظَنَا موعظَةً بَلِيْغَةً، ذرفَتْ منهَا العُيُوْنُ، وَوَجِلَتْ منهَا القُلُوْبُ.

فقال قائل: يا رسول الله كأنّ هذه موعظة مُوَدِّعٍ، فماذا تَعْهدُ إلينا؟
فقال: أُوصِيْكُمْ بتقوى اللهِ والسمع والطاعة وإن عبدًا حَبَشِيًّا. أي وإن كان الأميرُ عَلَيْكُمْ عَبْدًا حَبشِيًا. وإنهٗ منْ يَّعِشْ منكم بَعْدِىْ فَسَيَرَى اختلافًا كثيرًا، فَعَلَيْكم بسُنَّتِي وسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الراشدين المهديين، فتمسَّكُوا بها، وعضُّوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومُحْدَثاتِ الأمور، فإن كل محدَثةٍ بدعةٌ، وكلَّ بدعةٍ ضَلَالَةٌ.﴾

ترجمہ: ’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک دن صبح کی نماز پڑھائی اور پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور نہایت بلیغ نصیحت فرمائی کہ جسے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل ڈھل گئے، ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ ایسی نصیحت ہے جس طرح کہ کوئی رخصت ہونے والا آخری نصیحت کرتا ہے اس لئے (اپنے بعد) آپ ہمیں کس چیز کا پابند فرماتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اپنے امیر کی بات سننے اور ماننے کی تاکید کرتا ہوں اگرچہ وہ امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، میرے بعد زندہ رہ جانے والے لوگ عنقریب آپس کے اختلافات دیکھیں گے پس تم میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کو لازم پکڑ لینا اور اس کو مضبوطی سے تھام لینا اور نئی نئی باتوں سے بچنا اس لئے کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

’’نواجذ‘‘ دانتوں کے انتہائی آخر میں جو داڑھیں ہوتی ہیں انہیں کہتے ہیں اور ’’عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ‘‘ کنایہ ہے تمام منہ سے کسی چیز کو پکڑ

لینے سے یعنی مضبوطی سے پکڑ لینا جیسا کہ جب کوئی آدمی کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے دانتوں میں دبا کر پکڑ لیتا ہے تاکہ اس سے چھوٹ نہ جائے۔"

نفس کی اصلاح کسی شیخ اور بیعت پر ہی موقوف نہیں ہے

امام ابوعبداللہ محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کی رضا جوئی اصلاح نفس اور تزکیہ محض شیخ اور اس کی بیعت پر ہی موقوف نہیں ہے البتہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام اور کتاب وسنت سے ثابت شدہ اوامر کا علم اور ان پر عمل اور اکابر امت کے طرز عمل کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

تو ہر ہدایت کا طالب جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ خلفاء راشدین وسلف صالحین کی سیرت پر علم صحیح کے موافق عمل کرے تو وہ راہ ہدایت کا رہرو اور ذات باری تعالیٰ کی طرف رشد و ہدایت کے ساتھ متوجہ ہے۔

اس لئے کہ کتاب وسنت بذات خود اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے اور روح ونفس کو مکمل آلائشوں سے پاک کرنے والے ہیں اس پر آیات کثیرہ واحادیث معتبرہ شاہد ہیں۔

آیات میں سے بعض یہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً كَبِيْراً"، ترجمہ: "یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں اچھے کہ ان کے لئے ہے ثواب بڑا۔"

(بنی اسرائیل:۹)

اور اللہ تعالیٰ کا قول: "لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ"، ترجمہ: "اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو

دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے۔" (الحشر:۲۱)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ" ترجمہ: "وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے۔"

(الجمعۃ:۲)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تزکیہ آپ کے اقوال و افعال اور آپ کی تقریرات (کسی کام کو ہوتا دیکھ کر اس سے منع نہ فرمانا) کے ذریعہ سے قیامت تک باقی رہے گا اور وہی اول و آخر راہبر و راہنما ہے جو کہ بحمد للہ تمام کے تمام مرتب و محفوظ ہیں اسی طرح احادیث میں وہی حدیث جسے مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ذکر کیا ہے کہ "تم میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کو لازم پکڑ لینا اور مضبوطی سے تھام لینا" اسی طرح آپ کا فرمان: "تركتُ فيكُمْ شيئين لن تضِلّوا بعدَهُمَا: كتاب الله وسُنَّتِيْ" "تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جن پر عمل کر کے تم ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے کتاب اللہ اور میری سنت" اسی طرح آپ کا فرمان: "فَمَنْ رَغِبَ عن سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ" "جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔"

تو بعض حضرات کا یہ فرمانا: "کہ ان لوگوں کی بات غلط ہے جو یہ کہتے ہیں کہ محض قرآن پاک کی تلاوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علم سے قلبی امراض سے بذات خود انسان علاج کر سکتا ہے" اور دلیل میں یہ کہنا کہ "صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم محض قرآن سے اپنے علاج پر قادر نہیں ہو سکے۔"

محض ان کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک گھڑی ہوئی بات ہے اور اس سے ان کے کلام کا لغو و بیکار ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں

ہدایت کے بعد کجی اور راہ پانے کے بعد بھٹکنے سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ابن عباد نفزی سے تربیت اور علم کے استاذ کے بارے میں سوال کرنا

امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی غرناطی متوفی ۷۹۰ھ (جو کہ خود بہت بڑے فقیہ، اصولی اور محدث وناقد اور "الموافقات" اور "الاعتصام" جیسی نفیس وعمدہ کتابوں کے مصنف ہیں) نے غرناطہ اندلس کے دارالخلافہ سے اپنے زمانے کے شیخ المشائخ ابوعبداللہ محمد بن نفزی (متوفی ۷۹۲ھ خطیب جامع مسجد قرویین فاس) رحمہما اللہ تعالیٰ کو خط لکھا، ایک ایسے مسئلہ کے بارے میں استفسار کر رہے تھے جو غرناطہ میں پیش آیا اور اس میں علماء کی آراء مختلف ہوگئیں اور قیل وقال کا بازار گرم ہوگیا، وہ مسئلہ یہ تھا: آیا سالک کے لئے ضروری ہے کہ شیخ طریقت کو لازم پکڑے اور اس کی نگرانی میں مدارج سلوک طے کرے؟ یا کہ اس بات کی گنجائش ہے کہ سلوک کا ذریعہ تعلم علم، اور اہل علم سے استفادہ کو بناتے ہوئے شیخ طریقت کے بغیر مراتب طریقت طے کرے؟

تو شیخ ابن عباد نفزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عالم مخلص ومنصف کی طرح جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے (جیسا کہ آپ کی کتاب "الرسائل الصغریٰ" صفحہ ۱۰۶ اور اس کے بعد اور صفحہ ۱۲۵ اور اس کے بعد درج ہے)۔

فرماتے ہیں: راہ سلوک میں شیخ (مربی) دو طرح کے ہوتے ہیں ① تعلیم و تربیت کرنے والے شیخ ② بغیر تربیت کے تعلیم کے شیخ۔ ہر سالک کے لئے تربیت کرنے والے شیخ کا ہونا ضروری نہیں ہے اس کی احتیاج تو صرف اس کو ہوتی جو کند ذہن اور سرکش نفس رکھتا ہو۔ رہی بات اس کی کہ جس کا سمجھدار و تابعدار نفس ہو تو اس کے شیخ ومربی کا ہونا ضروری نہیں ہے البتہ پھر بھی اس کا شیخ مربی سے وابستہ رہنا

بہتر ہے اور رہا شیخ تعلیم تو اس کا ہر ایک سالک کے لئے ہونا ضروری ہے۔

اور شیخ مربی کا ہونا ان لوگوں کے واسطے جن کا تذکرہ ہم نے پہلے کیا ہے تو یہ بات بالکل واضح ہے اس لئے کہ ایسے لوگوں کے لئے نفس کی رکاوٹیں بہت کثیف ہوتی ہیں اور ان کو دور کرنا صرف شیخ مربی کا ہی کام ہے اس شخص کی مثال ایسی ہے جن کے بدنی امراض دائمی اور پیچیدہ ہوں جس کے لئے یقیناً ماہر معالج کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کا علاج تیز دواؤں سے کر سکے۔

اور جس میں سمجھداری وافر اور نفس مطیع ہو تو اس کی یہ صفات اس کو شیخ سے مستغنی کر دیتی ہیں، اس کا عمل شیخ تعلیم کی راہنمائی سے ہی ٹھیک ہو جاتا ہے جب کہ دوسروں میں ایسا نہیں ہوتا اور وہ اللہ کے حکم سے مقصد تک پہنچ جاتا ہے اور اس راہ سلوک میں لاحق ہونے والے ضرر اور مشکلات سے خوف نہیں ہوتا۔

شیخ تربیت کا التزام واعتماد متاخرین صوفیاء کا اختیار کردہ ہے جب کہ شیخ تعلیم پر اکتفاء متقدمین کا طریق رہا ہے اور یہی بات بہت سے مصنفین کی کتابوں میں ملتی ہے، جیسے کہ حارث محاسبی اور ابوطالب مکی (رحمہما اللہ) وغیرہ ہیں اس لئے کہ ان لوگوں نے شیخ تربیت کا اس طور سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ متاخرین کی کتابوں میں ملتا ہے حالانکہ انہوں نے علوم (تصوف) کے اصول وفروع، مبادیات وماخذ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان میں خاص کر ابوطالب مکی نے ان کو خصوصیت سے ذکر کیا ہے تو ان حضرات کا اپنی کتب میں اس کو ذکر نہ کرنا سلوک وتصوف میں اس کے عدم التزام و اشتراط کی دلیل ہے۔

یہی وہ طریق مختار ہے جس کو اکثر سالکین نے اختیار کیا ہے اور یہی اسلاف متقدمین کے حال سے مشابہ ہے اس لئے کہ ان میں سے کسی سے شیخ تربیت کا التزام (جیسا کہ اس دور میں ہوتا ہے) منقول نہیں البتہ ان کا طریق اصلاح بذریعہ تحصیل

امام نے فرمایا: اور جان لو کہ کتاب اللہ کا حق اور فرض ہے کہ اس کے احکام اور امرونواہی پر عمل کیا جائے، اس کی وعید کا خوف ہو، اس کے وعدے کی امید رکھی جائے اور اس کے متشابہات پر ایمان رکھا جائے آپ نے یہ تمام اعمال کر لئے تو آپ جہالت کی تاریکیوں سے علم کے نور اور شک کے عذاب سے یقین کی راحت کی طرف نکل آئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور اسلام کی طرف لاتا ہے۔ (سورہ البقرہ ۲۵۷)

اس کی تمیز اور شوق اہل عقل اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا فہم رکھنے والے لوگ رکھتے ہیں جو اپنے ظاہر کے سنوارنے اور شبہات سے بچنے میں حریص ہیں نبی کریم صلی اللہ

علم، التزام صحبت، اور آپس کا بھائی چارہ رہا ہے آپس کی ملاقات وزیارت سے ان کو عظیم نفع پہنچتا اور وہ اس کا بہت اثر اپنے ظاہر و باطن میں محسوس کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اولیاء کرام اور علماء وعباد کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لئے شہروں میں گھومتے اور بلاد کا چکر لگاتے۔

اور اہل تصوف کی کتب سے استفادہ کرنے کی صورت بھی شیخ تعلیم کی ہے اس لئے کہ ان سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کا اعتقاد یہ ہو کہ ان کے مؤلفین اہل علم و معرفت اور لائق اقتدار تھے۔

اور یہ اعتقاد کسی شیخ یا طریق معتمد علیہ سے ہی پیدا ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کی تعلیمات اگر ظاہر شرع کے موافق ہوں اور یہ موافقت بالکل ظاہر و باہر ہے تو اتنی ہی کافی ہے ورنہ کسی شیخ تعلیم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا جو ان باتوں کی وضاحت کر سکے تو شیخ (تعلیم) کی ضرورت بہر حال ثابت ہوگئی۔ انتہی کلامہ۔

شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان کا یہ کلام شیخ طریقت کے انتفاء اور عدم التزام پر دلالت کرتا ہے نیز شیخ تعلیم کے لزوم کو بھی ثابت کرتا ہے۔

علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”حلال بھی واضح ہے۔ اور حرام بھی[1] اور ان دونوں کے درمیان کچھ امور ایسے ہوتے ہیں جو شبہ میں ڈال دیتے ہیں“ (ان کی حرمت وحلت واضح نہیں

۱؎ مال حرام کے پھیل جانے کے باوجود بھی مال حلال مل سکتا ہے

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”جاہل انسان یہ خیال کرتا ہے کہ مال حلال مفقود ہو چکا ہے اور اس تک پہنچنے کے راستے مسدود ہو چکے ہیں (یہاں تک کہا جانے لگا) کہ اس وقت تو دریائے فرات کا پانی اور ویران زمین میں اگنے والی گھاس ہی صرف حلال ہے اور اس کے علاوہ دوسری اشیاء کو لین دین کرنے والے عوامل اور معاملات فاسدہ نے بگاڑ دیا ہے۔“

حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں۔ اس فرمان کا تقاضا ہے کہ یہ تینوں چیزیں اکٹھی باقی رہیں اگرچہ حالات کتنے ہی بدل جائیں۔

اس وقت جس چیز کی کمی ہے وہ حلال وحرام کی پہچان اور اس تک پہنچنے والے راستوں کے بارے میں لاعلمی ہے۔ (احیاء العلوم ۵/۲۰، فیض القدیر، امام مناوی ۳/۵۲۴، ۵۲۵)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ تینوں امور مسلسل باقی ہیں البتہ حرام کم اور زیادہ ہوتا رہے گا اور ہمارے اس زمانہ میں دین کی کمزوری اور کم فہمی کی وجہ سے حرام بڑھ گیا ہے اور لوگوں کے اکثر معاملات میں ناجائز لین دین اور سود غالب ہے۔ (فاللّٰہ المستعان)

مال حرام کے پھیل جانے سے خرید وفروخت اور کھانے کو ترک کرنا لازم نہیں

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ احیاء العلوم ۵/۴۶ پر فرماتے ہیں: جس کو یقینی طور سے

ہوتی)۔

لہٰذا ان کا چھوڑنا کرنے سے بہتر ہے۔[۱]

اس کا علم ہو کہ مال دنیا میں حرام کی آمیزش ہو چکی ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ خرید و فروخت اور کھانا پینا چھوڑ دے اس لئے کہ اس سے بہت حرج ہوگا اور دنیا میں ایسے احکام نہیں ہیں جن سے حرج لازم آئے یہ بات واضح ہے کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی موجودگی میں ڈھال چوری ہوگئی اور مال غنیمت میں خیانت ہوئی اور اس سے ایک قباء چرالی گئی تو ڈھال اور قباء کی خرید و فروخت کو کسی نے ترک نہیں کیا یہی حال دوسرے مسروقہ مال کا ہے پوری دنیا سے حرام تو اس وقت ختم ہو سکتا ہے کہ جب تمام لوگ معاصی سے بچیں اور ایسا ہونا محال ہے۔

اور جب دنیوی احکام میں ایسی شرط نہیں تو کسی خاص شہر میں بھی ایسا کرنا ضروری نہیں ہاں البتہ یہ ہے کہ کسی ایک جگہ کچھ اکٹھے پابند لوگوں میں ایسا ہو جائے (تو پھر بچنا چاہئے) اور ایسا تقویٰ تو ان لوگوں کا ہو سکتا ہے جو وہی ہوں اس لئے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسا کوئی حکم منقول نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے کوئی روایت ہے اور نہ ہی کسی امت یا زمانے تک اس پر عمل ہو سکتا ہے)۔ (الحلال و الحرام لابن تیمیة)

[۱] یہ اس حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جس کو امام احمد بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی (رحمہم اللہ) نے حضرت نعمان بن بشیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کیا ہے اور الفاظ مذکورہ امام ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے ہیں اور جملہ "تَرْكُهَا خَيْرٌ مِنْ أَخْذِهَا"، مصنف کے سیاق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا حصہ ہے لیکن مجھے یہ کلمات باوجود تلاش و تتبع کے کہیں کسی طریق اور روایت میں نہیں ملے اسی لئے ہم نے اسی جملہ کو الگ بین القوسین میں لکھ دیا ہے واللہ اعلم۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ پوری حدیث اس طرح ہے:

﴿الحَلَالُ بَيِّنٌ، والحرامُ بَيِّنٌ، وَبينَ ذلك أمورٌ مُشْتَبِهَاتٌ لايَدْرِىْ كثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ أَمِنَ الحَلَالِ هِيَ أمْ مِنَ الحرامِ، فمَنْ تَرَكَهَا اسْتِبْرَاءً لدينِهِ وعِرْضِهِ فَقَدْ سَلِمَ وَمَنْ واقَعَ شَيْئًا مِّنها يُوْشِكُ أن يُّواقِعَ الحرامِ، كَمَا أنهٗ مَنْ يَّرْعٰى حَوْلَ الحِمٰى يُوْشِكُ أن يّواقِعَهٗ ألَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، ألَا وإِنّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ (زاد البُخَارى ومسلِمٌ فى روايتِهِما) ألَا وإنّ فى الجَسَدِ مُضْغَةً إذا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كلهٗ وإذا فَسَدت فَسَدَ الجَسدُ كُلّه ألا وهى القَلْبُ﴾

ترجمہ: ”اور ان دونوں کے درمیان بہت سے کام مشتبہ ہیں ان کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ حلال ہیں یا کہ حرام جس نے اپنے دین وعزت کی حفاظت کے لئے ان کو چھوڑا سو وہ محفوظ رہا، اور جو ان میں پڑ گیا تو گویا وہ حرام تک پہنچ گیا جیسے کوئی چرواہا اپنی بکریاں چراگاہ کے ارد گرد (باڑھ کے پاس) چراتا ہو تو وہ (لازماً) چراگاہ میں داخل ہو جائے گا۔ جان لینا چاہئے کہ ہر بادشاہ کی اپنی کچھ حدود ہوتی ہیں اور اللہ کی حدود اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں (بخاری ومسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں) جان لینا چاہئے کہ جسم میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ وہ اگر سنور جائے تو سارا جسم سنور جائے اور وہ اگر بگڑ جائے تو سارا جسم فاسد ہو جائے اور خبردار! وہ دل ہے۔“

کثرت سے مباح کام کرنا مکروہ اور وہ حرام تک پہنچانے والا ہے

علامہ زین الدین ابن المنیر اپنی صحیح بخاری کی شرح میں اس روایت: ”جو مشتبہ

کاموں میں پڑ جائے وہ حرام میں ضرور گرتا ہے۔" پر فرماتے ہیں کہ ان کے شیخ ابوالقاسم بن منصور قباری اسکندری، جو بڑے زاہد اور مرجع عوام تھے فرماتے ہیں: مباح کام انسان اور مکروہ افعال کے درمیان بمنزلہ ایک گھاٹی کے ہیں جو کثرت سے مباحات کا ارتکاب کرتا ہے وہ مکروہات تک پہنچتا ہے اور جو بکثرت مکروہات میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ بالآخر حرام میں گرتا ہے۔

علامہ حافظ ابن حجر فتح الباری ۱/ ۱۱۸ پر اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ حرج (گناہ) سے نکلنے کا بہترین راستہ ہے۔ ابن حبان کی روایت جس کی سند امام مسلم (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ذکر کی ہے الفاظ کو چھوڑ دیا ہے، اس کی تائید کرتی ہے اور اس میں الفاظ کی (اس کی بہ نسبت) کچھ زیادتی بھی ہے آپ نے فرمایا "اجعلُوْا بیْنکم وبین الحرامِ سُتْرَةً منَ الحلال منْ فَعَل ذلك استبرأَ لِعرْضِهٖ ودِیْنِهٖ ومَنْ ارتَعَ فیه کان کالمُرْتع إلی جَنْبِ الحِمَی یوشِكُ أن یّقَع فیه" "اپنے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھو جس نے ایسا کرلیا اس نے اپنی عزت اور دین کو بچالیا اور جو اس میں چرتا رہا (مباح میں مبتلا ہو گیا) تو وہ ایسا ہے کہ کسی (ممنوعہ) چراگاہ کے پہلو میں چر رہا ہو بہت ہی ممکن ہے کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے۔" پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسا حلال جس کے کرنے میں خوف ہو کہ حرام یا مکروہ تک پہنچادے گا اسے اجتناب کرنا چاہئے۔"

جیسا کہ حلال چیزوں کا بکثرت استعمال کہ یہ "کثرت" زیادہ کمائی تک کھینچے گی اور زیادہ کمائی ناحق لینے پر ابھار دے گی یا عجب وخود پسندی میں مبتلا کر دے گی (اور عبادت کے اشتغال سے انسان کو دور کر دے گی) جس سے آدمی عبودیت (بندگی) کے تقاضوں سے ہٹ جاتا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہے، اور اس میں لوگوں

کے درجات مختلف ہیں سمجھدار عالم (جس پر کسی چیز کا حکم مخفی نہیں رہتا) وہ اس میں وقوع سے بچ جاتا ہے سوائے اس کے کہ مباہات ومکروہات کی کثرت کرنے لگے (تو اس میں مبتلا ہوسکتا ہے) جیسا کہ پہلے گزرا۔

اوراس عالم کے علاوہ دوسرے لوگ اکثر ان شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں البتہ اس میں ان کے احوال مختلف ہیں۔

اور یہ بات بالکل بے غبار ہے کہ مکروہات کی کثرت کرنے والا فی الجملۃ حرام کا ارتکاب کر لیتا ہے یا یہ کہ اس کی یہ مکروہات پر عمل کی عادت اس کو اسی طرح کے حرام میں مبتلا کر دے گی یا وہ کسی شبہ کی وجہ سے حرام میں واقع ہو جائے گا اس لئے کہ جو مکروہات سے نہیں بچتا اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور تقویٰ کا نور ضائع ہو جاتا ہے اور حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے اگر چہ وہ اس کو ناپسند بھی کرتا ہو۔

سلف کے تقویٰ کے چند نمونے

علامہ قسطلانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ۱/۱۹۱ پر اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں: اللہ کی قسم جس کی چیز کی حلت تمہیں یقینی معلوم نہ ہو اس کو چھوڑ دو جیسا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کھجور کو چھوڑ دیا تھا جب آپ کو خوف ہوا کہ یہ صدقہ کی کھجوروں میں سے نہ ہو۔ تقویٰ کا سب سے اونچا درجہ یہ ہے کہ حرام کے خوف سے حلال کو چھوڑ دے جیسا کہ حضرت ابراہیم بن ادہم نے اپنی اجرت کو اس شک کی بنیاد پر چھوڑ دیا تھا کہ معلوم نہیں کام پورا ہوا کہ نہیں جب کہ آپ اس وقت شدید بھوک سے نڈھال تھے، حضرت بشر حافی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی بہن نے امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے پوچھا: ہم (رات کو) اپنے مکان کی چھت پر سوت کاتتی ہیں اس دوران طاہر کے حرم کو لے کر لشکر گزرتا ہے تو ان کی چراغوں کی روشنی پڑتی ہے جس سے ہمیں نظر آتا ہے تو کیا ہمیں اس میں سوت کاتنا جائز ہے یا نہیں؟ تو امام احمد

رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم کون ہو؟ (اللہ تمہاری بخشش فرمائے) انہوں نے جواب دیا کہ میں بشر حافی کی بہن ہوں، تو حضرت امام احمد بن حنبل رو پڑے اور ارشاد فرمایا: تقویٰ تو تمہارے گھر سے پھوٹتا ہے اس لئے تم اس روشنی میں سوت مت کاتو۔ ہمارے اس زمانے کی خاتون "بدیعہ ایجیہ" مکہ میں تیس سال سے زائد رہیں لیکن انہوں نے بجیلہ قبیلہ سے آنے والے پھل نہیں کھائے اس لئے کہ مشہور یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے نیز ان کے والد مدینہ کے پھلوں کے کھانے سے رکے رہے اس لئے کہ یہ لوگ زکوۃ نہیں دیتے اس لئے جو اس (حرام و مشکوک سے بچنے) میں سستی کرے گا شرمندہ ہوگا اور متقی انسان جنت سے پہلے آنے والا پل (پل صراط) قیامت کے دن تیزی سے عبور کرے گا۔ انتہی کلام القسطلانی۔

خطیب بغدادی اپنی کتاب "تاریخ بغداد" ۱۵/۵ پر حافظ ابن عقدہ کے حالات میں لکھتے ہیں ان کے والد جس کا لقب "عقدہ" تھا بہت عبادت گزار اور متقی تھے۔ ان سے کچھ دنانیر (اس وقت کی کرنسی) ابوذر خزاز کے دروازے کے پاس گر گئے تو یہ کھجوروں کے بیچنے والے کو ساتھ لائے کہ اس کو اٹھا کر دیں۔ عقدہ کہتے ہیں کہ وہ وہیں پڑے ہوئے تھے لیکن میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیا ضروری ہے کہ یہ وہی میرے دنانیر ہوں؟ تو میں نے کھجور فروش سے کہا کہ تم وہ میرے دنانیر قرض رہنے دو (میں بعد میں ادا کر دوں گا) اور میں چھوڑ کر چلا آیا۔

اسی قسم کا واقعہ امام ابو اسحاق شیرازی (اپنے زمانہ کے شافعیہ کے مقتدا اور "المہذب فی المذہب" کے مصنف) کے ساتھ پیش آیا جو انتہائی تنگدستی اور فقر و فاقہ میں تھے اور تھے انتہائی متقی اور صاحب صلاح۔ ایک مرتبہ مسجد میں آئے کہ کچھ لے کر کھائیں لیکن وہی دینار یاد آیا جو راستہ میں بھول گئے تھے تو لوٹے لیکن جب مل گیا تو اسے اٹھانے کے بجائے چھوڑ دیا اور ہاتھ تک نہیں لگایا فرماتے ہیں: میں نے سوچا

امام محاسبی فرماتے ہیں: اپنی نیت کے بارے میں غور وفکر کرو[1] اور اپنے ارادہ کو پہچانو اس لئے کہ اصل بدلہ تو نیت پر ہی ملتا ہے[2] حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)

شاید کسی اور سے گر گیا ہو اور میرا دینار نہ ہو۔ (تہذیب الاسماء للنووی ۲/۱۷۳)

ایسے واقعات کے لئے آپ ''رسالہ قشیریہ'' کے ''باب الورع'' کو دیکھیں تو آپ کو عجیب وغریب حیران کن واقعات پڑھنے کو ملیں گے اور ایک کتاب ''کتاب الورع'' امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی بھی ہے وہ انتہائی نفیس کتاب ہے اور اس میں سلف صالحین کے تقویٰ پر واضح نشانیاں ہیں پڑھ کر انسان یہ خیال کرتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ جنت میں داخل ہو کر جنت والوں کے واقعات و اخلاق لکھ رہے ہیں اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے بلا شک یہ بہت مفید کتاب ہے۔

[1] نیت کہتے ہیں دل کے کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کے ارادہ وعزم کو، شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اعلام الموقعین ۴/ ۱۹۹ پر فرماتے ہیں: نیت تمام امور کی اصل اور بنیاد واساس ہے کہ اس پر ان کی عمارت کھڑی ہے گویا یہ اعمال کی روح ہے جب کہ عمل اس کے تابع ہے نیت صحیح ہوگی تو عمل بھی صحیح ہوگا اور اگر (خدانخواستہ) نیت درست نہیں تو عمل بے کار ہے نیت توفیق کے لئے قائد ہے جس کے نہ ہونے سے خسران و ہلاک کا خطرہ ہے اور اس سے دنیا وآخرت کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے۔

[2] اچھی نیت کی فضیلت اور بری نیت پر وبال

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ فرماتے ہیں: یہ (حسن نیت) ایک مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے اس لئے کہ اعمال کی جزاء وسزا اسی پر موقوف ہے اور ہر مسلمان کی استطاعت میں ہے کہ وہ اچھے کاموں کی زیادہ سے زیادہ نیت کرے کہ جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں اور ایسے کاموں پر بھی اس کا ثواب ذخیرہ آخرت بنے کہ جن کو اس نے انجام ہی نہ دیا ہوگا لیکن اس کی محض نیت کی ہوگی، اور ساتھ اس کے کرنے کا پختہ

نے فرمایا ہے کہ: تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کو وہی بدلہ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے۔[۱]

ارادہ رکھتا ہو کہ اگر موقع ملے تو اس کو کرے گا، اسی لئے سلف صالحین میں سے ابو صفوان فرماتے ہیں "کوئی انسانی جسم آج تک محض نیت سے کمزور نہیں ہوا"۔
(حلیۃ الاولیاء ابونعیم ۷/۵۴)

عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ایک دن میں نے اپنے والد صاحب (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ) سے عرض کیا اے ابا جان! مجھے کچھ نصیحت فرمایئے تو انہوں نے فرمایا اے پیارے بیٹے: بھلائی کی نیت رکھو جب تک تم بھلائی کی نیت رکھو گے خیر سے رہو گے۔" اس روایت کو علامہ ابن الجوزی نے "مناقب الامام احمد" میں ص ۲۰۰ پر ذکر کیا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن بن یزید نخعی کا (تابعین میں سے ہیں) اچھی نیت کے سوا کوئی عمل نہیں تھا حتی کہ پانی بھی اچھی نیت سے پیتے تھے۔ (العلل ومعرفۃ الرجال ۱/۷۳)

اسی طرح بری نیت کرنے والے سے اس کا حساب ہوگا اور اگر کسی برے کام کا پختہ عزم کر لیا اور اس کے کرنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا لیکن پھر کسی ایسے دباؤ کی وجہ سے ترک کر دیا جس کا تعلق غیر اللہ سے تھا مثلاً کر نہیں سکا یا شرمندگی کی وجہ سے چھوڑ دیا، یا لوگوں کی ہیبت طاری ہو گئی، یا اسباب نہیں مہیا ہو سکے تو ایسی صورت میں اللہ کے عذاب وعقاب کا سزاوار ٹھہرے گا اس لئے نیت درست کرتے ہوئے خالص اللہ کی رضا چاہو اور اپنے ضمیر وارادہ میں حسن پیدا کرو اور رب العٰلمین سے نیک جزاء کی توقع رکھو۔

[۱] اس حدیث (إنما الأعمالُ بالنیّاتِ وإنّما لکلّ امرِیءٍ مانَوٰی) کو امام بخاری ومسلم (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے حضرت عمر بن الخطاب سے روایت کیا ہے اصل نسخہ

امام محاسبی نے فرمایا:

اللہ سے ڈرتے رہو (اور لوگوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ) اس لئے کہ "مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور صاحب ایمان (مؤمن) وہ ہے کہ جس کے شر وفساد سے دوسرے مؤمن سلامت رہیں[ل]"

میں دوسرا "انما" نہیں ہے جب کہ مغرب والے نسخے میں دونوں جگہ "انما" نہیں ہے۔

سلف صالحین کا عمل سے پہلے نیت کا استحضار

سلف صالحین کے نیت کے خالص کرنے اور اس کے اہتمام کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں، حضرت یوسف بن اسباط فرماتے ہیں "نیت کی درستگی کہ اس میں بگاڑ پیدا نہ ہو، یہ طویل مشقت طلب عمل سے بھی مشکل ہے۔" حضرت سفیان ثوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: "میں اپنے لئے نیت سے زیادہ کسی مشقت طلب کام کو نہیں سمجھتا اس لئے کہ اس کا وبال (بالآخر) مجھ پر ہی پلٹ سکتا ہے۔" حضرت نافع ابن جبیر (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے کسی نے عرض کیا: "حضرت آپ نماز جنازہ کے لئے کیوں نہیں چلتے؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میں نیت کرلوں پھر تھوڑی دیر سوچوں میں گم ہو گئے پھر فرمایا کہ: چلو۔ اس کو حافظ ابن رجب نے "جامع العلوم والحکم" صفحہ ۹ اور ابن ابی الدنیا نے "کتاب الاخلاص والنیۃ" میں ذکر کیا ہے۔

ل قوموں کے درمیان کی عبارت ایک حدیث کا ترجمہ ہے جس کی تشریح میں شیخ ابوغدہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: بوائق، بائقۃ کی جمع ہے اس کے معنی شر مصیبت اور تکلیف کے ہوتے ہیں (ترجمہ میں اس کے معنی "شر وفساد" سے کئے گئے ہیں۔ از مترجم) مذکورہ کلام ایک حدیث شریف ہے جسے حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں، اور حدیث کے الفاظ جنہیں امام

امام نے فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں: اللہ سے ڈرو اس کی اطاعت کر کے اور اطاعت کرو اس سے ڈرتے ہوئے، اپنے ہاتھوں کو مسلمانوں کے خون، اپنے پیٹ کو مسلمانوں کے اموال، اور اپنی زبان کو ان کے عزتوں سے بچا کر رکھو، اور ہر قسم کے خیالات میں اپنا محاسبہ کرتے رہو۔[1]

احمد، نسائی، ترمذی، اور حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں اور ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' میں (رحمہم اللہ) روایت کیا ہے اس طرح ہیں ''الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِن لِسَانِہٖ وَيَدِہٖ وَالْمُؤْمِن مَنْ أَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ'' جیسا کہ جامع صغیر میں ہے (ترجمہ گزر چکا ہے) شارح جامع صغیر امام مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شرح ''فیض القدیر'' ۶/۲۷۰ پر رقم طراز ہیں: امام حاکم کی روایت میں الفاظ کی کچھ زیادتی بھی ہے اور وہ اس طرح ہے: ''والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله والمهاجر من هجر الخطايا الذنوب'' تَرجَمہٗ: ''مجاہد وہ ہے کہ جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے کہ جو گناہوں اور معصیتوں کو ترک کر دے۔''

کتاب کے اکثر نسخوں میں حدیث کے الفاظ ''سلم الناس'' اور ایک نسخے میں ''سلم المسلمون'' لیکن میں نے کتاب کے الفاظ کو حدیث کے موافق کر دیا ہے البتہ معنی و مراد دونوں کی ایک ہی ہے اور پوری حدیث کے مجموعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

[1] خیالات (خواطر) کی تقسیم اور ان کے نام

شیخ ابو طالب مکی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنی کتاب ''قوت القلوب'' ۱/۱۲۶ میں فرماتے ہیں:

خواطر کی تقسیم اور ان کے ناموں کی تفصیل: ناموں کی تفصیل اس طرح سے

ہے۔

عمل خیر کے متعلق جو بات دل میں آئے اس کو ''الہام''۔

عمل شر سے متعلق کھٹکنے والے خیال کو ''وسواس''۔

پیدا ہونے والے خدشہ کو ''حساس''، عمل خیر کی امید وارادہ کو ''نیت''۔

جائز کام کے کرنے وانجام دینے اور اس کے شوق کو ''أمنية'' اور ''أمل'' (اردو میں امید)۔

ذکر آخرت اور اس پر وعدہ وعید کو ''تذکیر'' و ''تفکیر'' (یاد دہانی وفکر مندی)۔

کسی پوشیدہ چیز کو یقینی طور پر دیکھنے (کہ جس سے اس کے وقوع و وجود کا یقین کامل ہو جائے) کو ''مشاهدة''

نفس میں اپنے معاشی حالات کے بارے خیالات کے جنم لینے اور ان کو پہنچاننے کو ''هم'' (ظن وتخمین)۔

طبعی عادات وخواہشات سے اٹھنے والے خیالات کے میلان کو ''لَمَمٌ'' (طبعی میلان وخواہشات) کہتے ہیں اور ان سب کا مشترکہ نام ''خواطر'' ہے۔

''خیالات'' پر علامہ ابن القیم (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی دلکش بحث

امام ابن قیم کا ''خواطر'' کے بارے میں بڑا عمدہ، دقیق، اور نفیس کلام ہے جو بالکل صحیح اور مبنی برحق ہے۔ اس کی عمدگی ونفاست کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اس میں تدبر کرنا چاہئے بلکہ یاد کر لینا چاہئے، اس لئے ہم آپ سے امید کرتے ہیں کہ اس کو محفوظ کر لیں گے۔ اسی بناء پر ہم اسے یہاں نقل کر رہے ہیں اور اسی میں ہماری دینی و دنیاوی بھلائی ہے۔ آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنی کتاب ''الفوائد'' صفحہ ۳۱، ۱۷۳، ۱۷۴، (مطبوعہ مصر ۱۳۴۴ھ) میں فرماتے ہیں: ''جو بات دل میں (خیال بن کر) کھٹکے اسے فوراً جھٹک دو ورنہ وہ شہوت کا روپ دھار لے گا ایسی صورت میں اس سے لڑو

(اور ختم کرنے کی کوشش کرو) ورنہ وہ پختہ ارادے اور عزم کی صورت اختیار کر لے گا (اور اگر اب بھی تدارک نہ کیا تو) فعل کی شکل میں ظہور پذیر ہو جائے گا اور اگر اب بھی اسے نہ روکا تو وہ عادت میں تبدیل ہو جائے گا پھر اسے جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی اور یہ بات خوب اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہئے کہ ہر ''علم (فعل) اختیاری'' کی ابتداء خیالات وتفکرات سے ہوتی ہے جو کہ تصورات سے بنتے ہیں اور پھر تصورات، ارادات (ارادوں) تک پہنچاتے ہیں اور پھر ارادے کام کرنے اور انجام دینے کا باعث بنتے ہیں اور پھر جب کسی فعل کا بار بار اعادہ ہو تو عادت بن جاتے ہیں تو ان مذکورہ تمام درجات کی اصلاح محض خیالات کی اصلاح سے ہو سکتی ہے اور ان کا بگاڑ بھی وہیں سے ہوتا ہے۔

خیالات کی اصلاح کا طریقہ کار

خیالات کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے منعم ومعبود کی طرف متوجہ رہتے ہوئے اسی کی ذات کی طرف بڑھتا رہے اسی کی پسندیدہ ومرغوبات میں اپنے آپ کو منحصر رکھے اس لئے کہ حق سبحانہ کی ذات ہی منبع صلاح وفلاح اور رشد و ہدایت ہے، بندے کا اس کی امان میں آنا ہی اس کی حفاظت اور اس سے اعراض ہر بدبختی وگمراہی کی جڑ ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ خطرات ووساوس اور ان کے متعلقات انسان کو (کسی چیز پر) غور وفکر تک پہنچاتے ہیں اور اسی یاددہانی سے ارادہ کا وقوع ہوتا ہے پھر یہ ارادہ اعضاء وجوارح کے اعمال تک پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے جس کے استحکام کو عادت کہتے ہیں۔ تو کسی چیز کو روز اول سے ختم کرنا آسان ہوتا بہ نسبت اس کے کہ کمال وتمام تک پہنچنے کے بعد ختم کیا جائے۔

اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ انسان خیالات کو بالکل ختم کرنے اور مار دینے

کی طاقت وقوت نہیں رکھتا اس لئے کہ یہ یکبارگی حملہ آور ہوتے ہیں البتہ انسان میں موجود ایمانی قوت اچھے خیالات کو قبول کرنے، اپنانے، اور ان سے قلبی سکون پانے، جبکہ برے خیالات ختم کرنے، ان کو ناپسند کرنے، اور ان سے منافرت میں معین و مددگار ہوتی ہے۔

جب کہ اللہ عزوجل کی طرف سے نفس کی خلقت ایسی ہے جیسے چکی کہ جس کے لئے کسی ایسی چیز کا ہونا ضروری ہے جسے وہ پیستی رہے اگر اس میں غلہ رکھ دو اس کو پیس دے گی اور اگر مٹی یا کنکریاں بھر دو انہیں بھی ریزہ ریزہ کر دے گی۔

نفس امارہ کی اطاعت کا اثر بد

تو دل میں ابھرنے والے خیالات بمنزلہ غلہ کے ہیں کہ جن کو چکی میں ڈال دیا جائے اب یہ چکی مسلسل چل رہی ہے جسے رکنا نہیں ہے اور اس میں کسی چیز کا ڈالنا بھی ضروری ہے بعض لوگ اپنی چکی میں غلہ پیستے ہیں جو آٹا بن کر نکلتا ہے جس سے خود یہ اور دوسرے لوگ نفع یاب ہوتے ہیں، جب کہ اکثر لوگ ریت کنکریاں اور تنکے وغیرہ ڈال دیتے ہیں اور جب انہیں گوندھنے کا وقت آتا ہے تو تب انہیں اپنی پسی ہوئی جنس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ انتہی کلامہ۔

شیخ رشید رضا مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو کوئی نفس امارہ کی برائی میں اتباع کرتا ہے وہ فسق و فجور کی اتھاہ گہرائی میں جا گرتا ہے اور کبھی تو وہ کفر جیسے گناہ کو حلال کرنے کی فکر میں نظر آتا ہے مثلاً اگر کوئی خوبصورت عورتوں کو مسلسل دیکھتا رہے تو ان سے معاشقہ بازی میں مبتلا ہو جائے گا پھر اگلے مرحلے میں ان سے ہنسی مذاق کرے گا، پھر دل لگی تک نوبت پہنچے گی اور اس کے بعد فعل بد کا مرتکب ہوگا عربی شاعر کہتا ہے! محبوبہ نے مجھے گھور کر دیکھا اور آگے بڑھ کر مجھ سے دل لگی کرنے لگی، اور یہی دل لگی زنا کا سبب بن گئی۔ انتہی کلامہ۔ (بحوالہ "تفسیر المنار" ۹/۵۴۷)

امام محاسبی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: ہر سانس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دھیان رہنا چاہئے حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں: ''اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کیا جائے اور اپنے آپ کو جانچتے رہو اس سے قبل کہ تمہاری جانچ ہو[1]'' اور اپنے آپ کو ایسے دن[2] کی بڑی پیشی کے لئے سنوار لو کہ جس دن کوئی چھپی ہوئی چیز بھی پوشیدہ نہ رہ سکے گی۔[3]

زیر تفسیر آیت ''إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفَةٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا''

(سورہ اعراف)

[1] شیخ ابوغدہ فرماتے ہیں: ''اس لئے کہ آج کا اپنا محاسبہ کل قیامت کے دن کے محاسبہ سے آسان ہے'' یہ روایت (حاشیہ کے ان الفاظ کی زیادتی کے ساتھ) علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''كتاب القصاص والمذكرين'' صفحہ ۴۳ میں اسی طرح مروی ہے اور کتاب کے ایک نسخہ میں الفاظ ''قبل ان توزنوا'' کے ساتھ ''علیکم'' کی زیادتی بھی ہے۔

[2] ''بڑی پیشی کے لئے سنوار لو'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کے لئے تیار کر لو۔

[3] امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''ترمذی'' میں اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں: میمون بن مہران سے روایت ہے کہ: مؤمن متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے نفس کا اس طرح (کڑا) محاسبہ نہ کرے جس طرح وہ اپنے شریک تجارت کا کرتا ہے کہ اس کے کھانے اور لباس کو بھی دیکھتا ہے کہ یہ کہاں سے آیا؟

حضرت حسن بصریؒ کا مؤمن کی کیفیت بیان کرنا

امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مؤمن دنیا میں اپنے نفس کا نگران ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے اور یقیناً جو دنیا میں

اپنا محاسبہ جاری رکھتا ہے قیامت میں اس کے لئے حساب وکتاب میں آسانی ہوگی۔
اور جو اس معاملہ میں دنیا میں سستی کا برتاؤ کرتا ہے اور اپنے محاسبہ میں کاہلی دکھلاتا ہے اس کا حساب مشکل ہوگا۔

مؤمن کو جب کوئی چیز پسند آتی ہے تو وہ اس سے مخاطب کر کے کہتا ہے: بے شک میں تجھے پسند کرتا ہوں اور مجھے تیری ضرورت ہے لیکن تجھے پانے کے لئے میرے پاس کوئی راستہ نہیں ہے (چونکہ اس کو اس کی حلت (حلال ہونے) میں شک ہو جاتا ہے اس لئے اس کو نہیں لیتا) اور ایسے کہتا ہے کہ تیرے حصول میں کئی رکاوٹیں حائل ہو چکی ہیں اور اگر اسے ایسا فعل صادر ہو جاتا ہے کہ جو اس کو (گناہ ہونے کی وجہ سے) ناپسند ہو تو فوراً اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے اس کو انجام دینے کا میرا ارادہ نہیں تھا اور مجھے اس فعل سے کیا واسطہ ہے اور اللہ کی قسم میرے پاس اس کا کوئی عذر نہیں ہے واللہ میں آئندہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ انشاء اللہ۔ مؤمن تو دنیا میں ایک قیدی کی مانند ہے جو مسلسل اپنی خلاصی کرانے کی دھن میں رہتا ہے اور کبھی اپنے مقصد سے غافل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی آنکھ، کان، ناک، زبان اور تمام اعضاء جوارح کے بارے میں پوچھ ہونے والی ہے۔ (الحلیۃ ابونعیم ۲/۱۵۷، البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۹/۲۷۳)

مشائخ کا سونے سے قبل اپنا محاسبہ کرنے کا بیان

امام مناوی "فیض القدیر" ۵/۶۷ پر فرماتے ہیں: ابن عربی کہتے ہیں: ہمارے شیوخ واساتذہ اپنے قوال وافعال کا محاسبہ فرماتے تھے اور ان کو ایک رجسٹر میں نقل کر لیتے پھر عشاء کے بعد اپنے محاسبہ کرتے اور اپنے وہ رجسٹر کھول لیتے اور اس میں اپنے اقوال وافعال کو دیکھتے اور پھر ہر قول وفعل پر جیسا وہ ہوتا اس کے مناسب عمل کرتے اگر قابل استغفار ہوتا تو اس پر استغفار کرتے، اور مستحق انابت پر توبہ کا اہتمام فرماتے،

امام محاسبی (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

اپنے دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنی تمام ضروریات میں اسی سے امید باندھو[1] اور مصائب پر صبر کرو۔[2] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان

اور مقام شکر پر شکر کرتے، پھر اس کے بعد سوتے، البتہ ہم اس میں وساوس وخطرات کا اضافہ کر لیتے ہیں تو ہم ان خیالات و وساوس کو بھی لکھ لیتے تھے، جو ہمارے قلوب پر وارد ہوتے اور ہم ان سے گزرتے، اور ان کا محاسبہ بھی کرتے تھے۔ انتہی کلامہ۔

۱؎ اللہ تعالیٰ کو خاموشی سے پکارنے والوں کو اس کا قرب نصیب ہوتا ہے

اللہ کی ذات ایسی ہے کہ جس سے تم جب چاہو خاموشی سے پکار سکتے ہو، اور اس کے سامنے ہر قسم کی درخواست پیش کر سکتے ہو، اور ایسے راز و نیاز کی بات بھی کہہ سکتے ہو جو تم اس کے علاوہ کسی کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے، پھر اللہ عزوجل اپنی حکمت، و مہربانی کے ساتھ جب مناسب سمجھیں جواب دیں گے، اور جس وقت مناسب ہو عنایت کریں گے، وہ حکیم و دانا خوب جاننے والے، سننے، دیکھنے اور پوری قدرت رکھنے والے ہیں، اور اپنے فضل وکرم کی بناء پر بغیر کسی یقین و واسطہ، اور تعیین زمان و مکان کے ارشاد فرماتے ہیں: "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" "مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا" اور انہی کی ذات ایسی ہے کہ جو تمام امور میں رأس امید ہے حتی کہ اگر ان کو دل میں پکارو گے تو بھی جواب ملے گا ان کے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے ان کے ماسوا سے امید نہ رکھو۔

۲؎ غم کی سختی اس بات کی غماز ہے کہ خوشی آیا چاہتی ہے

یہ خیال ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ غم کے سائے کبھی نہیں ڈھلیں گے ہر چیز کے

لئے ایک وقت مقرر ہے اور اس کا بھی یقین رکھنا چاہئے کشادگی، تنگی و ترشی کے بعد آتی ہے اس کے بے شمار دلائل ہیں انہی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ''صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنائیے'' یہ نہیں فرمایا ''ان کو تسلی دلائیے'' اس طرف اشارہ ہے کہ صبر کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں اور کشادگی، ثواب، مدد و آسانی کی بشارت دروازے پر دستک دے رہی ہے۔

حبشیہ باندی کی مصیبت اور پھر آسانی

انہی دلائل میں سے ایک وہ واقعہ ہے کہ جسے امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے، حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے مروی ہے کہ ایک حبشیہ لڑکی ایک قبیلے کی باندی تھی جس کو انہوں نے آزاد کر دیا تھا، تو وہ انہی میں رہ رہی تھی (ایک مرتبہ ایسا ہوا) ان کی ایک بچی جس پر ایک سرخ پیٹی تھی جس کی تسمے موتیوں سے جڑے ہوئے تھے اس نے وہ پیٹی ایک جگہ رکھ دی جیسے ہی اس نے رکھی تو ایک کرگس نے اس سے گوشت سمجھ کر اچک لیا۔ وہ باندی کہتی ہے: ان لوگوں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن وہ نہ ملی، بالآخر انہوں نے مجھے متہم قرار دے دیا اور میری تلاشی لینے لگے حتی کہ میری شرم گاہ کی بھی تلاشی لی۔ باندی کا بیان ہے کہ میں انتہائی کرب کے عالم میں ان کے ساتھ کھڑی تھی اسی وقت وہ کرگس وہاں سے گزرا اس نے وہ پیٹی وہیں پھینک دی جوان کے بالکل سامنے گری تو میں نے ان سے کہا: اسی کی وجہ سے تم مجھے تہمت لگا رہے تھے جبکہ میں اس تہمت سے بری ہوں۔ جاؤ! اسے اٹھا لو، پھر وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آئی اور مسلمان ہو گئی۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فرماتی ہیں اس کے لئے مسجد میں ایک گھونسلہ نما خیمہ لگا دیا گیا تھا جس میں وہ رہا کرتی اور جب بھی میرے پاس آتی تو یہ شعر پڑھتی ۔

ویوم الوشاح من تعاجیب ربنا

ہے! صرف اپنے گناہوں سے ڈر، اور اپنے رب سے امیدوار رہ۔ اور نہ جاننے والا علم حاصل ہو جانے تک سوال سے نہ شرمائے، اور جس سے سوال ہوا ہے اگر وہ اس کے

ألا انه من بلدة الكفر أنجاني

''اس پٹی والا دن بھی اللہ کی قدرت کے عجائبات میں سے ہے بے شک اللہ نے مجھے اس کی وجہ سے کافروں کی بستی سے نجات دے دی۔''

فرماتی ہیں: میں نے اس سے پوچھا کیا بات ہے کہ جب بھی تم میرے پاس آتی ہو یہی شعر پڑھتی ہو تو اس نے اس پر مذکورہ واقعہ سنایا۔

(بخاری کتاب الصلوۃ ۱/۵۳۲، کتاب مناقب الانصار باب ایام الجاہلیۃ ۷/۱۴۸)

۱۵ کھلا دروازہ چھوڑ کر بند دروازہ پر نہیں جاؤں گا

یہ کتنی پیاری بات اور کتنا افضل عمل ہے فقیہ عابد، زاہد، محدث، احمد بن ابی غالب ابن الطّلایۃ بغدادی متوفی ۵۴۸ھ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھا ہے: لوگ ان کے پاس ''ان کے کثرت تقویٰ وفلاح کو دیکھ کر'' دعا کروانے آتے ''تو ایک آدمی ان کے پاس آیا کہ آپ میرے لئے فلاں آدمی سے اس بارے میں سوال کیجئے تو انہوں نے اس سے فرمایا: ارے بھائی اٹھو ہم دونوں دو دو رکعتیں پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا کھلا ہوا دروازہ چھوڑ کر اس کے بند دروازے پر نہیں جا سکتا۔'' کتاب ''مناقب الامام احمد'' ابن الجوزی صفحہ ۶۴۰ ذیل طبقات ''الحنابلۃ'' ابن رجب ۱/۲۲۴۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کے کھلے ہوئے در کو مت چھوڑو اور بند دروازے کی طرف مت جاؤ۔ اللہ کی رضا کے لئے دو رکعت پڑھو اور اس سے مانگو وہ سننے اور حکمت اور جاننے والی ذات ہے۔

بارے میں نہیں جانتا تو اپنی "لاعلمی" ظاہر کرنے میں حیا نہ کرے۔[۱]

بادشاہ بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے

علامہ ابن الجوزی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنی کتاب "اللقط فی حکایات الصالحین" کی حکایت نمبر ۵۰۷ میں ذکر فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن فہری نے نقل کیا: ایک شخص ایک بادشاہ کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے کر گیا اس نے دیکھا کہ بادشاہ اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کی حالت میں مناجات میں مصروف ہے، تو وہ سائل کہنے لگا: یہ (بادشاہ) تو خود کسی دوسری ذات کا محتاج ہے تو میں اس کے سامنے اپنی حاجت کیسے رکھوں؟ کیوں نہ میں اپنی ضرورت ایسی (بے نیاز) ذات کے سامنے پیش کروں کہ جس کے ہاں حاجت پورا کرنے میں کوئی تاخیر ہی نہیں ہو سکتی (چنانچہ وہ وہاں واپس پلٹا) لیکن بادشاہ نے اس کی یہ بات سن لی اور اس کو بلوا کر حکم دیا کہ: اس کو دس ہزار اشرفیاں دی جائیں پھر اس سائل سے کہنے لگا: کہ یہ عطیہ میری طرف سے نہیں ہے بلکہ اس ذات کی طرف سے ہے کہ جس کو میں سجدہ کر رہا تھا اور جس کی طرف تو لوٹ کر جا رہا تھا۔

[۱] نہ جاننے والا علم حاصل ہو جانے تک سوال سے نہ شرمائے

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ: تین چیزیں علم کے اصول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ناطق کتاب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ، اور تیسرے کسی سائل کے جواب میں (جب کہ سوال کے جواب کا علم نہ ہو) یہ کہہ دینا کہ "مجھے اس کا علم نہیں"۔

اس اثر کو امام دارقطنی نے "غرائب مالك" میں اور خطیب بغدادی نے "أسماء من روى عن مالك" میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام ابوداؤد نے "کتاب الفرائض" کی ابتداء میں اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن کے مقدمہ کے

آٹھویں باب میں صفحہ۲۱ پر سند ضعیف کے ساتھ ذکر کیا ہے اوران تمام روایتوں میں الفاظ کا کچھ اختلاف بھی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ اثر موقوف ہے لیکن اس کی سند ''حسن'' ہے۔ امام مناوی نے اس کو فیض القدیر بشرح الجامع الصغیر۴/ ۳۸۷، ۳۸۸ پر ذکر کیا ہے۔

کسی عالم کا ''لا ادری'' کہنا اس کی بلندی ورفعت کی علامت ہے

اس کے بعد علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی عالم سے کسی مسئلہ کی بابت سوال ہو اور اس سے اس کا حکم معلوم نہ ہو تو اس کو کہہ دینا چاہئے کہ میں نہیں جانتا، یا ''مجھے اس کی تحقیق نہیں'' یا ''مجھے اس کے بارے میں علم نہیں'' یا ''اللہ تعالیٰ ہی اس کے بارے میں بہتر علم رکھتے ہیں'' اور اس طرح کہہ دینے سے اس کی قدر ومنزلت میں کمی نہیں آتی جیسا کہ بعض نادان لوگوں کا خیال ہے اس لئے کہ علم سے باخبر عالم کے لئے اس میں کچھ نقصان نہیں کہ وہ بعض مسائل سے ناواقف ہو بلکہ اس کا اس طرح سے ''لا ادری'' کہنا اس کے مرتبہ کو بڑھا دے گا کیونکہ یہ اس کی عظمت رتبہ، دینی پختگی، اپنے رب کا خوف، پاکیزگی دل، کمال معرفت اور حسن نیت پر دال ہے۔ اور جس کی دیانت میں خلل ہو معرفت میں کمی ہو تو اس کو یہ بات اپنے مرتبہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ وہ حاضرین (وسامعین) کی نظروں میں گر جانے سے ڈرتا ہے لیکن (عجب بات ہے کہ) رب العالمین کی نظروں میں حقیر بن جانے سے نہیں گھبراتا یہ بڑی جہالت اور ضعف دین کی علامت ہے یہی وجہ ہے کہ ''لا ادری'' اور ''لا اعلم'' کے الفاظ آئمہ اربعۃ اور خلفائے اربعۃ (راشدین) بلکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل امین علیہ السلام سے بھی منقول ہیں۔ جس طرح کہ یہ الفاظ ''خیر البقاع المساجد'' والی حدیث میں وارد

ہیں۔ علامہ مناوی کا کلام مکمل ہوا اس کے بعد علامہ مناوی نے اس مسئلہ پر صحابہ کرام کے اقوال کو نقل کیا ہے۔

امام ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی عظیم النفع کتاب "ادب الدنیا والدین" صفحہ ۸۲ پر فرماتے ہیں: جب انسان تمام قسم کے علوم و معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا تو لازماً بعض چیزوں سے ناواقفیت میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے اور جب ایسا ہے تو کسی مسئلہ کے بارے میں "لا أعلم" کہنے میں کوئی عار نہیں ہے۔ یہ کلام علامہ زبیدی کی کتاب "شرح الاحیاء ۱/۱۹۴" سے منقول ہے۔

"لا أدری" آدھا علم ہے

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ احیاء العلوم میں ۱/۶۹ پر امام شعبی کا قول "لا ادری نصف العلم" ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: "جس کو علم نہ ہو اور وہ محض اللہ کی رضا کے لئے خاموش رہے تو یہ انسان اس سے اجر میں کم تر نہیں ہے جس نے وہ مسئلہ بتلا دیا کیونکہ اپنی جہالت کا اعتراف نفس پر مشکل تر ہے۔ ابوطالب مکی "قوت القلوب" میں کہتے ہیں: جو انسان اللہ سے ڈرتے ہوئے خاموش رہے یہ ایسے ہی نیکی ہے جس طرح کہ احسان و نیکی سمجھ کر علم کی بات بتلانے والا بولے۔"

اگر تم "لا ادری" کہنا سیکھ لو تو لوگ تمہیں ایسا عالم بنا دیں گے کہ تم ہر چیز جان لو گے

علامہ ابن عبدالبر "جامع بیان العلم وفضلہ" ۲/۵۵ پر بعض اہل علم سے نقل کر کے لکھتے ہیں: "لا ادری" "میں نہیں جانتا" کہنا سیکھ لو اور "ادری" کہنا مت سیکھو۔ اگر تم نے غیر معلوم مسائل میں "لا ادری" کہا تو لوگ تم کو عالم بنا کر چھوڑیں گے اور اگر ہمیشہ "ادری" کہا تو لوگ اتنا پوچھیں گے کہ تمہیں جاہل بنا کر چھوڑیں گے اور تم ان کے سوالات کے جوابات نہیں دے سکو گے۔

امام محاسبی نے فرمایا:

خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ ایمان کے لئے صبر کی حیثیت اسی طرح کی ہے جس طرح جسم کے لئے سر[1] کی کہ جب سر کٹ جائے تو پورا جسم ضائع ہو جاتا ہے۔ صبر یہ ہے کہ جب تم کوئی ایسی بات سنو کہ جو تمہیں اپنی آبرو کے معاملے میں غضب ناک کر دے تو درگزر کرتے ہوئے اعراض کرو، اور یہی انسان کی اولوالعزمی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: "جسے خوف خدا ہو وہ کبھی اپنے غصہ میں (انتقام) لے کر تسکین حاصل نہیں کر سکتا، اور جو متقی ہے وہ اپنے ارادوں پر اپنی مرضی سے عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔[2] اور اگر لوگوں میں خوف آخرت نہ ہوتا تو دنیا کے مناظر مختلف ہوتے

ابن القیم "اعلام الموقعین" ۴/۲۱۸ پر اور ابو خیثمہ نسائی کتاب العلم میں ۱۲۰ پر نقل کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ: علم کی بات یہ ہے کہ جو بات نہیں جانتا اس کے بارے میں کہہ دے "اللہ اعلم" اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔ انتھی کلامہ۔

حضرت ابراہیم نخعی نے عامر شعبی (رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ زمانہ کے تابعین میں سے ممتاز عالم تھے) سے کوئی مسئلہ پوچھا: تو انہوں نے فرمایا "لا ادری" تو ابراہیم نخعی فرمانے لگے: واللہ یہ عالم ہیں کہ جس مسئلے کے بارے میں نہیں جانتے تو "لا أدری" کہہ دیتے ہیں۔

[1] یہ ایک حدیث کے الفاظ ہیں جن کو امام دیلمی نے "مسند الفردوس" میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں اس روایت کو موقوفاً ذکر کیا ہے جیسا کہ امام مناوی کی شرح "الجامع الصغیر" میں ہے ۴/۲۳۴ اور اس میں حدیث کا آخری ٹکڑا "فاذا قطع الرأس مات الجسد" بھی مروی ہے۔

[2] بعض الفاظ اس طرح منقول ہیں: "التقیّ ملْجَم لا یتکلم بکل ما

(یعنی ہر کوئی اپنی من مانی کر کے دنیا کے نظام کو تہہ و بالا کر دیتا)

اپنی حالت کی نگرانی کرتے رہو اور دوسروں کے عیب تلاش کرنے کے بجائے اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرو۔[1] یہ مثل مشہور ہے کہ: انسان کے قابل ملامت ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ دوسروں کے وہ عیوب بھی ظاہر ہو جائیں جو اپنے اندر مخفی رہیں (دوسروں کی آنکھ کا تنکا نظر آئے اور اپنی آنکھ کا شہتیر اوجھل رہے)۔[2]

یرید" (متقی کی زبان پر بندش ہوتی ہے وہ ہر قسم کا کلام نہیں کیا کرتا)۔ "کتاب الجامع" امام ابوزید قیروانی صفحہ ۱۶۹۔

اصل میں "ومن اتقاه لم یصنع ما یرید" کے بجائے "ومن اطاع لم یصنع الا ما یریده" کے الفاظ ہیں۔

۱ قاضی ایاس کے سامنے مسلمان بھائی کی غیبت اور ان کا ردعمل

سفیان بن حسین واسطی فرماتے ہیں: میں نے قاضی بصرہ ایاس بن معاویہ مزنی (جن کی ذکاوت ضرب المثل ہے) کے سامنے ایک آدمی کا تذکرہ برائی سے کیا تو پہلے تو مجھے تیز نظروں سے گھورا اور پھر فرمانے لگے: کیا تم نے رومیوں کے خلاف جہاد کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: نہیں تو کہنے لگے۔ ہندوستان، سندھ، اور ترکوں کے خلاف جہاد میں شرکت کی ہے؟ تو میں نے نفی میں جواب دیا پھر گویا ہوئے تو کیا تم سے رومی، سندھی، ہندی اور ترکی لوگ تو محفوظ رہے لیکن تعجب ہے کہ ایک مسلمان بھائی تمہارے شر سے محفوظ نہ رہ سکا۔ سفیان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ البدایۃ والنہایہ ۳۳۶/۹ حافظ ابن کثیر "حالات ایاس"۔

۲ امام ابن وہب کا ترک غیبت کے لئے مال صدقہ کر کے علاج کرنا

قاضی عیاض کی کتاب "ترتیب المدارک" ابن وہب کے حالات میں ۲۴/۲ میں

اپنی عقلی تدابیر پر بھروسہ کرنے کے بجائے اپنی عقل کو محض اللہ کی رضا کے لئے استعمال کرو[۱] اور اچھی بری تقدیر کو پھیرنے میں اللہ کا دامن تھام لو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے: ارے انسان: اپنے مالداری پر مت اترا، اور اپنی احتیاج پر یاس مت کر، مصیبت پر غم نہ کر[۲] اور کشادگی میں مسرور نہ ہو جانا، ہمیشہ سونے کو بھٹی

ہے (یہ عبداللہ بن وہب جو کہ امام محدث فقیہ عابد و زاہد اور امام مالک وثوری ولیث وغیرہ کے شاگرد ہیں ان کی وفات مصر میں ۱۹۷ھ میں ہوئی) ابن وہب (جن کی ذکاوت ضرب المثل ہے) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا تھا جب بھی مجھ سے کسی کی غیبت ہو جاتی تو ایک دن کا روزہ رکھتا پھر یہ مجھ پر کچھ آسان ہو گیا تو پھر میں نے درہم دینا شروع کر دیا یہ مجھ پر بہت شاق گزرا حتی کہ مجھ سے غیبت چھوٹ گئی۔

[۱] اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کو اپنی عقل نارسا پر کلی بھروسہ نہ کرنا چاہئے عقل کی اپنی حدود ہیں جہاں پر اس کی بصارت ختم ہو جاتی ہے البتہ تدبیر و اسباب اختیار کرتے ہوئے (جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) معاملہ کو خدائے واحد کے سپرد کر دینا چاہئے اور پھر اس کے انجام و انتہاء کو خواہ عطا کی شکل میں ہو یا محرومی کی صورت میں۔ اللہ سبحانہ کے حوالہ کر دینا چاہئے اس لئے کہ وہ اپنے بندوں پر مہربان اور ان کے نفع و نقصان کو خوب جاننے والے ہیں اللہ عزوجل نے اسی بات کو مختلف آیات میں پانچ مرتبہ دہرایا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

"اللہ خوب جانتے ہیں اور تمہیں علم نہیں۔"

[۲] امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ "العلل ومعرفة الرجال" ۱/۱۴۹ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا: مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ میری صبح کس

میں ڈال کر اس کی اصلیت معلوم کی جاتی ہے۔[۱]

حال میں ہو خواہ پسندیدہ حالت میں یا ناگوار شکل میں اس لئے کہ مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں کہ میرے لئے خیر پسندیدہ حالت میں ہے یا ناخوشگوار صورت میں۔

[۱] خوشی اور غمی دونوں میں ابتلاء ہے جب کہ خوشی میں آزمائش زیادہ ہے

یعنی سونے کو بھٹی میں اسلئے ڈالا جاتا ہے کہ اس کی کھوٹ اور کھرا پن معلوم ہو سکے، صاحب ''قاموس'' علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز'' ۲/۲۷۴ پر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بندوں کو خوشی دے کر آزماتے ہیں کہ شکر کریں، اور کبھی مصیبت میں جانچتے ہیں کہ صبر کریں۔

عطاء اور ابتلاء دونوں بندے کا امتحان ہیں، ابتلاء کا تقاضا صبر جب کہ عطاء کا تقاضا شکر ہے، صبر کے حقوق کی رعایت بسبب شکر کے سہل ہے اس لئے عطا آزمائش کے اعتبار سے بلاء سے بڑھ کر ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول اسی کا غماز ہے ''ہمیں مصیبت میں آزمایا گیا تو ہم نے صبر کر لیا اور جب خوشی میں ہماری آزمائش ہوئی تو ہم صبر نہ کر سکے'' جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جس کے لئے دنیا (کے اسباب) کو کشادہ کر دیا گیا اور اسے اس خفیہ تدبیر سے آزمائش کا اندازہ نہ ہو سکا تو اس کی عقل وفکر دھوکہ کھا گئی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ۝'' ہم تمہیں خیر وشر کی آزمائش میں جانچیں گے پھر تم ہمارے پاس لوٹ کر آؤ گے۔ انتہی کلام از فیروز آبادی۔

آٹھ قسم کے احوال سب انسانوں پر آتے ہیں

یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اس دار فانی میں کوئی انسان ایک ہی

یقیناً نیک بندے کو مصیبت میں آزمایا جاتا ہے[۱] اور جو کچھ تم حاصل کرنا چاہتے

حالت پر برقرار نہیں رہتا۔ بلکہ ایک حال سے دوسرے حال میں پلٹتا رہتا ہے اور آٹھ قسم کے تغیرات ایسے ہیں کہ ان سے ہر انسان لازماً دوچار ہوتا ہے جو ان اشعار میں مذکور ہیں ؎

ثَمَانِيَةٌ تجرِي علىٰ الناس كلِّهِم
وَلَا بُدَّ للإِنْسَانِ يلقىٰ الثمانِيَة
سُرُوْرٌ وحُزْنٌ واجتماعٌ وفُرْقَةٌ
وعُسْرٌ ويُسْرُ ثم سُقْمٌ وعافيَة

ترجمہ: (ہر انسان ان حالات سے ضرور گزرتا ہے خوشی اور غم، جدائی اور ملاپ تنگی اور آسانی بیماری اور تندرستی)۔

اہلِ بصیرت کا قول ہے "ایک حالت پر رہنا محالات میں سے ہے۔"

[۱] حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿إن اللّٰهَ ليُجَرِّبُ أحدَكم بالبلاء وهو أعلم به كما يُجَرِّبُ أحدُكم ذهبَهُ بالنار فمنهم من يخرُج كالذهب الإبريز. أى الذهب الخالص الصافي. فذلك الذى نجّاه اللّٰه تعالىٰ من السَّيئَاتِ، ومنهم من يخرُجُ كالذهب الأسود فذلك الذى قد أُفْتُتِنَ﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں مصیبت دے کر آزماتے ہیں جب کہ وہ تمہیں جانتے بھی ہیں بالکل اسی طرح جیسا کہ تم اپنے سونے کو آگ میں ڈال کر اسے پرکھتے ہو پھر تم آگ سے خالص صاف سونا نکال لیتے ہو (اور میل پھینک دیتے ہو) ایسے ہی وہ بندہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ (مصیبت میں ڈال کر) گناہوں سے بچالیں پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ

خالص سونے کے بجائے کچھ کھوٹ بھی باقی رہ جاتی ہے تو اس کی مثال اس بندے کی ہے کہ جس میں شک کا کچھ بیج رہ جائے (کہ گناہوں کا میلان اس میں باقی رہے) اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ بالکل (کھوٹ سے بھرا ہوا) کالا سونا (بھٹی سے) نکل آئے اسی طرح وہ بندہ کہ جس کو فتنہ میں مبتلا کر دیا گیا۔ امام حاکم اس حدیث کو اپنی مستدرک میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح سند والی ہے جس کو شیخین نے روایت نہیں کیا اور امام ذہبی نے بھی اس کی توثیق کرتے ہوئے اس کو "صحیح" کہا ہے۔

جنتی اور جہنمی کے تحفے

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ "الفائدہ صفحہ ۳۳" پر لکھتے ہیں: جس کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے اس کے تحفے ناپسندیدہ چیزوں کی صورت میں اس تک پہنچتے ہیں اور جسے جہنم کا ایندھن بنانا ہے اس کے لئے مرغوب چیزوں کے تحفے آتے رہتے ہیں۔

نعمتیں اور مصائب دونوں انسان کے مہمان ہیں

امام ابو الوفاء بن عقیل "کتاب الفنون" میں فرماتے ہیں: اللہ کی نعمتیں انسان کے پاس مہمان ہیں اور ان کی میزبانی اللہ کا شکر ہے، اسی طرح مصائب بھی اللہ کے مہمان ہیں اور ان کا حق صبر ہے لہٰذا کوشش کرو کہ تمہارے پاس آنے والے مہمان حسن ضیافت کی وجہ سے تمہارا شکر کرتے اور تمہارے اعمال و افعال کو دیکھتے سنتے اور ان پر گواہی دیتے رخصت ہوں۔

تکالیف نعمتیں ہیں اور ان میں بڑی فضیلت ہے

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی اپنے مؤمن

بندوں پر کمال نعمت میں سے یہ بھی ہے کہ ان کو سختی و تنگی میں مبتلا کیا جائے جوان کو اللہ کی وحدانیت خالص اس کی عبادت اس کی ذات سے پُر امید اور غیر سے نا امید ہونے پر اس طرح مجبور کر دے کہ ان کے دل غیر اللہ کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہو جائیں جس کی وجہ سے ان کو صرف اس ذات پاک پر مکمل بھروسہ، اسی کے آستانہ کی طرف رجوع، ایمان کی مٹھاس، اس کا مزہ اور شرک سے برأت جیسے اوصاف عالیہ حاصل ہو جائیں اور یہ سب کی سب مرض سے چھٹکارہ، ڈر سے حفاظت، قحط اور تنگی سے دوری سے بڑھ کر اور عظیم نعمتیں ہیں۔ جو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اہل توحید کو حاصل ہوتی ہیں اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کو بیان کی حاجت نہیں اور ہر صاحب ایمان کو اس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ مل کر رہتا ہے۔

مصیبت بندے کے لئے امتحانی بھٹی ہے جس کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے پیارے بیٹے مصیبت تیرے لئے ہلاکت لے کر نہیں آئی بلکہ یہ تیرے ایمان وصبر کا امتحان بن کر آئی ہے۔ تو مصیبت بندے کے لئے بھٹی ہے وہ بھٹی جو کہ سنار کے پاس ہوتی ہے جو سونے پر لگی ہوئی کھوٹ کو الگ کر دیتی ہے۔ پھر بندہ اس بھٹی سے یا تو خالص سونا بن کر نکلتا ہے اور یا پھر بالکل کھوٹ کی شکل اختیار کر لیتا ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

سَبَکْنَاهُ وَنَحْسَبُهُ لُجَيْنًا
فَأَبْدَى الكِيْرُ عَنْ خَبَثِ الحَدِيْدِ

ہم نے اس سے خالص چاندی سمجھ کر رگڑا لیکن بھٹی نے اسے لوہے کی کھوٹ بنا کر ہمارے سامنے پھینک دیا۔ اس بات کی طرف دھیان رہے کہ اگر مصائب و آلام

ہو وہ ترک خواہشات سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور اپنی امیدوں تک ناپسندیدہ چیزوں

نہ ہوتے تو بندہ اکڑفوں، سرکشی وطغیانی کا مظاہرہ کرتا، تو اللہ تعالیٰ مصائب کے ذریعہ سے بندے کی ان اوصاف رذیلہ سے حفاظت فرماتے ہیں اور اس کو ان سے پاک فرما دیتے ہیں، وہ ذات کتنی پاکیزہ ہے کہ جس کی سختی میں شفقت اور نعمتوں میں آزمائش ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

قَدْ يُنْعِمِ اللّٰهُ بِالْبَلْوٰى وإن عظُمَتْ
ويبتلِي اللّٰهُ بعضَ القومِ بالنِّعَمِ!

کبھی اللہ تعالیٰ بلائے عظیم کی صورت میں نعمتوں سے نوازتے ہیں اور کسی کو نعمت دے کر آزمائش میں ڈالتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدرات پر عقلاً راضی رہنا عبادات میں سب سے بڑھ کر ہے

ابو الوفاء ابن عقیل فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے افعال پر انسان کا ذہناً راضی رہنا یہ تمام عبادات میں (عبودیت کے اعتبار سے حقوق کو) پورا کرنے والی (اور ادائیگی کے اعتبار سے) سخت اور مشکل ترین ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کی تنبیہ کی ہے کہ ہم کاموں کے انجام سے بے خبر اور ناواقف ہیں (اپنے لئے اچھے اور برے کو نہیں سمجھ سکتے) جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾" تم ایک چیز کو ناپسند کرو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے "الآداب الشرعیہ")۔ (ابن مفلح حنبلی ۲/۱۹۳)

پر صبر کر کے ہی پہنچ سکتے ہو اس لئے جس چیز کو تمہارے لئے فرض کر دیا گیا ہے اس کی ادائیگی کے لئے اپنی انتہائی کوشش صرف کر دو۔

جس طرح اللہ تعالیٰ چاہیں اس پر خوش رہو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تقسیم میں لکھ دیا ہے اس پر راضی رہو تمام لوگوں سے زیادہ غنی بن جاؤ گے، اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے ان سے بچو تمام لوگوں سے بڑے متقی بن جاؤ گے۔[1]

---

[1] جو حرام سے پرہیز کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے حلال راستوں سے دیتے ہیں

اللہ عزوجل نے انسان کو حلال طریقے سے دے کر حرام کے تمام راستوں سے مستغنی کر دیا ہے۔ کتنے ہی حرام سے (محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے) دور بھاگنے والے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ شرعی طریقوں سے نوازتے ہیں جب کہ حرام سے بچنے اور حلال کے ملنے میں کچھ زیادہ وقت بھی نہیں لگتا صرف ایک دن یا چند دن درکار ہوتے ہیں۔ شیخ ابن العطاء اسکندری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کس قدر مبنی برصدق ہے: بندہ اللہ تعالیٰ سے نقد کا معاملہ کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے کچھ تاخیر سے عنایت فرماتے ہیں۔ ایک عجیب واقعہ سنئے جس میں اللہ رب العزت کی طرف سے حسن بدل کی خوبصورت جھلک موجود ہے۔

امیر بدرالدین یوسف المہمندار بن امیر سیف الدین ابو المعالی ابن رماح، معروف ''مہمندار العرب'' کہتے ہیں کہ مجھ سے امیر شجاع الدین محمد شرزی (گورنر قاہرہ بزمانہ کامل ۶۳۰ھ) نے بیان کیا ہے کہ ہم مصر میں ایک آدمی کے ہاں مہمان تھے، اس نے ہماری خوب مہمانی اور بہترین ضیافت کی وہ آدمی انتہائی گندم گوں رنگ والا تھا

جب کہ اس کے بچے گورے اور نکھرتے ہوئے رنگ میں خوبصورت معلوم ہو رہے تھے۔

ہم نے اس سے پوچھا عجیب بات ہے تم گندمی رنگ کے ہو اور تمہارے بچے سفید رنگ کے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ان کی ماں انگریز ہے اور یہ مجھے بادشاہ ناصر صلاح الدین کے زمانہ میں ملی تھی جب کہ میں ''نوبہ'' میں بالکل نوجوان تھا ہم نے اس سے پھر پوچھا کہ یہ تمہیں کیسے ملی؟ تو اس نے کہا اس کی عجیب کہانی ہے۔ میں نے کہا کہ پھر ہمیں ضرور محظوظ فرمائیے، وہ کہنے لگا، میں نے اپنے شہر میں روئی کاشت کی تو اس کے کٹنے اور صاف ہونے تک پانچ سو دینار خرچ اٹھ گیا جب کہ مجھے اس سے زیادہ قیمت وصول نہیں ہو رہی تھی، بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس کو شام لے جا کر فروخت کرو چنانچہ میں اسے شام لے گیا۔ لیکن وہاں بھی اس سے زیادہ رقم نہیں مل رہی تھی، لوگوں نے کہا ذرا انتظار کر کے بیچو جلد بازی نہ کرو۔ یعنی ادھار بیچ دو۔ اس میں ممکن ہے تمہاری محنت کا پھل مل جائے تو میں نے کچھ روئی چھ مہینے کے ادھار پر بیچ دی، اور ایک دکان کرایہ پر لے کر چھ مہینے تک انتظار کیا، غرض آہستہ آہستہ بیچنے لگا میں اپنے اس کام میں مصروف رہتا کہ اس دوران میرے سامنے سے ایک سپاہی کی بیوی گزرتی (انگریز عورتیں بغیر پردے کے بازار میں چلتی پھرتی تھیں) تو وہ میرے پاس آتی اور مجھ سے روئی خریدتی میں نے اس کے حسن نے مجھے گھائل کر دیا، میں روئی فروخت کرتا رہا، معاملے میں نرمی برتتا اور حق سے زیادہ دے دیتا، اس طرح وہ روزانہ میرے پاس آنے لگی اور سمجھ گئی کہ میں اسے محبت کرتا ہوں اس کے ساتھ آنے والی بڑھیا سے میں نے کہا کہ مجھے تو اس سے عشق ہو گیا اور میرا دل اس میں اٹک گیا ہے لہٰذا تم میرے لئے کوئی راہ نکالو، اس بڑھیا نے یہ بات اس کو بتلائی چنانچہ کرتے کراتے ہم تینوں کے درمیان معاملہ طے ہو گیا اور میں نے پچاس شامی دینار وزن کر

کے اس کو دے دیئے انہوں نے مجھے مکان تیار کرنے کا کہہ دیا چنانچہ میں نے اپنی مقدور بھر کوشش سے کھانے پانی اور پھیکے میٹھے کا انتظام کرلیا اور سمندر کے کنارے ایک گھر بھی لے لیا، مکان کی چھت پر بستر لگا دیا چنانچہ حسب وعدہ وہ لڑکی پہنچ گئی ہم نے کھایا پیا جب رات گہری ہوگئی تو ہم کھلے آسمان تلے سفید نور برساتی چاندنی میں سو گئے، جب کہ ستارے بھی سمندر میں سے جھانک رہے تھے میں نے دل میں سرگوشی کی: (اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا) مسافر ہو کر تمہیں اللہ تعالیٰ سے حیاء نہیں آتی آسمان کے نیچے اور سمندر کے کنارے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو وہ بھی ایک کافر عورت کے ساتھ اور اپنے تئیں دوزخ اور دنیا کا عذاب فراہم کرتے ہو، تو میں نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا: اے اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اس رات میں اس نصرانیہ سے اپنے آپ کو صرف آپ سے حیاء اور آپ کے خوف سے ڈر کر عفت اختیار کرتا ہوں، چنانچہ میں صبح تک ایسے سویا رہا، وہ صبح کو اٹھی اور غصہ ہو کر چلی گئی اور میں اپنی دکان میں جا کر بیٹھ گیا پھر وہ دونوں میرے پاس سے گزریں لیکن انتہائی غصہ کی حالت میں تھیں جب کہ وہ چاند کی طرح خوبصورت معلوم ہو رہی تھی، میں تو اسے دیکھ کر پسیج گیا، اور دل ہی دل میں کہنے لگا تم کون ہو کہ اس جیسی خوبصورت لڑکی کو چھوڑ رہے ہو؟ کیا تم جنید بغدادی یا سری سقطی (رحمہ اللہ تعالیٰ) ہو؟ چنانچہ میں اس بڑھیا کو ملا اور میں نے اس سے کہا کہ دوبارہ اس رات کا انتظام کرو تو اس نے عیسیٰ (علیہ السلام) کی قسم کھا کر کہا: ایسا نہیں ہوسکتا، ہاں اب کے سو دینار ہوں گے میں نے اثبات میں سر ہلا دیا میں دکان میں گیا اور سو دینار وزن کر کے اس کو دے دیئے وہ دوسری رات پھر میرے پاس آئی اور پھر میری وہی حالت ہوگئی اور الحمد للہ میں عفت کے ساتھ وہاں سے واپس لوٹا۔ اس کے بعد ہم دونوں اپنے اپنے مقام کی طرف چلے گئے اس دن پھر میری دکان سے اس کا گزر ہوا اب خود پسندی میں مبتلا ہو چکی تھی، مجھ

سے کہنے لگی مسیح کی قسم! اب تم مجھ تک پانچ سو دینار دے کر ہی پہنچ سکتے ہو اس کے بغیر یا تم اپنی حسرت دل میں لئے مر جاؤ یا مطلوبہ رقم ادا کر کے ہی آ سکتے ہو۔ میں اس کے لئے بھی تیار ہو گیا اور میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ساری روئی کی رقم لگا کر بھی اس کو حاصل کروں گا۔ اگرچہ مجھے جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

میں اسی سوچ و بچار میں ڈوبا ہوا تھا کہ میرے کان میں آواز پڑی منادی پکار رہا تھا۔ اے مسلمانو! ہمارے اور تمہارے معاہدے کی مدت ختم ہو چکی ہے لہٰذا ایک ہفتے کے اندر اندر ہمارا شہر چھوڑ دو، میں نے بعجلت اپنا کاروبار سمیٹا، اپنے قرضے کی وصولی کا انتظام کیا اور سامان لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اگرچہ میں نے بہت بہترین مال تجارت ساتھ لیا، اور ''عکا'' سے روانہ ہوا لیکن اس انگریز عورت کے بارے میں میرے دل میں قلق رہا میں دمشق پہنچا اور اپنا سامان اچھے داموں بیچا کیونکہ معاہدہ صلح کے ختم ہونے کی وجہ سامان خورد و نوش کمیاب تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بہترین کام عطا فرما دیا کہ میں باندیاں خریدتا اور ان کو بیچ دیتا، اس طرح میں اس غم کو غلط کر رہا تھا جو اس انگریز عورت کی جدائی کی وجہ سے میرے دل میں پیوست تھا۔ اسی حالت میں مجھے تین سال گزر گئے اور بادشاہ ناصر کے حالات بھی بدلتے رہے اس اثناء میں ''حِطّین'' کا واقعہ پیش آیا اور اس نے بہت سے ساحلی شہر فتح کر لئے۔

ایک دن مجھ سے بادشاہ ناصر کے لئے باندی طلب ہوئی (میرے پاس بھی خوبصورت باندیاں موجود تھیں)، چنانچہ مجھ سے سو دینار میں ایک باندی خرید لی گئی، اور نوے دینار ادا کر دیئے گئے اور دس دینار باقی رہ گئے جو خزانہ خالی ہونے کی وجہ سے ان کو دستیاب نہ ہو سکے بادشاہ نے کہا کہ اس کو بیت المال میں لے جاؤ اور وہاں جو انگریز عورتیں قید ہیں ان میں سے اس کو ایک دے دو۔ چنانچہ مجھے اپنی پسند کا اختیار دیا گیا کہ اپنے دس دینار کے بدلہ میں لے لوں۔ میں نے وہاں اپنی اسی انگریز معشوقہ کو

دیکھ کر پہچان لیا اور میں اسے لے کر گھر آگیا۔ اب میں نے اس سے کہا: کیا تم نے مجھے پہچانا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، تب میں نے اس سے بتلایا کہ میں وہی تمہارا عاشق ہوں جس کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات تمہیں یاد ہوں گے اور میں نے اسے یاد دلایا کہ اتنے پیسے مجھ سے لے چکی تھی اور پانچ سو کا مزید مطالبہ تھا اور اب میں تمہیں صرف دس دینار میں خرید کر لایا ہوں وہ کہنے لگی اپنا ہاتھ بڑھاؤ، میں نے ہاتھ بڑھایا تو اس کے منہ سے کلمہ شہادت جاری ہو گیا اور وہ مسلمان ہو گئی، اسلام میں بھی درجہ حسن (اخلاص) کو پہنچ گئی، میں نے اسے قسم دے کر کہا کہ نکاح کے بغیر تجھے ہاتھ نہ لگاؤں گا میں قاضی شداد کے پاس حاضر ہوا اور اس کے سامنے یہ قصہ بیان کر کے اس سے نکاح پڑھوالیا اسی رات اس کو حمل ہو گیا۔

اس واقعہ کو چند مہینے گزرے تھے کہ رومی بادشاہ کے قاصد اپنے قیدیوں کو لینے پہنچ گئے۔ چنانچہ وہ اپنے سب قیدیوں کو لے گئے لیکن وہ میرے پاس ہی رہی۔ انہوں نے اس کو بہت تلاش کیا لیکن وہ نہ ملی اس پر کسی نے میری شکایت کر دی اور اس طرح مجھے بادشاہ کے سامنے حاضر ہونا پڑ گیا۔ میں بہت پریشان تھا جب اس نے میری پریشانی کو دیکھا تو مجھ سے پوچھنے لگی کیا وجہ ہے تم پریشان ہو میں نے ساری بات بتلا دی اس نے کہا کہ مجھے بادشاہ کے دربار میں لے جاؤ میں خود بات کروں گی چنانچہ میں اس کو لے کر بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا روم کے قاصد بادشاہ کے دائیں بیٹھے ہوئے تھے بادشاہ نے اس سے مخاطب کر کے کہا: تمہیں آزاد کر دیا گیا ہے۔ اس نے بادشاہ کو جواب دیا میں مسلمان ہو چکی ہوں اور اس مسلمان سے حاملہ ہوں اور یہ میرا پیٹ دیکھ لو اب فرنگی مجھ سے نفع اندوز نہیں ہو سکتے۔ پھر قاصد نے اس سے کہا کہ یہ لوگ تجھے اختیار دے رہے ہیں کہ تمہیں یہ مسلمان شوہر پسند ہے کہ وہ رومی شہسوار؟ اس نے پھر جواب میں کہا: میری وہی بات جو میں پہلے کہہ چکی ہوں۔ قاصد

جن باتوں کو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کر دیا ہے انہیں ادا کرتے رہو لوگوں میں سے بڑا عابد بن جاؤ گے۔[۱]

نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس کی بات سن رہے ہو اور پھر میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا: جاؤ اس کو لے جاؤ۔ میں اس کو لے کر چلا، تو اس سفیر نے مجھے واپس بلوایا اور کہا کہ اس کی ماں نے اس کی امانت ہمیں دی تھی وہ لیتے جاؤ وہ کہہ رہی تھی کہ میری بیٹی قید کی حالت میں لباس کی وجہ سے پریشان اور پراگندہ حال ہوگی اور میں چاہتی ہوں کہ یہ بکس اس کو بھیج دوں تم اس کو دے دینا۔ میں اس صندوق کو لے کر گھر آ گیا میں نے جب اسے کھولا تو میں نے اس کا وہ ردی مال (جو مجھ سے لیا تھا) بعینہٖ وہاں پڑا ہوا دیکھا ایک تھیلی پچاس اور دوسری سو دینار کی تھی اور اسی حالت میں تھیں جس طرح سے باندھ کر میں نے اس کے حوالے کی تھیں اب تم جو بچے دیکھ رہے ہو یہ اسی کے ہیں اب وہ میرے پاس رہ گئی ہے اور یہ کھانا جو تم نے کھایا ہے اسی نے تیار کیا تھا۔

شیخ عبدالفتاح فرماتے ہیں: ان جیسے واقعات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جو محض دین پر عمل کرتے ہوئے حرام سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور حلال رزق عنایت فرماتے ہیں۔ ہمارے رب (جل وعلیٰ) ایسے ہیں کہ بندہ ان سے نقد معاملے کرتا ہے لیکن وہ ادھار رکھتے ہیں پھر تاخیر سے (خوب) نوازتے ہیں۔

"از مطالع البدور فی منازل السرور" (ادیب علاء الدین علی ابن عبداللہ دمشقی ۱/۲۰۷)

۱ تمام لوگوں پر اللہ کی بندگی اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق لازم ہے

شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہر بندے پر اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق بندگی لازم ہے اور یہ عبادت اس عبادت کے علاوہ ہے جس میں سب لوگ برابر کے شریک، اور ہر کس و ناکس کے لئے عام ہے لہٰذا ایک عالم پر ضروری ہے کہ وہ

عبادت سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے بھیجے ہوئے علم اور سنت کی نشر و اشاعت میں حصہ لے جب کہ جاہل کے لئے یہ لازم نہیں اسی طرح اس تبلیغ میں جو تکالیف آئیں ان پر صبر کرے۔

حاکم بادشاہ کے لئے فرض ہے کہ تنفیذ احکام و اقامت حق کا فریضہ عبادت سمجھ کر ادا کرے اور لوگوں کو ان احکام کا پابند بنائے اور اس میں صبر و کوشش سے کام لے ظاہر ہے کہ ایسا کرنا کسی مفتی پر فرض نہیں ہے (کیونکہ وہ تو صرف احکام بتلائے گا تنفیذ اس کا منصب نہیں) مالدار کے لئے واجب ہے کہ اپنے اموال کے حقوق شرعیہ اللہ کی بندگی خیال کر کے ادا کرے، یہ احکام کسی فقیر پر واجب نہیں ہیں۔

جو زبان و ہاتھ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر قدرت رکھتا ہے اس کا حق ہے کہ یہ فریضہ ثواب سمجھ کر انجام دے جو کہ ضعیف پر لازم نہیں۔ یحییٰ بن معاذ رازی ایک مرتبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر بیان فرما رہے تھے۔ اثناء بیان میں ایک عورت کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی: یہ ایسا فرض ہے جو عورتوں سے ساقط ہے یعنی ان پر ضروری نہیں انہوں نے فرمایا: ٹھیک ہے تمہارے اوپر اسلحہ چلانا، ہاتھ استعمال کرنا، اور زبان سے کام لینا ضروری نہیں لیکن دل میں برائی کو برائی اور اچھائی کو اچھائی سمجھنا تو ضروری ہے (یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا آخری درجہ دل والا تو تم سے ساقط نہیں ہوا) اس عورت نے آپ کی تصدیق کی اور شکریہ ادا کیا۔

اس معاملے میں شیطان نے بہت لوگوں کو دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے اور ان کی نظروں میں ذکر، تلاوت، نماز، روزہ، دنیا سے بے رغبتی اور انقطاع کو خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے جب کہ ان تمام عبادتوں اور فرائض کو ان لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے، ان کے دل ان کی ادائیگی کا سوچتے بھی نہیں۔ جب کہ ان ذمہ داریوں سے علماء صادقین اور وارثین انبیاء کے نزدیک دین میں کسی کو مفر نہیں، اس لئے کہ دین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ

کے حکم کے مطابق عمل کرنے کو تو جو لوگ تارک حقوق اللہ ہیں وہ اللہ و رسول کے ہاں بدترین لوگ اور مرتکب معاصی ہیں، جو کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرتوں سے باخبر ہے وہ سمجھتا ہے کہ جن لوگوں کو دیندار و نیک خیال کیا جاتا ہے وہ اس دین کے بہت تھوڑی ہی مدد کرتے ہیں۔

اس انسان میں کون سا دین اور خیر ہو سکتی ہے کہ جو اللہ کی حدود کو پامال ہوتا اس کے احکام کو ٹوٹتا، دین بیزاری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اعراض کو دیکھتا بھانپتا رہے، اور ٹھنڈے دل، خاموش زبان سے گونگا شیطان بنا رہے؟

دین کیلئے سب سے بڑی مصیبت یہی ہے کہ ان لوگوں کی مملکت و ریاست اور ان کا کھانا پینا چلتا رہے تو پھر ان کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ دین پر کیا گزر رہی ہے؟

اور اگر کوئی ایسی چیز پھیلا دی جائے جس میں ان خامیوں اور عیوب کو اجاگر کیا گیا ہو یا ان کے جاہ و مال کو للکارا گیا ہو تو پھر ان کی مشینریاں حرکت میں آجاتی ہیں پھر ان کی جدوجہد دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور اب یہ لوگ منکر کو روکنے کے تینوں مراتب (ہاتھ، زبان، دل) کو اپنے طاقت کے مطابق استعمال میں لاتے ہیں اور یہ لوگ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں گر چکے اور اس کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اور دنیا میں ان کو سخت آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے کہ یہ لوگ اس کو سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ "دل کی موت" یہی ہے جب انسان کا دل زندہ ہوتا ہے تو وہ اللہ و رسول کے لئے دھڑکتا ہے، اور ان کے بارے میں اس کا غضب شدید ہوتا ہے اور دین کی مکمل تائید و نصرت کرتا ہے۔

عابد و زاہد کا برائی کو دیکھ کر خاموش رہنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو جلد متوجہ کرتا ہے

امام احمد وغیرہ نے ایک اثر نقل کیا ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو

حکم دیا کہ فلاں فلاں بستی کو نابود کر دو۔ اس فرشتے نے عرض کیا: یا اللہ ان لوگوں میں تو آپ کا فلاں نیک بندہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے پہلے اس کو ہلاک کرو۔ اس لئے کہ اس کا چہرہ میری نافرمانی کو دیکھ کر ایک دن بھی متغیر نہیں ہوا۔ عمر بن عبدالبر اپنی کتاب ''تمہید'' میں نقل فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء میں سے ایک نبی کو وحی کے ذریعہ فرمایا:

فلاں زاہد سے کہہ دیجئے: تیرے زہد کے بدلہ میں ہم نے تجھے دنیا میں راحت پہنچا دی، اور اس دنیا سے انقطاع کی وجہ سے تمہیں عزت دے دی، لیکن تو نے اس حق کے بارے میں کیا کیا جو میرا تیرے اوپر تھا؟ اس زاہد نے محض میرے لئے کسی کو دوست بنایا؟ یا محض میرے لئے کسی سے دشمنی کی؟

اس اثر کو ابو نعیم نے ''الحلیۃ'' ۱/۳۱۶ اور خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' ۳/۲۰۲ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً نقل کیا ہے دیکھئے حالات محمد بن ابی الورد زاہد۔

البتہ اس کی سند میں کچھ ''ضعف'' ہے جسے علامہ مناوی نے ''فیض القدیر ۳/۱۷۰'' میں ذکر کیا ہے۔

''ذلك اضعف الایمان'' کا مطلب

امام قرافی (جو اپنے زمانہ کے مالکیہ کے شیوخ میں سے تھے) فرماتے ہیں:

سؤال: ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی ایمانی مرتبہ میں بڑھے ہوئے لوگ بھی برائی کو ہاتھ یا زبان سے روکنے میں عاجز رہتے ہیں (اور یہ ان کے ایمان کی بڑائی کے خلاف نہیں ہے) اسی طرح ان کے دل میں اللہ کی عظمت وقوت ایمان کے بھی منافی نہیں ہے اس لئے کہ کسی ایک نیکی سے عاجز ہونا یہ ایمان میں خلل کی دلیل نہیں ہے۔ تو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث کے کیا معنی ہوں گے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"مَنْ رَآىٰ منكم منكرًا فليغيرهٗ بِيَدِهٖ، فإن لم يَستطِع فَبِلِسَانِه، فإن لّم يستطِعْ فبقلبهٖ، وذلك أضعفُ الإيمانِ؟" جوتم میں سے برائی کو دیکھے تو ہاتھ سے روکے اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل میں اس کو برا سمجھے" اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

جواب: یہاں اس حدیث میں ایمان سے مراد ایمان فعلی ہے نہ کہ قلبی اور اعتقادی، جیسا کہ آیت "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ" میں ایمان سے مراد (فعل) یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ہے، ایسے اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الإيمان سبْعٌ وسبْعونَ شُعْبَةً ورُوِيَ: بِضْعٌ وسَبْعونَ شعْبَةً، أعلاَهَا شهادةُ أن لا إله إلّا اللّٰه، وأدْنَاها إمَاطَةَ الأَذىٰ عن الطَّرِيْقِ" ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبے ہیں جن میں سب سے اعلیٰ "لا اله الا اللّٰه" کی گواہی اور سب سے ادنی راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ (اس حدیث میں "راستہ سے ایذاء دہ چیز" کے ہٹانے کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے جو کہ فعل ہے نہ قول واعتقاد)۔

اور حدیث "دفع المنکر" میں یہ تقسیم اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ ہم ایمان فعلی کے درجات مراد لے کر یوں کہیں کہ قوی تر ایمان فعلی منکر کو ہاتھ سے روکنا اور ضعیف تر ایمان فعلی "منکر" کو دل میں برا سمجھنا ہے کیونکہ پہلی صورت میں فساد فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد قول کا درجہ ہے کیونکہ اس میں کبھی دفع فساد ہوتا ہے اور کبھی نہیں، اور انکار قلبی بالکلیہ دفع فساد میں مؤثر نہیں ہے تو ایمان محض رہ گیا یعنی ایمان بمعنی "تصدیق قلبی" باقی ہے۔ ایسی صورت میں حدیث اسلام کے ضعف و غرابت اور اس کی عدم قدرت وغلبہ پر دال ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے "بَدَأَ الإسلامُ غرِيبًا، وسَيعوْد كَمَا بدأَ" "اسلام کی ابتداء اجنبی کی صورت میں ہوئی

امام محاسبی نے فرمایا:

تو اپنے اوپر رحیم ترین ذات (اللہ) کی شکایت ایسی ذات کے سامنے مت کر جو تجھ پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے رہو اس کے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے پیارے بیٹے! لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے اس سے اپنے کو مایوس کر لو یہی غنی (مالداری) ہے، لالچ سے بچو، اور لوگوں کے سامنے اپنی ضروریات پیش کرنے سے پرہیز کرو یہی فقر ہے۔[1]

اور عنقریب یہ دوبارہ ایک اجنبی کی شکل اختیار کر جائے گا جیسا کہ اس کا آغاز تھا۔"

اور مندرجہ بالا "دفع منکر" والی حدیث میں ضعف قلبی مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو ایسی چیز کا مکلّف نہیں بناتے جس کو پورا کرنے میں اس کی قدرت و طاقت نہیں ہے، اور جو اس کی طاقت میں تھا اس کو یہ ادا کر چکا ہے یعنی دل میں اس منکر کو برا سمجھنا۔ (تہذیب الفروق ۴/۲۸۳، ۲۸۴، شیخ محمد علی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ)

[1] فقر مذموم و فقر محمود

یہ ایسا دائمی فقر ہے کہ جسے انسان کا جی نہیں بھرتا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پناہ مانگتے تھے چنانچہ آپ دعائیں اس طرح فرماتے: "اے اللہ میں فقر سے پناہ چاہتا ہوں" ایسا فقر جس میں انسان کے پاس مال و دولت کی کمی ہو وہ اور چیز ہے بلکہ اس فقر کی فضیلت پر تو احادیث ناطق ہیں اور اکابر کی بہت بڑی تعداد نے اس "فقر" کو "غنی" پر ترجیح دی ہے اس بحث میں ہماری کتاب "صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل" صفحہ ۱۴۵، ۱۵۳ کی "بحث ثالث" جس میں ہم نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے احادیث سے نقل کی ہیں اس طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مرقاۃ المفاتیح ۳/۱۴۰" بھی ملاحظہ کر لینی چاہئے۔

امام محاسبی نے فرمایا:

جب نماز پڑھو تو ایسی پڑھو جیسا کہ کوئی دنیا سے کوچ کرنے والا پڑھتا ہے۔[۱]

ظاہری غنی اور حقیقی فقر کی ایک جھلک ہم آپ کو دکھاتے ہیں کسی آدمی نے ابراہیم بن ادہم سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ میرا یہ جبہ بطور ہدیہ مجھ سے قبول کر لیں، ابراہیم بن ادہم نے اس کو جواب دیا۔ اگر تم مالدار ہوئے تو میں تمہارا ہدیہ قبول کر لوں گا۔ اور اگر فقیر ہوئے تو رد کر دوں گا۔ اس شخص نے عرض کیا: میں مالدار ہوں ابراہیم بن ادہم نے اس سے پوچھا۔ تمہارے پاس کتنا مال ہے؟ اس نے کہا میرے پاس دو ہزار دینار ہیں۔ ابراہیم بن ادہم نے اس سے پوچھا کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہارا مال دو ہزار کے بجائے چار ہزار ہو جائے اس نے کہا کہ بالکل چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ پھر تو فقیر ہے لہذا میں تیرا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔

ان پانچ اشخاص کا ذکر جو عبادت کرنے میں انتہا تک پہنچے ہوئے تھے

عبادت میں یہ حالت اکابر میں سے اکثر میں موجود تھی، کتب رجال و تراجم و تاریخ ان عابدین کے تذکرہ سے بھری پڑی ہیں جن کی ایسی حالت تھی۔ آپ کے سامنے ایسے چند ناموں کو ذکر کیا جاتا ہے جو ایک جیسے ماحول و مکان اور ملتے جلتے زمانوں میں گزرے ہیں۔

❶ حافظ ذہبی کی ”تاریخ الاسلام ۴/۱۴۴“، اور حافظ ابن حجر کی ”تہذیب التہذیب ۶/۲۸۶“ میں جلیل القدر تابعی اور عابد، عبدالرحمٰن بن ابی نعیم بجلی کوفی (متوفی ۱۰۰ھ) کے حالات میں ہے (آپ کا شمار ثقات اور عبادت گزاروں میں تھا) بکیر بن عامر کہتے ہیں: اگر آپ کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا کہ موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے کو آچکا ہے تو آپ کی وہی حالت برقرار رہتی جس پر پہلے سے تھے، اور اس میں کسی قسم کی

تبدیلی یا زیادتی (عبادت) کا امکان نہ تھا۔

❷ ''تاریخ الاسلام ۴/۵۴'' میں عظیم القدر تابعی اور فقیہ و زاہد مسلم بن یسار بصری (متوفی ۱۰۰ھ) کے حالات میں ہے ابن عون مسلم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اپنے والد کے بارے میں فرمایا: ان کے والد جب نماز پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کیل زمین میں گڑھ چکی ہے جو دائیں بائیں بالکل حرکت نہیں کرتی۔

غیلان بن جریر کہتے ہیں: مسلم بن یسار جب نماز پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے لٹکا ہوا کپڑا (یعنی بالکل بے جان معلوم ہوتے) ابن شوذب کہتے ہیں: مسلم بن یسار جب نماز شروع فرماتے تو گھر والوں سے کہتے: تم باتیں کرتے رہو میں تمہاری باتیں (نماز میں انہماک) کی وجہ سے نہیں سنتا، ایسے ہی ان کے بارے میں ہے کہ ایک مرتبہ ان کے گھر میں آگ بھڑک اٹھی جسے لوگوں نے بجھا دیا لیکن ان کو نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے احساس نہیں ہو سکا جب بعد میں لوگوں نے تذکرہ کیا تو فرمانے لگے: مجھے بالکل محسوس نہیں ہوا۔ اس کے راوی سعید بن عامر ضبعی ہیں جو معدی بن سلیمان سے نقل کرتے ہیں۔

❸ ''تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۴۱'' پر منصور بن زاذان واسطی (متوفی ۱۳۱ھ) جو کہ اکابر میں سے ہیں کے بارے میں ذکر کرتے ہیں: ہشیم جو ان کے شاگرد ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں: کہ اگر ان سے کہہ دیا جاتا کہ موت کا فرشتہ روح قبض کرنے آپ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے تو ان کے عمل میں زیادتی (پہلے سے زیادہ ہونے کی وجہ سے) ممکن نہ تھی۔

❹ نیز ۱/۱۴۲،۱۴۳ پر منصور بن المعتمر سلمی کوفی، (متوفی ۱۳۲ھ) کے بارے میں ہے: ان کے شاگرد حضرت امام سفیان ثوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: اگر تم منصور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیتے تو سمجھتے کہ اس گھڑی ان کی روح پرواز کر جائے

امام محاسبی نے فرمایا:

خوب سمجھ لو کہ تم اس وقت تک ایمان (وعبادت) کا لطف نہیں اٹھا سکتے جب تک کہ تم اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہ رکھو۔[1]

گی۔

(۵) تہذیب التہذیب ۹/۲۰۹ پر امام محمد بن سوقۃ غنوی جو "کوفہ کے عابد کپڑا فروش" سے مشہور ہیں اور امام سفیان ثوری وعبداللہ بن مبارک اور ان کے ہم عصر دوسرے شیوخ کے استاذ ہیں، کے بارے میں حضرت امام سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: کوفہ میں تین افراد ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی کو کہا جائے کہ کل تمہیں مرنا ہے تو وہ اپنے اعمال میں زیادتی نہیں کرسکیں گے (یعنی پہلے سے ہی اتنا زیادہ عمل ہے کہ اس میں اضافہ ممکن نہیں) اور وہ محمد بن سوقہ، عمرو بن قیس ملائی اور ابوحیان یحییٰ بن سعید تمیمی ہیں اور محمد بن سوقہ تو ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وسعت وطاقت ہی نہیں رکھتے۔

اس موضوع پر امام عبدالحی لکھنوی کی ایک لاجواب کتاب "إقامة الحجة علی أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة" کے نام سے ہے، جس کی خدمت و اشاعت کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی ہے اگر چاہو تو اسے دیکھ لو۔

[1] ایمان کا لطف "ایمان بالقدر" سے کیسے حاصل ہوسکتا ہے

یعنی اس بات کا یقین تمہیں حاصل نہ ہو جائے کہ ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس بات میں پختہ ایمان نہ ہو جائے کہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ ہر صورت میں پہنچ کر رہے گی ٹل نہیں سکتی اور جس سے تم نے محفوظ رہنا ہے وہ تمہیں ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ امام احمد اپنی "مسند احمد" صفحہ ۱۳۱۷ اور ابوداؤد سنن میں ۴/۲۲۵ پر روایت کرتے ہیں (الفاظ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہیں): جلیل القدر

تابعی ولید بن عبادہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد عبادۃ بن صامت (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے پاس آیا، آپ بیمار تھے، اور مجھے آپ کی موت کا گمان ہو رہا تھا تو میں نے کہا: ابا جان مجھے کچھ وصیت فرمایئے اور اس میں (تکلیف کے باوجود) بھرپور کوشش کیجئے: تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بٹھا دو۔ پھر آپ مجھ سے گویا ہوئے اور فرمایا: تم ایمان کا مزہ نہیں حاصل کر سکتے اور اللہ تعالیٰ پر علم (ایمان) کی حقیقت کو نہیں پا سکتے جس وقت تک تم اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہ رکھو، میں نے عرض کیا: اے ابا جان! مجھے اچھی اور بری تقدیر کے بارے میں کیسے معلوم ہوگا کہ یہ کیسے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: تم یقین کر لو کہ جو حالت تمہیں پیش آنی ہے وہ ٹل نہیں سکتی اور جسے تم نے محفوظ رہنا ہے وہ آ نہیں سکتی، بیٹا! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے: ”إنّ أوّل ما خلَق اللّٰه تبارك و تعالٰى القَلمُ، ثم قال: اكتُبْ، فجرى في تلك الساعةِ بمَا هو كائنٌ إلى يوم القيامةِ“ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا پھر اسے حکم دیا لکھ تو اس نے اس وقت سے لے کر قیامت تک کے پیش آنے والے حالات لکھ دیئے۔ بیٹا! اس کے بعد تم مر گئے اور تمہارا ایمان اس پر نہ ہوا تو جہنم میں جلو گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے تھا۔ آپ نے فرمایا:

يا غلامُ! إنّي اعلِّمُك كلماتٍ! احفَظِ اللّٰهَ يحفَظْكَ، احفظِ اللّٰهَ تجِدْهُ تجاهَك إذا سألتَ فاسئلِ اللّٰه، وإذا استعَنْتَ فاستعِنْ باللّٰهِ، واعلَمْ أن الأمّة لو اجتَمَعَتْ على أن يّنفعُوكَ بشيءٍ لم ينفعُوكَ إلّا قد كتبَهُ اللّٰه لك، وإن اجتَمَعُوا على أن يّضرُّوكَ بشيءٍ، لم يَضرّوكَ إلا بشيءٍ قد كتبهُ اللّٰه عليك، رُفِعتِ الأقلامُ، وجفتِ الصُّحُف.

اے بیٹا! میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں انہیں یاد کرلو اللہ تمہیں (رحمت سے) یاد رکھیں گے اور تم اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے سامنے پاؤ گے" جب مانگو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور مدد چاہو تو اللہ تعالیٰ سے اور جان لو! اگر پوری امت تمہیں نفع دینے پر راضی ہو تو نہیں دے سکتی، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تجھے نقصان پہنچانے پر اتفاق کرے تو اس کے علاوہ نقصان نہیں دے سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں مقدر فرما دیا ہے قلم رک چکا ہے اور کاغذ کی سیاہی خشک ہو چکی ہے۔ اس روایت کے بارے میں امام ترمذی نے "حسن صحیح" کا حکم لگایا ہے۔"

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھی "اللّٰهُمّ إنی أَسئلُكَ إیمانًا یباشرُ قَلْبِیْ حتی أَعْلَمُ أنهُ لا یصیبُنِیْ إلا ما كَتَبْتَ لی، وَرِضًا من المعیشةِ بِمَا قسمت لی" "اے اللہ! میں آپ سے ایسے ایمان کی درخواست کرتا ہوں جو میرے دل میں اتر جائے اور مجھے یقین ہو جائے کہ مجھے وہی مصیبت پہنچے گی جو آپ نے میرے لئے لکھ دی ہے اور مجھے وہی روزی ملے گی جو آپ نے میرے حصے میں تقسیم فرما دی ہے۔ (رواه البزار كما فی "مجمع الزوائد" ۱۰/۱۸۱ للهیثمی وقال: "فی سنده سعید بن سنان وهو ضعیف.")

جس کا تقدیر پر ایمان نہیں ہے اس کی زندگی خوشگوار نہیں ہے

امام احمد کے شاگرد اور (علم و عمل میں) ان کے مثل، جلیل القدر امام ابراہیم حربی کہتے ہیں: ہر امت کے عقل مند لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا اس کی زندگی خوشگوار نہیں گزرتی۔ (تاریخ بغداد ۶/۳۰)

گناہ کرتے وقت تقدیر کا سہارا مت لو

اس بات سے بچو کہ کسی کوتاہی اور گناہ کا ارتکاب کرتے وقت تقدیر کا سہارا لینا

شروع کر دو کیونکہ اس معاملہ میں تقدیر کوئی دلیل نہیں تقدیر تمہیں کسی کام کے کرنے (چاہے وہ ثواب ہی کیوں نہ ہو) اور نہ ہی کسی ممنوعہ بات کے انجام دینے اور گناہ کرنے پر مجبور کرتی ہے البتہ تم اپنے ارادہ سے اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہو اور اس کی وجہ سے نفسانی لذات اور محرمات کا ارتکاب کر رہے ہو اور پھر تقدیر سے استدلال کرتے ہو اور اس گناہ کے کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہو کہ تم اس کے وبال اور گندگی سے بچنا چاہتے ہو اور اگر ایسا ہوا تو یہ تمہارے سمجھ کی غلطی اور عقیدہ کی تحریف ہوگی "نعوذ باللّٰه من ذلك"

گناہ کرنے پر تقدیر کا سہارا لینے والے کی دلیل (کٹ حجتی) کا بطلان

بعض لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا: کہ لوگ زنا کرتے، شراب نوش کرتے، چوریاں اور قتل کرتے ہیں اور پھر یوں کہتے ہیں: اللہ کی طرف سے یوں ہی مقدر تھا لہٰذا ہمارے واسطے اس سے بچنے میں کوئی چارہ بھی تو نہ تھا، تو حضرت غضب ناک ہو گئے اور فرمایا: سبحان اللہ! کیا عجیب بات ہے۔ ہاں اللہ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ لوگ ایسا ایسا کریں گے۔ لیکن اللہ کے علم نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا، اللہ کے علم کی مثال بندوں کے بارے میں ایسی ہے جیسا کہ آسمان جو تم پر سایہ فگن ہے اور جیسا کہ زمین کہ تم کو محیط ہے، اور تم لوگ ان سے بھاگ نکلنے پر قادر نہیں، یہی حال اللہ تعالیٰ کے علم کا ہے کہ تم اس سے باہر نہیں جا سکتے، بعینہ یہی بات ہے کہ آسمان و زمین تم کو محیط ہونے کے باوصف گناہوں کے ارتکاب پر مجبور نہیں کرتے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم محیط و وسیع بھی اپنے احاطہ و وسعت کے باوجود گناہوں پر جبر نہیں کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مزید فرمایا: کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ معصیت کا ارتکاب کر کے اس کا اعتراف واقرار کرے، مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کوئی دوسرا سارا دن روزہ رکھے اور ساری رات نوافل پڑھے اور پھر یہ کہتا پھرے کہ: اللہ تعالیٰ میرے بارے میں انصاف سے کام نہیں لیتا۔ (ماخوذ از کتاب ''المنیۃ والامل فی شرح کتاب الملل والنحل'' مصنف، احمد بن یحییٰ بن مرتضی یمنی صفحہ ۲۵، ۲۶)

اس کتاب میں حضرت ابن عمر کے اس کلام کا کچھ حصہ مرفوعاً بھی منقول ہے لیکن درست یہ ہے کہ یہ کلام آپ سے ''موقوفاً'' مروی ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے (وہ بھی اگر اس کی سند آپ تک پہنچ جائے) واللہ اعلم۔

البتہ اس کلام میں اصل مقصد کا بہترین نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

پانچ واقعات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر پر کوئی غالب نہیں

تاریخ اسلام کے محفوظ واقعات میں سے پانچ واقعات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو حفاظت سے رکھنا چاہیں اور نجات سے بہرہ مند فرمائیں تو کوئی بھی دوسرا انسان اس کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا اور اگر اللہ نے ہی اس کے نصیب میں ہلاکت وخسران کا فیصلہ فرما دیا ہے تو کوئی بچانے والا نہیں، حتیٰ کہ مضبوط قلعے بھی اس کو نہیں بچا سکتے۔

پہلے ایسے چار واقعات کا تذکرہ جن میں بندے ہلاک کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بچانے والی تھی چنانچہ صاحب معاملہ محفوظ رہا اور لوگ ناکام ونامراد ہوئے۔

ارادہ قتل کے باوجود محفوظ رہنے پر حجاج کو بھی جھکنا پڑا

حافظ ابن حجر ''تہذیب التہذیب ۶/۲۸۶'' میں جلیل القدر تابعی عبدالرحمٰن بن ابی نعم بجلی کوفی (متوفی ۱۰۰ھ جو کہ عابد و نیک انسان تھے، جن کی عبادت کی خبریں ہر

طرف پھیلی ہوئی تھیں) کے بارے میں مندرجہ ذیل واقعہ تحریر کرتے ہیں: محمد بن فضیل اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن پورے ایک سال پہلے حج کا احرام باندھ لیتے اور لبیک کہتے ہوئے فرماتے: اگر یہ کام ریاء و دکھلاوے کے لئے ہوتو اللہ تعالیٰ اس کو پورا نہ فرمائیں۔ کوفہ کے لوگوں میں بڑے عابد (وزاہد) تھے اور ہمیشہ بھوک پر صابر (وشاکر) رہتے، واقعہ جماجم کے دنوں میں حجاج کے پاس گئے اور اس کو نیکی کی نصیحت کی لیکن وہ آپ کے قتل کرنے پر تل گیا۔ چنانچہ آپ کو ایک تاریک کوٹھڑی میں قید کر دیا اور دروازہ بند کر دیا اور اسی حالت میں پندرہ دن تک قید رکھا اس کے بعد دروازہ کھولنے کا حکم دیا تاکہ آپ کے کفن دن کا انتظام کیا جائے، دروازہ کھولا گیا تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے حجاج نے ان سے کہا: ”جہاں چاہو چلے جاؤ۔“

دیرالجماجم، ایسا سانحہ جس نے اس کو دیکھا وہ زندگی بھر نہیں ہنسا

”دیرالجماجم“ عراق میں کوفہ کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے جہاں پر حضرت عبدالرحمٰن بن اشعث کی ”ظالم امت محمدیہ“ حجاج بن یوسف کے ساتھ جنگ ہوئی اس سانحہ کا ذکر تاریخ اسلام میں ۸۳ھ کے واقعات میں ملتا ہے جو کامل ابن اثیر کے جلد ۴ صفحہ ۴۶۷ میں ہے۔ اس جگہ کا نام ہی ”دیرالجماجم“ اس لئے پڑا کہ اس جگہ جنگ میں اتنے لوگ قتل کئے گئے کہ ہر طرف کھوپڑیاں ہی کھوپڑیاں نظر آتی تھیں، اور اس میں علماء صلحاء اور عباد امت کی ایک بہت بڑی جماعت تہہ تیغ کر دی گئی یہ وہی لوگ جو عبدالرحمٰن بن الاشعث کے ساتھی تھی۔ قراء کوفہ کے سردار اور جلیل القدر تابعی طلحہ بن مصرف نے ایک آدمی کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اس نے واقعہ جماجم کا مشاہدہ نہیں کیا ورنہ یہ اس طرح نہ ہنستا۔ اس میں مسلمان قراء وسرداران اسلام (اس تعداد میں) قتل ہوئے کہ اس کے بعد ہنسی آنا مشکل ہے۔ (تاج العروس ۸/۲۳۳)

انسان کے فضائل اس کو ظلم ظالم سے محفوظ رکھتے ہیں

حجاج اپنے ظلم و جبر، خونریزی، وسوء عادت کے باوجود بعض اوقات اہل مناقب ومفاخر کی قدر کرتا اور ان کو اعزاز سے نوازتا، اور ان فضائل کی وجہ سے ان کو اپنے شرور سے بچا کر رکھتا جیسا کہ اس واقعہ میں آپ دیکھ رہے ہیں اس کے حالات میں ایسے کچھ اور واقعات بھی ملتے ہیں۔

”بنان حمال“ شیر سونگھتا ہے لیکن ایذاء سے باز رہتا ہے

بنان بن محمد بن حمدان بن سعید، جن کی کنیت ”ابوالحسن الزاہد“ ہے اور ”حمال“ کے لقب سے معروف ہیں۔ حسن بن عرفہ متوفی ۲۵۷ھ وغیرہ کے شاگرد ہیں۔ انتہائی ثقہ زاہد و عبادت گزار تھے اصلاً بغدادی اور سکونتی مصر کے ہیں خاص و عام کے ہاں مقبول اور بادشاہ کے تحائف کو رد کرنے والے عبادت و زہد میں ضرب المثل تھے۔

ابوعلی روز باری جو کبار صوفیاء میں سے ہیں کہتے ہیں: میرے مصر آنے کا سبب ”بنان حمال“ کا یہی واقعہ ہے یعنی وہ صرف ان کی زیارت کے لئے مصر آئے کہ اس مرد صالح کو دیکھ سکیں جسے شیر کے سامنے ڈال دیا گیا لیکن اس نے آپ کو چھوا تک نہیں اس واقعہ کا سبب یہ پیش آیا کہ بنان حمال نے ابن طولون (متوفی ۲۷۰ھ) کو جو اس وقت مصر کا حاکم تھا، نیکی کی نصیحت کی جس پر ابن طولون سیخ پا ہو گیا اور آپ کو شیر جیسے درندے کے سامنے ڈال دینے کا حکم جاری کر دیا۔ چنانچہ آپ کو شیر کے سامنے ڈال دیا گیا شیر آپ کو سونگھتا رہا لیکن نقصان نہ پہنچا سکا (اور آپ محفوظ رہے) جب آپ کو (پنجرے) سے باہر نکالا گیا تو لوگوں نے استفسار کیا کہ جب شیر آپ کو سونگھ رہا تھا تو آپ کے دل میں کیا فکر تھی؟ آپ نے فرمایا: میں درندوں کے جھوٹے اور ان کے لعاب کے پاک و ناپاک ہونے میں جو علماء کا اختلاف ہے اس کو سوچ رہا تھا۔

شیخ عبدالفتاح (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: سبحان اللہ! کیا ثابت قدمی ہے، اور کس قدر اللہ تعالیٰ سے شدید انس و تعلق خاطر اور غیر اللہ سے بے رخی ہے۔ بنان حمال ہیں کہ جو ابن طولون کے دنیا سے جانے کے بعد بھی ایک طویل مدت تک زندہ رہے جو ۴۳ سال کا طویل عرصہ بنتا ہے۔ آپ کی وفات مصر میں سن ۳۱۶ھ میں ہوئی۔ بنان حمال فرمایا کرتے: گناہ سے بری انسان جرأت مند ہوتا ہے، اور خائن خائف، اور برائی آلود وحشت زدہ رہتا ہے۔

بنان حمال کے واقعہ میں استاذ رافعی کی بیان کردہ نصائح وعبر

عربی کے ادیب، استاذ رافعی اپنی کتاب "وحی القلم" میں "الاسد" سے نصائح وعبر نکالتے ہوئے "ایک نیک باکردار شخصیت، اور افعال و باثر انسان کی کسی معاشرے کو ضرورت" کے عنوان سے بڑی مفید باتیں ذکر کرتے ہیں جن میں سے چند ایک کا انتخاب کر کے ہم یہاں ان کو پیش کر رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: وہ شہر جس میں کوئی اہل دین میں سے صحیح روحانی کمالات، اور الٰہی اخلاق والا نہ ہو تو وہ شہر جہالت وتاریکی میں اس شہر ہی کی طرح ہے جس میں کوئی کتاب نہ ہو اگرچہ اس شہر میں علماء، اس کے ہر گلی کوچہ میں مدرسہ، اور ہر گھر میں ایک لائبریری ہی کیوں نہ ہو، مذکورہ تمام باتیں رجال اللہ سے بے نیاز نہیں کر سکتیں اور یہ کتابیں وغیرہ جو کچھ بھی ہوں بالآخر ان کی انتہاء عقل ہے لیکن مرد کامل کی انتہاء روح (اور حقیقت) تک ہوتی ہے اور یہ تاثیر میں علم (ظاہر) سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ حقیقی عمل کی (تصویر و) تفسیر ہے، اور اس کی زندگی خود ایک دعوت ایک دکھائی دینے والی سیرت اور ایک باکردار شکل ہے۔

لوگ ایک سو سال تک فضائل و وسائل میں مناظرے کرتے پھریں اور سینکڑوں کتابیں تصنیف کر ڈالیں پھر اس کے بعد ایک صاحب فضل و عمل و فضیلت میں کامل ترین کو دیکھیں اس کی صحبت میں رہیں اس کے پاس آمد و رفت رکھیں تو یہ تن تنہا انسان

ان مناظروں سے بڑھ کر سودمند اور لوگوں کی اصلاح میں مفید تر ہوگا، نیز سیکڑوں کتابوں سے بڑا ہادی وراہنما بنے گا۔

یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر آسمانی کتاب کے ساتھ نبی بھیجتے رہے تاکہ یہ نبی کلام کو وجود بخشے، اور روحانیت کو عقلی وجود سے نکال کر مجسم شکل میں پیش کر سکے نیز انسانی فضائل واعمال انسان اپنے سے بزرگ تر انسان سے بطریقہ نقل حاصل کر کے ان کی نشو ونما کر سکے۔

انسان کامل کی پہچان یہ ہے کہ اس کا وجود (غیر ارادی) طور سے اپنے اردگرد کے ماحول میں اس کی اپنی ذات (سے ارادی طور پر) بڑھ کر عامل ومؤثر ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روح لوگوں کی ارواح سے ایک (غیر مرئی) قوی تعلق رکھتی ہے جیسا کہ ان کے درمیان زنجیر کی کڑیوں والا رشتہ وبندھن ہو یہ عام لوگوں میں ایسی نسبت رکھتا ہے جیسا کہ باپ اپنی اولاد میں۔ اس کو دیکھنے والا ہر انسان اس کو بزرگ اور اپنا سرپرست تصور کرتا ہے۔ یہی وہ شخصیت ہے جو انسانی کمالات کی بلندیوں اور جامعیت کا سنگم ہے اس کی پیدائش ہی اس مقصد کے لئے ہے کہ مشکل احکام واعمال کو (ادا کر کے) آسان بنا کر دکھادے۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب حکمت ہے کہ جس طرح متعدی امراض حملہ آور ہوتی ہیں اور مریض کے قرب وجوار کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتیں، اسی طرح مختلف قسم کی شدید قوتیں جو اپنے اڑوس پڑوس تک اثر انداز ہوتی ہیں بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نیک لوگوں میں تقویٰ کی طاقت رکھ دیتے ہیں اور یہ انہی متعدی امراض کی طرح اثرات چھوڑتا اور پھیلاتا ہے۔ یہی صفت ''اتقاء'' اس کے دنیاوی لذات ونفسانی خیالات کو انتہائی کمزور کر دیتی ہے جیسا کہ بیمار انسان شہوات سے عاری ہو جاتا ہے۔ نیز یہی ورع وتقویٰ ان کے نفس کو انتہائی لاغر بنا کر اس کی قوت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے

حتی کہ وہ لاشیء (معدوم) بن جاتا ہے پھر اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے اب اس میں وہم وشک کے بجائے حق بات گھر کر جاتی ہے۔

اور اگر کسی معاشرہ میں اس عجیب وغریب طریقہ سے رہنمائی کا فرض انجام دینے والی ذات نہ رہے تو پھر وہ معاشرہ ڈنڈے کے زور پر شاید و باید کہ درست ہو سکے تمام بڑے بڑے صلحاء قائدین راہنما بہادر (سپہ سالار) اور علماء اس صفت سے متصف تھے سب ایک ہی طرز وطریقہ کے لوگ تھے ان سب میں حکمت بطرز مرض سرایت کر چکی تھی جو کہ ان کے اردگرد کے لوگوں میں تاثیر کی قوت سے لبریز تھی اور یہ لوگ اپنی صفات متحرکہ (فعالہ) سریع الاثر سے مزین تھے۔

منصور ابو عامر کا غلطی سے تین مرتبہ "قتل کرنے" کے حکم کے بجائے "چھوڑ دینے" کا حکم لکھ دینا

ابن حزم ظاہری کے شاگرد، حافظ حمیدی اپنی کتاب "جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس" صفحہ ۱۱۸ پر رقم طراز ہیں: محمد بن ابی عامر "امیر اندلس" کے وزیر احمد بن سعید بن حزم (ابن حزم کے والد) اپنے مخدوم امیر (مذکور) کے سامنے ایک "عام دربار" میں بیٹھے تھے۔ امیر کے سامنے ایک عرضی پیش ہوئی جس میں ایک قیدی کی والدہ کی طرف سے "نرمی کا برتاؤ" کرنے کی درخواست کی گئی تھی جب کہ امیر اس پر شدید برہم تھے، امیر نے جب یہ عرضی پڑھی تو آگ بگولہ ہو کر کہنے لگے: میرے سامنے اس کمبخت کا تذکرہ کرتی ہو، قلم لے کر لکھنے لگے۔ لکھنا چاہتے تھے "یُصْلَبُ" (پھانسی دے دی جائے) لیکن لکھ دیا "یطلق" (چھوڑ دیا جائے) امیر نے وہ کاغذ وزیر کی طرف پھینک دیا، وزیر وہ کاغذ لے کر (حکم پڑھ کر) پولیس کے انچارج کو آرڈر لکھنے لگے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے امیر نے دیکھا تو غصہ سے لال پیلا

ہو گیا اور کہنے لگا: یہ کیا لکھ رہے ہو؟ وزیر نے بتلایا رہائی کا حکم، امیر نے کہا: تمہیں اس کی رہائی کا کس نے حکم دیا ہے۔ اس پر وزیر نے وہ کاغذ امیر کو پیش کر دیا۔ جسے دیکھ کر امیر حیران رہ گیا تین دفعہ اسی طرح ہوا بالآخر چوتھی مرتبہ امیر نے کہا: میرے چاہتے ہوئے بھی اس کو پھانسی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی پھانسی نہیں چاہتے۔ اس واقعہ کو ابن خلکان نے ''وفیات'' ابن حزم کے حالات ۱/۳۴۱ پر ذکر کیا ہے۔ الفاظ انہی کے ہیں۔

جلاد کے تلوار کو سونتنے کے بعد حجاج کا عامر بن حطان کو چھوڑ دینا

ابوالحسن رقام محمد بن عمران عبدی بصری مشہور لغوی ابن درید کے شاگرد اپنی عجیب و نفیس کتاب ''العفو والاعتذار صفحہ ۵۵۹'' پر لکھتے ہیں:

قصہ گو راوی تذکرہ کرتے ہیں جب حجاج عامر بن حطان صفری کو (جو کہ عمران بن حطان خارجی کا بھائی اور اس کا ہم مذہب تھا) گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کی گردن مار دینے کا حکم جاری کر دیا۔ جلاد تلوار لے کر اس کے سر پر پہنچ گیا حجاج نے برہم ہو کر کہا ''زانیہ کے بیٹے کی گردن اڑا دو'' اس حالت میں عامر نے سر اٹھا کر حجاج سے کہا ''تیرے گھر والوں نے تجھے بدتمیزی کی تعلیم دی ہے۔ کیا موت کے بعد بھی کوئی ایسی بدتمیزی (وگالی) ہے جس سے میں تمہیں بچا کر رکھوں گا؟ تو اس گالی سے جو تو نے میری طرف لڑھکائی اپنے آپ کو کیسے محفوظ سمجھتا ہے۔ اس بات سے حجاج شرمندہ ہو گیا اور سر جھکا لیا۔ کچھ دیر بعد سر اٹھا کر عامر سے کہا: کیا میں (تمہارے شر سے محفوظ رہ کر) تم سے کوئی نیکی کر سکتا ہوں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا: حجاج نے گھوڑا مع اس کی زین اور خرچ کے منگوا کر اس کو دیا اور کہا: کہ اپنی مرضی کے مطابق

جہاں چاہو چلے جاؤ۔ عامر جب اپنی قوم میں پہنچا تو لوگوں نے کہا: اس فاسق (حجاج) سے جنگ کی تیاری کرو تمہیں اللہ تعالیٰ نے آزادی دی ہے۔ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا: ہاتھ کو آزاد کرنے والے نے اس کو باندھ دیا ہے اور گردن کی معافی دینے والے نے اس کو اپنے پاس رہن رکھ دیا ہے پھر کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم تھا کہ "میں نمک حرامی نہیں کر سکتا۔"

اللہ تعالیٰ آپ کے نگہبان ہوں دیکھئے! جس کے قتل کا حکم ہو چکا، وقت نفاذ قریب ہو چکا لیکن ایسا کلمہ جو قاتل کے منہ سے غلط نکلا وہ اس کے قتل سے نجات، اور اپنی موت کے وقت مقرر عنداللہ تک بقاء کا سبب بن گیا ہے۔ ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا "موت زندگی کی نگہبان ہے۔"

کمانڈر جس کی سلامتی چاہ رہا تھا موت اس کا مقدر بن گئی

مجھ سے لشکر عثمانی کے بعض بڑے افسران نے جو کہ جنگ عظیم اول میں خود معرکہ میں موجود تھے بیان کیا: لوگوں نے معرکہ کی تیاری کی اور ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ مورچے کھود کر بیٹھ گیا اور حسب استطاعت اپنے بچاؤ کا سامان کر کے ڈٹ گیا علاقہ کمانڈر مورچوں کے معائنہ کے لئے آیا تو اس سے ایک سپاہی کا مورچہ حفاظت و پیش بندی کے اعتبار سے بہت پسند آیا اس نے اس سپاہی کو وہاں سے ہٹا کر اپنے ایک عزیز کو بطور احتیاط و تدبیر وہاں متعین کر دیا۔ مورچہ بنانے والا سپاہی بادل ناخواستہ وہاں سے چلا گیا۔ جب معرکہ گرم ہوا اور دشمن نے آگ کے گولے پھینکنا شروع کئے تو ایک بڑا گولہ ٹھیک اس مورچے میں آ کر لگا جس سے وہ کمانڈر کا عزیز شہید ہو گیا جب کہ وہاں سے ہٹ جانے والا سپاہی بہت بعد تک زندہ رہا۔ اس ذات کی شان ہے کہ جس کی تقدیر پر کوئی حفاظت غالب نہیں آ سکتی۔ لیکن کوئی اس سے یہ نہ سمجھے کہ بطور احتیاط اپنا بچاؤ ضروری نہیں ہے، کیوں نہیں؟ شرعی طور سے اپنا بچاؤ ضروری ہے چاہے

امام محاسبی نے فرمایا:

حق کہو اور اس پر عمل کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے نور بصیرت کو بڑھا دیں گے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیو جو حق بات کا حکم تو کرتے ہیں لیکن عمل سے دور رہتے ہیں نتیجۂ اس کا وبال ان پر پڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: یہ بڑے گناہ کی بات ہے کہ تم وہ کچھ کہو جس پر عمل نہ کرو۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو دوسروں کو نصیحت کی بات کہے اور خود نصیحت پر عمل نہ کرے دوسروں کو (گناہوں سے) روکے خود نہ رکے۔ دوسروں کو ڈرائے خود نہ ڈرے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خسران کا موجب بنتا ہے۔[2] صرف عقل اسے تحفظ ہو کہ نہ ہو۔

جلیل القدر تابعی حضرت مطرف بن عبداللہ شخیر (متوفی ۹۵ھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا قول کتنا پیارا ہے، آپ نے فرمایا: کسی کو اختیار نہیں کہ چھت پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دے اور پھر یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری تقدیر میں ایسے ہی لکھ دیا تھا، ہاں بچنا اور (اس کی) کوشش کرنا ضروری ہے پھر اگر اس کو کچھ نقصان پہنچتا ہے تو اس سے یقین کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ فرما دیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

(تذکرۃ الحفاظ ۱/۶۴)

حافظ ذہبی کی ''تاریخ اسلام'' میں مسلم بن یسار متوفی ۱۰۰ھ کے حالات میں ہے ''اعمال اس آدمی کی طرح کرو جو یہ یقین رکھتا ہو کہ میری نجات صرف عمل سے ہے، اور توکل ایسے انسان کی طرح کرو جو یقین کامل رکھتا ہو کہ وہی ملے گا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے۔''

[1] سورۃ الصّف: آیت ۳۔

[2] کتب حدیث میں صحیح، ضعیف، موضوع، کسی قسم میں ہمیں یہ حدیث نہیں ملی ''واللہ أعلم بہ''۔

مند پرہیزگار انسان سے اختلاط رکھو، اور صاحب بصیرت عالم کے ساتھ رہن سہن اختیار کرو۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا: سب سے بہترین ہمنشین کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: جن کے دیکھنے سے تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو جائے۔[۲]

---

[۱] دنیا ساری کی ساری ظلمت وتاریکی سے بھری پڑی ہے سوائے علماء وصلحاء کی مجالس کے

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: علماء وصلحاء کی مجالس کے علاوہ ساری دنیا میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبدالبر ۱/۵۱)

سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں: جو انبیاء کی مجالس کا منظر دیکھنا چاہتا ہو وہ علماء کی مجالس کو دیکھ لے۔ (مفتاح دار السعادۃ ابن القیم صفحہ ۱۲۹)

[۲] اکابر ائمہ صلحاء کی مجالس کا اثر

مقتدیٰ وصاحب سیرت ذات کو دیکھنے میں اس سے نصیحت کے سننے میں زیادہ اثر پذیری ہے، اور دیکھنے والے میں اس کے اثرات دیر تک باقی رہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے اس زیارت کا بہت حصہ حاصل کیا اور اس سے بھرپور مستفید ہوئے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کی صحبت میں بیٹھتے آپ کی زیارت سے محظوظ ہوتے اور آپ کا قرب تلاش کرتے تھے اس لئے وہ حضرات امت کا بہترین وافضل ترین عنصر کہلائے جس کو نبی کریم علیہ الصلوات والسلام کے بعد لوگوں کی راہنمائی وہدایت کے لئے منتخب کیا گیا۔

نیک وقابل اقتداء شخصیت کی زیارت اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی ہے کہ ان پر انوار و تجلیات کی ضیاء پاشیاں، انس واطمینان، محبت وسکینت کی جھلکیاں، ان کی چال

ڈھال عاجزی، بول چال خاموشی وفکر مندی، حرکت وسکون اور تمام احوال میں برستی نظر آتی ہیں تو ہر دیکھنے والے کی نظر اس منظر سے خدا تعالیٰ تک پہنچتی ہے اور یہ اس کے لئے "مذکر" (یاد دلانے والی) ہوتی ہے اور ان لوگوں کی شکل وصورت توجہ الی اللہ کی وجہ سے نظروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیتی ہے"یہی وہ لوگ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔"

اہل اللہ کی مجالس میں بیٹھنے والوں میں خیر کیسے سرایت کرتی ہے؟

حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ "نوادر الاصول صفحہ ۱۴۰" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "من ذکّر کم باللّٰہ رؤیتہ" (جس کا دیدار تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ کردے) کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ کی نشانیاں ظاہر وباہر ہیں۔ان سے قرب خداوندی کی رونق، عظمت ایزدی کا نور، کبریائی کا رعب ودبدبہ، وقار وسکینت کی انسیت ٹپکتی ہے، ان پر ملکوتیت کے آثار کے ظہور کی وجہ سے ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد ستاتی ہے۔

انسانی دل ان تمام صفات کا مخزن اور نور کا مستقر ہے چہرہ بھی دل ہی کے رنگ سے رنگ جاتا ہے تو جب دل پر وعدہ و وعید والے بادشاہ کا نور غالب ہوگا تو یہی نور چہرے سے ظاہر ہوگا، جب انسان کی نظر اس چہرہ پر پڑے گی نیکی وتقویٰ کو ابھارے گی پھر اس سے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے علم اور صلاح کی ہیبت دل میں جاگزین ہوگی۔

دل میں جب حق تعالیٰ کی ہیبت کا نور ہوگا تو یہ چہرہ کو متاثر کرے گا پھر جب تمہاری نظر اس چہرے پر پڑے گی تو تمہیں صدق وحق کی یاد دلائے گی، تم پر حق و استقامت کی ہیبت چھا جائے گی، (اسی طرح) جب اللہ جل شانہ کی عظمت و ہیبت و

بادشاہت کا نور دل میں ضوء فشاں ہوگا تو یہ چہرے تک سرایت کرے گا، پھر جب اس چہرے سے نظریں دوچار ہوں گی تو اللہ جل جلالہ کی شان وشوکت و رُعب کی یاد بلائے گی، (اسی طرح) دل میں اللہ تعالیٰ کا نور (جاگزین) ہوگا جو کہ منبع انوار ہے، تو ایسے انسان کا دیدار تمہیں عیوب ونقائص، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی سے مانع ہوگا، اس لئے کہ دل کی شان یہ ہے کہ اس سے چہرے کے سوتوں کو سیراب اور اس کو تروتازہ زندگی کے پانی سے معطر کردے گا اور چہرہ تک صرف وہی چیز سرایت کرے گی جو دل میں ہوگی، پھر ان انوارات میں سے جو نور دل میں ہوگا وہی چہرے سے عیاں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا﴾ (سورة الانسان)

''اور عنایت کردی ان کو (چہرے کی) تازگی اور (دل کی) خوشی۔''

پھر جب بندے کا دل اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس سے چمکنے والے نور کی وجہ سے خوش ہوگا تو چہرہ دلی رضا مندی کی وجہ سے (چمکدار) تروتازہ ہوگا۔ اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کی رؤیت سے یاد خداوندی پیدا ہوتی ہے اور آپ نے اس کو ولایت کی نشانی اور علامت بتلایا ہے۔ انتہی کلامہ۔ (فیض القدیر مناوی ۲/ ۴۶۷)

شیخ ابوغدہ فرماتے ہیں: سلف صالحین واکابر میں یہ وصف بہت زیادہ تھا لوگ محض ان کی زیارت سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتے کیونکہ محض ان کی زیارت ہی دلوں کو جگمگادیتی، اور دل میں اصلاح کا داعیہ پیدا کردیتی، دین کو محبوب بنادیتی اور اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی تھی۔

علماء کی مجالس میں ہدایت، راہنمائی، ودرستگی اخذ کرنے کے ارادہ سے جانا چاہئے

امام ابن الجوزی اپنی کتاب ''صید الخاطر ۲/ ۳۰۳'' پر فرماتے ہیں: سلف صالحین

کی ایک بڑی تعداد کسی نہ کسی نیک بندے کے پاس اس کی راہنمائی وتوجہ کے حصول دیکھنے جاتی، علم حاصل کرنا ان کا مقصد نہ ہوتا کیونکہ ان کی رشد وہدایت اور کسی جہت پر گامزن ہونا ان کے علم کا ہی ثمرہ ونتیجہ ہوتا۔ ابوطالب مکی ''قوت القلوب'' میں فرماتے ہیں: وہ حضرات شہروں کا رخ صرف علماء وصلحاء کی ملاقات وزیارت، ان سے برکت کے حصول کے لئے کرتے، اور ان سے ادب سیکھنے جاتے تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجالس میں لوگ حسن ادب وسیرت سیکھنے آتے

ابن الجوزی کی کتاب ''مناقب الامام احمد صفحہ ۲۱۰'' میں ابوالعباس بردعی کی روایت ہے: حسن بن اسماعیل اپنے والد اسماعیل سے نقل کرتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں پانچ ہزار یا اس سے بھی زیادہ لوگ شریک ہوتے اور پانچ سو تو وہ ہوتے جو آپ کے ارشادات لکھ رہے ہوتے، اور بقیہ ان سے حسن ادب وحسن سیرت کی تعلیم حاصل کرتے۔

احمد بن سلمان نجاد سے روایت ہے انہوں نے ابوبکر بن مطوّعی سے سنا وہ فرما رہے تھے: میں ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں بارہ سال تک شرکت کرتا رہا، وہ اپنے تلامذہ کو ''مسند احمد'' پڑھاتے لیکن میں نے ان سے کوئی حدیث نہیں لکھی، بس میں تو ان کے طریقہ، اخلاق وآداب کو دیکھتا تھا۔ ہم آپ کے سامنے گیارہ ایسے افراد کے نمونے پیش کرتے ہیں جن کی زیارت اللہ کی یاد دلاتی، اور لوگ ان کے طریق، سیرت، اور زیارت سے نفع اندوز ہوتے۔ ہم آج ہزار سال بعد بھی ان کے حالات سن کر مستفید ہوتے ہیں تو جن لوگوں نے ان کو دیکھا ہے وہ کس قدر استفادہ کرتے ہوں گے۔

عمرو بن میمون اودی

جلیل القدر تابعی عمر بن میمون: انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ دیکھا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا یمن سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تشریف لائے اور کوفہ میں قیام فرمایا، نیک وعبادت گزار تھے۔ ایک مرتبہ حج وعمرہ کے شرف سے مشرف ہوئے ان کے شاگرد ابواسحاق سبیعی فرماتے ہیں: ان کی زیارت سے اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی۔ آپ کی وفات ۷۵ھ میں ہوئی۔ (ماخوذ از حالات عمرو بن میمون، تہذیب التہذیب ابن حجر ۸/۱۰۹ "العبر" امام ذہبی ۱/۸۵، تذکرۃ الحفاظ ۱/۶۵)

ابن سیرین

ان میں سے تابعی جلیل، امام وفقیہ محمد بن سیرین بصری متوفی ۱۱۰ھ ہیں۔ جب لوگ ان کے پاس بیٹھتے تو یہ ان سے (بے تکلف) باتیں کرتے، اور لوگ ان کے پاس بیٹھ کر آپس میں بھی باتیں کرتے، ابن سیرین ہنستے، لوگوں سے احوال دریافت کرتے، لیکن جب ان سے کوئی فقہ کا مسئلہ اور حلال وحرام کے بارے میں سوال کر دیتا تو ان کا چہرہ متغیر ہو جاتا، اور سابقہ حالت کو بھول جاتے، ایسے معلوم ہوتا کبھی ویسے تھے ہی نہیں۔ اور جب ان کے پاس کسی کا برائی سے تذکرہ کیا جاتا تو یہ اپنے علم کے مطابق اس کا اچھا تذکرہ فرماتے، ان کے تلامذہ ہشام بن حسان ازدی، اور ایوب بن کیسان سختیانی بصری ان کے بارے میں فرماتے ہیں: اہل قبلہ (مسلمانوں) سے نیکی کی امید رکھنے میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا!

(طبقات بن سعد از ابن سعد ۷/۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۰)

جب موت کا ذکر چلتا تو ان کا ہر عضو گویا کہ بے جان ہو جاتا بازار سے گزرتے

تو لوگ ان کو ذکر میں رطب اللسان پاتے۔ "كتاب العلل ومعرفة الرجال" (امام ابن حنبل ۱/۲۰ وغیرہ)

حسن بصری

جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) بھی اپنے ہم عصر امام ابن سیرین کے مشابہ ان کے شہر میں تھے ان کو دیکھنے سے خدا یاد آتا۔ یونس بن عبید سے کسی نے پوچھا آپ کسی ایسے فرد کو جانتے ہیں جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح عبادت گزار ہو؟ انہوں نے فرمایا میں نے کسی ایسے فرد کو نہیں دیکھا کہ جو ان کے کلام جیسے کلام کرتا ہو چہ جائیکہ عبادت میں ان کے مشابہ ہو، پھر انہوں نے ان کی کیفیت بیان کی، جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو اس طرح مفکرانہ انداز سے توجہ کرتے جیسے ابھی ابھی اپنے کسی عزیز دوست کو دفن کر کے آرہے ہوں، اور جب فروکش ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی گردن اڑا دینے کا حکم ہو چکا ہے، اور جب جہنم کا تذکرہ کرتے تو محسوس ہوتا کہ آگ تو صرف انہی کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔

ان کے شاگرد اشعث بن عبداللہ کہتے ہیں: ہم جب حضرت حسن بصری کی مجلس سے نکلتے تو دنیا کی حیثیت ہمارے دلوں میں اس طرح نکل چکی ہوتی کہ ہم اس کو ذرا اہمیت نہ دیتے۔ یونس بن عبید کا قول ہے: انسان حضرت حسن بصری کو دیکھ کر بغیر ان کے اعمال و کلام کو سنے ہی خوب مستفید ہوسکتا تھا۔ ("حلية الاولياء" مصنفہ ابونعیم ۲/۱۵۸، "البدایۃ والنہایۃ" ابن کثیر ۹/۲۶۷)

مطر الوراق کہتے ہیں: مشہور فقیہ، اور کتاب اللہ کے بڑے عالم جابر بن زید بصرہ میں تھے کہ جب حضرت حسن بصری کا ظہور ہوا تو ایسا معلوم ہوتا کہ یہ جنت وجہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئے ہیں اور اب ان کی حالت کو لوگوں سے ٹھیک ٹھیک بیان فرما رہے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۲/۲۶۴)

محمد بن واسع بصری

جعفر بن سلیمان کہتے ہیں: میں جب اپنے دل میں سختی محسوس کرتا تو جا کر محمد بن واسع کی زیارت کرتا (فکر سے) مجھے ایسے معلوم ہوتا کہ ان کا بچہ گم ہو گیا ہے اور یہ اس کی ماں کی طرح پریشان ہیں۔ (تاریخ اسلام امام ذہبی ۵/۱۵۹)

یہ حضرت حسن بصری کے شاگرد، عالم، صالح، متعبد اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ ان کی وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی ہے ان کا تذکرہ عنقریب آنے والا ہے۔

ہشام بن حسان قردوسی بصری

امام حافظ ہشام بن حسان بصری متوفی ۱۴۸ھ بہت زیادہ رونے والے انتہائی کثرت سے عبادت کرنے والوں میں سے تھے، آپ کے لئے آپ کے گھر میں سواری، زادراہ، اور توشہ مہیا کیا گیا کہ (آپ حج کو جائیں آپ کا یہ سفر آپ کی والدہ کے لئے بہت گراں گزرا، اوران پر کپکپی طاری ہوگئی، تو آپ نے اپنی والدہ کی رضا کی خاطر سفر حج ملتوی کر دیا لیکن جب وہ فوت ہوگئیں تو اس کے بعد کوئی حج نہیں چھوڑا) آپ اپنی والدہ کی خاطر جمعہ کے علاوہ اکثر روزہ رکھتے لیکن جب ان کی وفات ہوگئی تو پھر مسلسل روزے رکھنا شروع کر دیئے ان کے بارے میں حماد بن سلمۃ فرماتے ہیں: آپ کو دیکھ کر ہی رونا آ جاتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۶۳)

عبداللہ بن شوذب خراسانی

محدث، ثقہ، عبداللہ بن شوذب خراسانی بلخی متوفی ۱۵۶ھ کے حالات میں لکھا ہے: آپ پہلے بصرہ میں رہے پھر بیت المقدس منتقل ہو گئے، ان کے شاگرد کثیر بن ولید کہتے ہیں: میں جب اپنے استاذ عبداللہ بن شوذب کو دیکھتا تو مجھے فرشتے یاد آ جاتے (یعنی ان کے فرشتہ ہونے کا گمان گزرتا)۔ (تہذیب التہذیب ۵/۲۵۵)

عبدالعزیز بن ابی رواد مکی

(متوفی ۱۵۹ھ) ان کے بارے میں عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: جب یہ بولتے تو ان کے آنسو رخساروں پر ٹپ ٹپ گرتے۔ ان کے شاگرد شعیب بن حرب کہتے ہیں: جب میں عبدالعزیز بن ابی رواد کو دیکھتا تو سمجھتا کہ وہ قیامت کا منظر دیکھ رہے یعنی خود اہل قیامت میں کھڑے ہیں اور ان کو دیکھ رہے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ۶/ ۳۳۸، ۳۳۹)

محمد بن منکدر بصری اور امام جعفر صادق

امام مدینہ، امام مذہب مالکی، امام مالک بن انس رحمہ اللہ متوفی ۱۷۶ھ کے حالات میں ہے، مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں: حضرت امام مالک کے سامنے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا، اور آپ جھک جاتے، اتنا جھکتے کہ ہم نشینوں کے لئے ان کی یہ حالت بہت گراں بار ہوتی، ایک دن ان کے سامنے اس بات کا اظہار کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اگر تمہیں اس کی کچھ خبر ہوتی جس کی مجھے ہے تو اس حالت کو تم لوگ عجیب نہ سمجھتے، پھر فرمایا: میں سید العلماء محمد بن المنکدر کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے کسی حدیث کے بارے میں استفسار کرتا تو آپ اتنا روتے کہ (آپ کی ہچکی بندھ جاتی اور) ہم آپ کیلئے رحم کی دعاء کرتے۔

اسی طرح ہم امام جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں شریک ہوتے، آپ کثرت سے دل لگی فرماتے، اور ہنستے، لیکن جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آتا تو چہرے کا رنگ سبزی و زردی میں بدل جاتا اور جب کبھی میں اپنے دل میں سختی محسوس کرتا تو محمد بن المنکدر کی مجلس میں پہنچ جاتا، ان کے گرد اگرد نیک لوگ صلاح و فلاح کے لئے جمع رہتے، میں ان کے چہرے پر ایک نظر سے کئی

دنوں تک معطر رہتا۔ (''تدریب المدارک'' قاضی عیاض ۳/۵۱،۵۲)

فضیل بن عیاض مکی

عابد و زاہد، امام فضیل بن عیاض خراسانی ثم مکی (متوفی ۱۸۷ھ رحمۃ اللہ علیہ) کے حالات میں ہے کہ ابراہیم بن اشعث فضیل بن عیاض کے خادم فرماتے ہیں: میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کے سینے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت فضیل بن عیاض سے بڑھ کر ہو جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا، یا قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی تو ان پر خوف وغم کے سائے چھا جاتے، آنکھیں بہہ پڑتیں، کہ حاضرین آپ کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے۔ خالد بن رباح فرماتے ہیں: عبداللہ بن مبارک (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مجھ سے کہا: میں جب فضیل بن عیاض کو دیکھتا ہوں تو میرے غم و اندوہ کے زخم تازہ ہو جاتے ہیں اور اپنے نفس کی نفرت بڑھ جاتی ہے اور میں گھٹن محسوس کرتا ہوں۔ (تہذیب التہذیب ۸/۲۹۶)

عبداللہ بن داود خریبی کوفی

امام مقتدیٰ، عابد و زاہد عبداللہ بن داؤد خریبی کوفی متوفی ۲۱۳ھ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں محدث و راہب عراق وکیع بن الجراح کا قول ہے: عبداللہ بن داؤد کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۳۸)

عبد صالح امام و محدث عبداللہ بن مسلمہ قعنبی مدنی بصری

متوفی ۲۲۱ھ کے حالات میں امام مالک کے بارے میں ہے کہ جب امام کو بتلایا گیا کہ قعنبی مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں تو آپ نے فرمایا ''آؤ زمین کے سب سے بہترین انسان کے پاس چلیں'' ان کے حالات میں ہے کہ: جب کسی مجلس سے ان کا گزر ہوتا تو لوگ بے ساختہ کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیتے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۳۸۳)

امام محاسبی نے فرمایا:
اس کا تکلم تمہارے علم اضافہ کرے گا، اور اس کا علم تمہیں آخرت کی یاد دلائے گا۔[1]

سلف میں ان جیسے حضرات کی کمی نہیں تھی، کہنے والے نے ان کے بارے میں کیا ہی بہترین کلام کیا ہے ؎

إذا سَكَنَ الغديْرُ على صفاءٍ
وجُنِّبَ أن يُحرِّكه النسيمُ
بَدَتْ فيه السَّمَاءُ بلا إمتراءٍ
كذاك الشمس تبدُوْ والنجومُ
كذاك (وجوه) أرْبَاب التَّجلّي
يُرٰى في صَفْوِها اللّٰهُ العَظِيْمُ

ترجمہ: ''جب کنویں کا شفاف پانی پرسکون ہو، اور بادنسیم کے تھپیڑوں سے مامون ہو، تو اس میں آسمان، چاند، سورج، ستارے، بلاشبہ جگمگ کرتے نظر آتے ہیں، اسی طرح نورانی تجلیات والے اصحاب کے شفاف چہروں میں خدائے بزرگ و برتر نظر آتے ہیں۔''

۱۵ عبداللہ بن مسعود کی ایک مجلس ایک سال کے عمل سے بہتر ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے بارے میں فرمان ہے کہ ''ان کا تکلم تمہارے علم میں اضافہ کرے گا'' اس کی تشریح میں جلیل القدر صحابی رسول، ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: میری ایک مجلس جو عبداللہ بن مسعود کے ساتھ ہو میرے نزدیک ایک سال کے عمل سے بہتر ہے۔

عبیداللہ کی مجلس عمر بن عبدالعزیز کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے

تابعی جلیل، فقیہ مدینہ از فقہائے سبعۃ، جامع علم وعمل، نکتہ رس شاعر عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (متوفی ۹۹ھ) کے حالات میں اس طرح کی صراحت ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں "عبیداللہ کی ایک مجلس مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے" نیز فرماتے ہیں: واللہ میں عبیداللہ سے ان کی ایک رات ایک ہزار دینار کے عوض لوں گا، لوگوں نے کہا کہ آپ تو بیت المال کی بہت زیادہ حفاظت رکھتے ہیں (پھر اتنا مال کیونکر خرچ کریں گے؟) آپ نے فرمایا کہ وہ مال کونسا ضائع ہوگا، میں اس کے بدلے بیت المال کو عبیداللہ کی رائے، نصیحت اور راہنمائی سے ہزاروں لوٹا دوں گا، ان سے گفتگو میں عقل کی پرورش و تربیت، دل کا سکون، غم سے چھٹکارہ، اور ادب کی درستگی کی تعلیم ہے، آپ نے سچ فرمایا ہے۔

اور شاعر کا قول کس قدر حق بجانب ہے

وَمَا بَقِيَتْ مِنَ اللَّذَّاتِ إِلَّا
مُحَادَثَةُ الرِّجَالِ ذَوِي الْعُقُوْلِ

(ترجمہ) دنیا کی لذتوں میں سے صرف عقل مندوں سے گفتگو ہی کی لذت باقی رہ گئی ہے۔

(العلل ومعرفۃ الرجال امام احمد بن حنبل ۱/۳۴۵، ۲/۳۰۶ وفیات الاعیان، قاضی ابن خلکان ۱/۲۷۱)

"وزاد فی علمکم منطقه وذکّرکم بالآخرة عمله"

عبد بن حمید اور ابویعلی نے اس روایت کو اپنی مسانید میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت فرمایا ہے جیسا کہ حافظ ہیثمی کی "مجمع الزوائد ۱۰/۲۲۶" اور حافظ ابن

حجر کی ''المطالب العالیۃ'' ۳/۱۹۳ میں ہے ''مطالب'' کے الفاظ وہی ہیں جو یہاں مذکور ہیں، البتہ ''مجمع'' کی روایت میں الفاظ اس طرح ہیں: "وزاد فی عملکم منطقه" شاید یہی درست ہیں حدیث کی ابتداء اس طرح سے ہو رہی ہے "قال: قیل یا رسول اللّٰه أیّ جُلسَائِنَا خیر؟ قال ......'' یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی ''مبارک بن حسان'' ہیں جن کی توثیق کی گئی ہے اور بقیہ راوی سب صحیح کے راوی ہیں، یہی بات حافظ منذری نے ''الترغیب والترہیب ۱/۸۹'' پر فرمائی ہے، ہمارے شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی ''المطالب العالیۃ'' کی تعلیقات میں لکھتے ہیں: بوصیری فرماتے ہیں کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں، اس حدیث کو ابو یعلی موصلی نے بھی روایت کیا ہے، اور اس حدیث کا ''شاہد'' حضرت اسماء بنت یزید کی حدیث بھی ہے۔ انتہی کلامہ۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس کا شاہد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث بھی ہے جس کے الفاظ قریب قریب یہی ہیں۔ جس کو ''حکیم ترمذی'' نے ''نوادر الاصول'' صفحہ ۲۴۰ پر ذکر کیا ہے اور حافظ سیوطی نے ''جامع صغیر ۳/۴۶۸'' پر ذکر فرمایا ہے۔ جو کہ ''فیض القدیر'' میں ہے اس کا آغاز اس طرح ہے: "خیار کم من ذکرکم باﷲ رؤیته"

ابن حبان اپنی صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "إن من الناس مفاتیح لذکراللّٰه، إذا رُؤُوا ذکراللّٰه'' ''لوگوں میں سے کچھ اللہ کے ذکر کی کنجیاں ہیں، جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد آتی ہے۔'' (از فیض القدیر امام مناوی ۲/۵۲۸)

اس حدیث سے حضرت ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث

امام محاسبی نے فرمایا:

حق بات کے سامنے عاجزی اختیار کرو اور اس کے لئے جھک جاؤ۔[۱]

سے بھی تائید ہوتی ہے جس کو امام ہیثمی نے "مجمع الزوائد ۱۰/ ۸۷" میں روایت کیا ہے۔

[۱] عمر بن عبید کا قول "میری اور حق بات میں تضاد ہے"

مؤمنین کی شان یہی ہے کہ وہ حق کے سامنے جھک جاتے ہیں، اور جب ان پر حق واضح ہو جائے تو اس کی طرف لپکتے ہیں، اور جب غلط بات ان پر منکشف ہو جائے تو اس سے بدکتے اور اعراض کرتے ہیں۔ عمر بن عبید کے ساتھ ایسا ہوا کہ ایک مرتبہ ایک مسئلہ میں ان کی رائے غلط ہوگئی، تو واصل بن عطاء نے ان اس مسئلہ میں نزاع کیا پھر عمرو بن عبید پر اپنی غلطی واضح ہوگئی تو انہوں نے حق بات کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرمایا: میری اور حق بات میں تضاد ہے، صحیح قول آپ ہی کا ہے میں حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی غلط رائے کو چھوڑ دیا۔ لوگوں نے اس بات کا بہت اچھا تاثر لیا اور اس واقعہ سے آپ کی دیانت کا اعتبار کیا کہ آپ نے بغیر کسی حجت بازی کے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔ ("المنیۃ والامل" ابن المرتضی صفحہ ۵۱)

عبید اللہ بن عنبری کا قول "میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ کر حق بات کی طرف رجوع کرتا ہوں"

عبید اللہ بن حسن متوفی ۱۶۸ھ جو بصرہ کے فقہاء علماء میں سے اور وہاں کے قاضی تھے۔ آپ کے حالات میں ہے کہ آپ کے شاگرد عبد الرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں: ہم ایک مرتبہ ایک جنازہ کے ساتھ تھے کہ میں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ کو اس میں سہو ہوگیا، میں نوجوان تھا میں نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح فرمائے، یہ مسئلہ ایسے نہیں ایسے ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا دیا، پھر سر اٹھا کر

امام محاسبی نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت رکھو، تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا۔[۱]

فرمانے لگے: بیٹا تو نے ٹھیک کہا ہے میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ کر اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: میں حق بات میں دوسرے کا دُم چھلا بننے کو غلط مسئلہ میں قائد بننے پر ترجیح دیتا ہوں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (''حلیۃ'' صفحہ ۶۰۹، تہذیب التہذیب ۷/۷)

حضرت مالک بن مغول کے حالات میں ہے: امام احمد بن حنبل روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان بن عیینہ سے سنا ہے کہ ایک آدمی نے مالک بن مغول سے کہا: اللہ سے ڈرو، تو انہوں نے اپنے رخسار زمین سے چمٹا دیئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔
(تہذیب التہذیب ۱۰/۲۲)

[۱] علامہ ابن القیم کا بیان ذکر کے فوائد میں جو ذکر پر انسان کو ابھارنے والے ہیں

مؤلف کتاب امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ذکر کے ایک بہت بڑے فائدے کا بیان ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول ہے، امام ابن القیم جوزی نے اپنی کتاب ''الوَابِلُ الصَّیِّبُ مِنَ الْکَلِمِ الطَّیِّبِ'' میں ذکر کے فوائد کو ایک ایک کر کے بڑے اچھے طریقہ سے بیان کیا ہے جو (درحقیقت) ذکر کے بارے میں ایک نہایت جامع و مبسوط بیان ہے، جس (کے مطالعہ) سے ذاکرین اور ذکر سے غفلت برتنے والے دونوں قسم کے لوگ ذکر سے محبت کرنے لگیں گے، اور ذکر ان کا محبوب مشغلہ بن جائے گا انہوں نے ہر ہر فائدہ کو دلیل و توجیہ کے ساتھ بیان کیا ہے، ہم آپ کے تمام فوائد کو جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے بیان کرتے ہیں۔ توجہ سے پڑھئے تاکہ آپ بھی بہت زیادہ ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں میں شامل ہو جائیں۔

آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ایک سو سے زائد فائدے ہیں، ذکر اللہ

تعالیٰ کو خوش کرتا ہے شیطان کو بھگاتا ہے غموں سے نجات دلاتا ہے خوشی کا سبب ہے۔ قلب و بدن کو تقویت بخشتا ہے دل اور چہرے کی نورانیت اسے پیدا ہوتی ہے۔ رزق میں فراوانی لاتا ہے۔ رعب و دبدبہ اور (ایمانی) حلاوت اس سے حاصل ہوتی ہے۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافے کا سبب ہے جو کہ اسلام کی روح اور اصل ہے۔ حق تعالیٰ کی معرفت ان کی طرف جھکاؤ اور قرب حاصل ہوتا ہے۔ دل کی زندگی اسی سے ہے۔ نیز یہ اللہ تعالیٰ کے بندہ کو یاد کرنے کا سبب بھی ہے۔

ذکر دل اور روح کی غذا ہے دل کا درد و غم اس سے ہلکا ہوتا ہے گناہ معاف اور درجات بلند ہوتے ہیں، انسیت پیدا ہوتی ہے اور وحشت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ذاکر اللہ تعالیٰ کی عنایات کا مرجع ہے اور ذکر اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینہ (تسلی) کے نزول، رحمت کے عموم، ذاکر کو ملائکہ کا محیط ہونے جیسی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ذاکر نقصان دہ کلام سے مامون رہتا ہے، اس کا شمار نیک بخت لوگوں میں اور اس کا ہمنشین بھی خوش بختی سے ہمکنار ہوتا ہے جب کہ ذکر ذاکر کو قیامت کے روز ندامت وحسرت سے محفوظ کر دے گا اور اگر ذکر میں بکاء (رونا) بھی ہو تو یہ ذاکر کے لئے اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے مختلف قسم کے انعامات و درجات ملتے ہیں۔

ذکر تمام عبادات میں سب سے آسان اور سب سے افضل ہے، یہ جنت کی کھیتی ہے بندہ اپنے رب کو نہیں بھول پاتا، ذکر تمام اوقات و احوال میں ہو سکتا ہے۔ طاعات میں اس جیسی کوئی اطاعت نہیں، یہ بندے کے لئے دنیا قبر و حشر میں روشنی ہے۔ اس کے وسیلہ سے بندہ کے اقوال و اعمال نورانی بن جاتے ہیں۔ یہ ولایت و طریق ولایت کا منبع و چشمہ فیاض ہے یہ دل کے فقر کو دور، اس کے ہموم و غموم کو منتشر، اور غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ قسم ہا قسم کے معارف و احوال عالیہ سے نوازتا ہے۔ ذاکر مذکور (اللہ)

سے قریب اور اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام مخلوق سے عزیز وہ ہے جس کی زبان اس کے ذکر سے تروتازہ رہے۔

دل کی سختی کو دور اور اللہ کی نعمتوں کو کھینچ لاتا ہے۔ ذکر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاؤ ہے۔ ذاکر کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا کا سبب ہے۔ ذکر کی مجالس گویا کہ فرشتوں کی مجالس، اور جنت کے باغیچے ہیں۔ تمام کے تمام اعمال اللہ کے ذکر ہی کے لئے لازم کئے گئے۔ اور اعمال میں سب سے بلند درجے کا عمل وہ ہے جس میں ذکر کا حصہ زیادہ ہے۔ ذکر پر مداومت یہ بہت سی عبادات بدنیہ و مالیہ و مرکبہ کے قائم مقام ہے۔

ذکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مددگار، ہر مشکل کو آسان اور تمام امور کو سہل کرنے والا ہے، ذاکر کو قوت قلب و بدن کی نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ ذکر کرنے والے آخرت کے میدانوں میں سے سب سے سبقت کرنے والے ہیں۔ یہ ذکر ہی ہے کہ جو بندے اور آگ کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے۔

فرشتے ذاکر کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ زمین کے قطعات، اور پہاڑ (جن پر ذکر کیا جائے دوسرے حصوں کے مقابلہ میں) ذاکر پر فخر و مباہات کرتے ہیں اور اس کے لئے گواہ ہیں۔ جب کہ ذکر نفاق سے برأت کا پروانہ ہے۔

"ذکر اللہ" میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف اور نالائق باتوں سے تنزیہ و تقدیس (پاکی) اس کے احکام کی تبلیغ، اس کی مامورات (حکم کردہ احکام) و منہیات (ممنوعہ احکام) کا تذکرہ سب ہی شامل ہیں۔ ذکر دل و زبان دونوں سے ہوتا ہے یہ اس کا کامل درجہ ہے اس کے بعد وہ ذکر کہ جو صرف دل سے ہو، پھر وہ ذکر کہ جو صرف زبان سے ہو ذکر کی سب سے اعلیٰ قسم قرآن پاک کی تلاوت، پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر و تعریف، اور پھر دعاء ہے۔ انتہی کلام ابن القیم۔

ذکر کی انواع کثیرۃ

حافظ ابن حجر فتح الباری ۱۴/۲۳ میں حدیث مبارکہ: "یعقدُ الشیطان علی قافِیَۃِ رأسِ أحدِکم إذا ھو نامَ ثلاثَ عُقَد ...... فإن استیقظ فذکَرَاللّٰہَ انحلَّتْ عقدَۃٌ ...... " "جب تم میں سے کوئی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر پر تین گرہیں لگا دیتا ہے...... پھر اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے تو وہ گرہیں کھل جاتی ہیں" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ذکر کیلئے کوئی مخصوص الفاظ ایسے نہیں ہیں کہ ان کے بغیر ذکر نہ ہو سکے بلکہ ہر وہ کلمات وکلام جس پر "ذکر اللہ" بولا جاتا ہے کافی ہے، خصوصاً اللہ تعالیٰ کے ذکر میں "تلاوت قرآن، حدیث نبوی کی قرأت، اور علوم شرعیہ سے اشتغال" سب شامل ہیں۔ انتہی کلام الحافظ۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذکر کی قوت وبرکت

شیخ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مذکورہ کتاب صفحہ ۱۰۸ پر "ذکر کے فوائد" سے بحث کرتے ہوئے اور گنواتے ہوئے فرماتے ہیں: ذکر کا ۶۱ واں فائدہ یہ ہے کہ ذکر، ذاکر کو قوت وتوانائی بخشتا ہے حتی کہ ذکر کرنے والا انسان ذکر کرتے ہوئے ایسے کام انجام دیتا ہے کہ جو وہ بغیر ذکر کے انجام نہیں دے سکتا، بلکہ ان کا گمان بھی نہیں ہو سکتا، میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ میں ان کی عادات، کلام، کسی کام کے انجام دینے، اور تصانیف کے لکھنے میں، عجیب قسم کی قوت وطاقت کا مشاہدہ کیا ہے۔ وہ ایک دن میں تصنیف کے دوران اتنا لکھ لیتے کہ ایک کاتب اس کے لکھنے میں ایک ہفتہ لے اور لشکر نے تو دوران جنگ ان کی بہت عظیم قوت کا مشاہدہ کیا ہے۔

قلب کے لئے ذکر ایسا ہے جیسا مچھلی کے لئے پانی

نیز صفحہ ۵۸، ۵۹ پر فرماتے ہیں: میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ

سے سنا آپ فرماتے تھے: ذکر دل کے لئے ایسا ہی ہے جیسا کہ مچھلی کے لئے پانی، تو مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے جب کہ پانی سے نکل آئے؟

ابن تیمیہ کی غذاء ذکر سے

میں ایک مرتبہ ان کے ہاں موجود تھا، آپ نے فجر کی نماز ادا کی تو وہیں ذکر میں مصروف ہوئے اور قریباً نصف دن تک مشغول رہے۔ پھر مری طرف متوجہ ہوکر فرمایا یہ میرا ناشتہ ہے۔ اور اگر میں یہ ناشتہ نہ کروں تو میری طاقت وقوت جاتی رہے۔ یہ، یا اس طرح کی بات ارشاد فرمائی۔ نیز ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: میں کبھی ذکر کو نہیں چھوڑتا ہاں مگر یہ کہ کبھی راحت و دلجمعی کی خاطر ترک کر دیتا ہوں، تاکہ اس راحت سے میں دوسرے وقت ذکر کے لئے مزید مستعد ہو جاؤں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی اقسام

شیخ ابن القیم اپنی کتاب ''زاد المعاد'' ''فصل فی ھدیہ فی الذکر'' ۲/۳۷ پر فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا ذکر کرنے میں تمام مخلوق سے کامل و مکمل تھے۔ بلکہ آپ کا تو نرا ہی کلام ذکر اور اس کے متعلقات میں ہوتا، آپ کا اپنی امت کو کسی کام کا حکم دینا، روکنا، مسائل بتلانا یہ سب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی تو ہے۔ اسی طرح آپ کا اللہ تعالیٰ کے ناموں، آپ کی صفات، احکام، افعال، وعدے، وعیدیں بتلانا بھی تو ذکر ہی تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد، نعمتوں پر شکر اس کی بزرگی، تعریف، و پاکی بھی تو اس کا ذکر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے مانگنا، پکارنا، رغبت دلانا، ڈرانا، بھی ذکر ہے۔ اور آپ کا سکوت بھی ذکر قلبی میں شامل ہے۔

تو گویا آپ ہر وقت، ہر حالت اور ہر سانس میں ذکر فرماتے، کھڑے بیٹھتے، لیٹے، چلتے، سواری فرماتے، اس پر چلنے، اترنے سفر کرنے، اور ٹھہرنے میں بھی۔ انتہی

کلام الجوزی۔

ذکر مشروع وذکر ممنوع کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ذکر سراً ہو یا جہراً اکیلے میں یا مجلس میں ہر ایک کے لئے کچھ شرائط و آداب ہیں لیکن بعض لوگ جو مخصوص قسم کی حرکات، طرب آمیز گنگناہٹ، اچھل کود، پھیلاؤ و سمٹاؤ، آگے پیچھے جھکنے، کھینچا تانی، مجلس میں حلقے لگا کر، ہتھیلیوں کے ساتھ پاؤں جھٹک کر اور آوازیں نکال کر، ذکر کرتے ہیں سلیم الفطرت لوگ اسے انکاری، اور متواضع دل اس سے بری ہے (حقیقت یہ ہے کہ) اس طرح سے ذکر کرنے والے کے دل میں خشوع و خضوع ہوتا تو لازماً اس کے اعضاء و جوارح میں سکون وٹھہراؤ ہوتا جیسا کہ جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا ہے۔

اس سے بڑھ کر قابل نفریں، وانکار بات یہ ہے کہ یہ لوگ ابتداء اللہ تعالیٰ کا نام سکون واطمینان سے مجلس میں بیٹھ کر لیتے ہیں پھر اس میں رفتہ رفتہ تیزی کے ساتھ ساتھ اچھل کود کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے، پھر سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں بس ان کے منہ سے محض آوازوں کا شور سنائی دیتا ہے جو گھٹتا بڑھتا ہے اور پھولا ہوا سانس جو چڑھتا اترتا محسوس ہوتا ہے۔

جانوروں کی سی گلوگرفتہ اصوات (آوازیں) جو پھرتی، اور حرکات ہر لحظہ بڑھنے لگتی ہیں اور ما بدولت اس کو ''ذکراللہ'' کا نام دیتے ہیں۔ ''إنا للّٰه وإنا اليه راجعون'' یہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر بے ادبی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی قرآن پاک سُر لگا کر پڑھنے سے ممانعت

ایک آدمی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آیا اور آپ سے قرآن پاک کو سر لگا

کر پڑھنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے اس کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اس آدمی نے وجہ دریافت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے بتلایا: ''محمد'' تو حضرت نے فرمایا کہ کیا تمہیں پسند ہے کہ میں تمہارے نام میں سُر لگاتے ہوئے ''محمد'' کے بجائے ''موحامد'' کہوں؟ (فتح القدیر ا/۲۷۳ باب الاذان)

تو ذکر یہ مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، آپ کے نام کی عزت وتوقیر، کبریائی و بڑائی پر دلالت کرتا ہے۔

البتہ اس میں شبہ نہیں کہ اکثر لوگ مذکورہ طریقہ سے ذکر کرتے ہیں کیونکہ وہ لوگ دین کی سمجھ اور رب العالمین کے ادب میں عامی لوگوں کی طرح ہیں، (جن کا اعتبار نہیں کیا جاتا) اس امر کا خیال کرنا چاہئے کہ وہ لوگ جس سر کو اپنے نام میں برداشت نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کے نام میں ایسا کیوں کرتے ہیں۔

ایسی حرکات وافعال سلف صالحین وزمانہ خیر القرون سے بالکلیہ منقول نہیں ہیں اور اس باب میں جو عذر بیان کیا جاتا ہے کہ دل کو دوسرے خیالات سے بچانے اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لگانے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے یہ بات بالکل قابل انکار و رد ہے۔ سلف صالحین ہم سے بڑھ کر قلب وفکر کی خیالات فاضلہ سے حفاظت اور اللہ تعالیٰ کی طرف دل لگانے والے تھے لیکن ان حضرات نے ایسے افعال پر شدید نکیر فرمائی ہے جب کہ وہی لوگ دین میں مقتدیٰ، مرجع، وامام ہیں اس باب میں ہم ان کا کچھ کلام نقل کرتے ہیں۔

ذکر غیر مشروع میں امام شاطبی کی تصریح

مشہور اصولی، فقیہ، صوفی، صاحب نظر امام ابواسحاق شاطبی غرناطی اپنی کتاب ''الاعتصام'' باب رابع کی آخری فصل میں ذکر ممنوع ومذموم شرعی کے تذکرہ میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ لوگ صراط مستقیم سے ہٹ چکے ہیں یہ لوگ اکٹھے

ہوتے ہیں پھر ان میں کا ایک قرآن پاک کی تلاوت اچھی آواز سے سر لگا کر گنگنا کر کرتا ہے جسے اس کی تلاوت گانے کے مشابہ ہو جاتی ہے، اور دوسرے قسم کے لوگ وہ ہیں کہ جو بیک وقت ہم آواز ہو کر گانے کی طرح ذکر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ذکر مستحب کی مجالس ہیں حالانکہ وہ جھوٹے ہیں اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو سلف صالحین سے لازماً یہ منقول ہوتا اور وہ لوگ حق سمجھ کر اسی پر عمل کرتے۔ انتہی کلام الشاطبی۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری کتاب العیدین "باب سنة العيدين لاهل الاسلام" میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں: میرے پاس حضرت ابوبکر تشریف لائے اور دو بچیاں انصار میں سے میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، اور انصار کے اشعار جنگ "بعاث" کے دن والے گا رہی تھیں لیکن وہ پیشہ ور مغنیہ نہیں تھیں۔ اس پر علامہ (طاہر) پٹنی مجمع بحار الانوار ۴۲/۳ پر فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں عرب کے طرز پر محض شعر اور حدی (اونٹوں کو تیز چلانے کے لئے اشعار) پڑھنے کی اجازت تھی۔

ذکر غیر مشروع سے حافظ ابن حجر کی ممانعت

علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: محدث کبیر ابوالعباس احمد بن عمر قرطبی (مصنف تفسیر قرطبی) حضرت عائشہ کا قول (مذکورہ حدیث) میں کہ "وہ پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں" کی شرح میں فرماتے ہیں: یعنی وہ لڑکیاں پیشہ ور گانا گانے والی عورتوں کی طرح غناء سے واقف نہ تھیں اور نہ انہوں نے سیکھا ہوا تھا۔ اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مبنی بر احتیاط جملہ ہے کہ جس طرح گویئے بعض حرکات کو کھینچتے ہیں بعض کو ساکن کرتے ہیں بعض حروف کو بڑھا لیتے ہیں وہ ایسی نہیں تھیں۔ اس قسم کے اشعار کو پڑھنا اگر ان میں عورتوں کے محاسن، شراب کا تذکرہ اور امور محرمة کا ذکر ہو تو بالاتفاق و بلا کسی نزاع کے حرام ہے۔

رہا وہ غناء جس کو صوفیاء نے گھڑ لیا ہے یہ بھی بالاتفاق حرام ہے لیکن بہت سے شہوانی جذبات سے مغلوب طبائع اس کو اچھائی کا محور گردانتی ہیں، حتی کہ اس کے شغل میں یہ لوگ جنون و بچپنے کے حالات کو چھو چکے ہیں۔ ہم آواز حرکات وسکنات، اور قافیہ بند کلام میں یہ لوگ جھومنے اور رقص کرنے لگتے ہیں ان کی بے ہودگی کی انتہاء یہ ہے کہ اس کو تقرب الی اللہ، اور اعمال صالحہ کا حصہ سمجھتے ہوئے احوال رفیعہ کا سبب تصور کرتے ہیں۔

تحقیقی بات یہی ہے کہ یہ زندقہ اور شعبدہ بازی کے آثار میں سے ہے۔ **واللہ المستعان.** **انتھی**۔ حافظ ابن حجر اس کے بعد فرماتے ہیں: ان صوفیاء کے کلام "اچھے احوال کا سبب" کے بجائے برے احوال کا سبب کہنا چاہیے۔ (فتح الباری ۲/ ۳۶۸)

ذکر ممنوع کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات بیان کرتے ہوئے "ترتیب المدارک ۲/ ۵۴" پر فرماتے ہیں: تنیسی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک کی خدمت میں حاضر تھے اور ان کے آس پاس ان کے شاگرد حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔ نصیبین کے ایک آدمی نے عرض کیا: ہمارے ہاں کچھ لوگ ہیں جن کو صوفیاء کہا جاتا ہے کھاتے بہت ہیں، پھر قصائد پڑھ کر ناچتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا وہ بچے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، پھر امام نے فرمایا کیا وہ دیوانے ہیں؟ اس نے کہا بلکہ وہ "پیر" اور اصحاب عقل ہیں، امام نے فرمایا میں نے مسلمانوں میں سے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ وہ ایسا کرتے ہوں۔

اس آدمی نے مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا: کھانے کے بعد وہ لوگ کھڑے ہو کر چوپایوں کی طرح ناچتے ہیں اور ایک دوسرے کے چہروں اور سروں کو پیٹتے ہیں، امام مالک ہنستے ہوئے اٹھے اور گھر میں تشریف لے گئے امام مالک کے

شاگردوں نے اس آدمی سے کہا کہ تم ہمارے استاذ محترم کے لئے نحوست ثابت ہوئے کہ ہم ان کی خدمت میں تیس سال سے زائد عرصہ سے ہیں لیکن ہم نے ان کو آج سے پہلے کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ انتھی۔

امام ابوبکر خلال رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الحث علی التجارة والصناعة والعمل" کے صفحہ ۲۴ پر ہے: اسحاق بن سیار نصیبی عبدالملک بن زیاد نصیبی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں: کہ ہم امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تھے کہ ان کے سامنے ہمارے علاقے کے صوفیاء کا تذکرہ ہوا تو میں نے عرض کیا: وہ لوگ (صوفیاء) یمن کا شاندار لباس زیب تن کرتے اور ایسا ایسا کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کیا وہ مسلمان ہیں؟ عبدالملک کہتے ہیں کہ امام اتنا ہنسے کہ چت ہو گئے۔ آپ کے شاگردوں میں سے ایک نے کہا ہے (امام کے گھر پر تشریف لے جانے کے بعد) یہ کیا ہے کہ ہم نے استاذ محترم کے لئے اس سے زیادہ تعجب خیز بات نہیں دیکھی کہ آپ اس سے قبل کبھی اتنا نہیں ہنسے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ممنوع کے بارے میں بیان

امام قرطبی اپنی تفسیر ۷/۳۶۵ میں آیت:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۝﴾ (سورۃ الانفال: پارہ ۹)

ترجمہ: "ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں ان کے دل، اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤمنین کا

وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے ذکر کے وقت ڈر اور خوف سے سہم جاتے ہیں، اور یہ ان کے قوت ایمان رب تعالیٰ کے حقوق کی انتہائی رعایت، پر دال ہے گویا کہ وہ اپنے رب کے حضور دست بستہ کھڑے ہیں اس سے ملتی جلتی دوسری آیت ہے:

﴿ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾

ترجمہ: ''اور بشارت سنا دے عاجزی کرنے والوں کو وہ کہ جب نام لیجئے اللہ کا ڈر جائیں ان کے دل۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

''اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔''

یہ کمال معرفت اور اعتماد قلبی کی دلیل ہے۔

''وَجَل'' کے معنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرنے کے ہوتے ہیں لہٰذا معرفت کے ساتھ خوف کے پائے جانے میں کوئی عجیب بات نہیں ان دونوں باتوں کو اللہ تعالیٰ نے یکجا مندرجہ ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

ترجمہ: ''اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی دہرائی ہوئی بال کھڑے ہوئے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر۔'' (الزمر: ۲۳)

یعنی ان کے نفوس کو تسکین ہوتی ہے اللہ تعالیٰ پر یقین کی وجہ سے اگرچہ وہ لوگ

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں یہ حالت عارفین کی ہے (کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت بھی ان کو حاصل ہوتی ہے) اور وہ لوگ اس کے عذاب و عظمت سے گھبراتے بھی ہیں۔

جاہل عوام اور بے وقوف بدعتیوں کی حالت ایسی نہیں ہوتی کہ جو بھیڑیوں کی طرح چلاتے اور گدھوں کی طرح آواز نکالتے اور خوش ہوتے ہیں جو ایسا کرتا ہے اور اس کو ''وجد'' و عاجزی بتلاتا ہے اس سے ہم کہیں گے کیوں تمہاری حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی سی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا خوف ان پر طاری ہوتا اور اس کی تعظیم سے ان پر رعب طاری ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل معرفت کی حالت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوت قرآن کے وقت یہ بیان کی ہے:

﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (سورۃ المائدہ:۸۳)

ترجمہ: ''اور جب سنتے ہیں اس کو جو اترا رسول پر تو دیکھے تو ان کی آنکھوں کو کہ اُبلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے، سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ۔''

یہ ان کی حالت اور ان کی بات کا بیان ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ ان کے راستہ پر نہیں، جو کوئی راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ان کا راستہ اختیار کرے، اور جو دیوانوں کا سا بنے، تو وہ بدترین حالت ہے اور جنون کی بھی اقسام ہیں (جن میں سے ایک یہ ہے)۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں

نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سوالات کئے، تو آپ ایک دن منبر پر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: "سلُونِيُ لا تَسْئَلونِيُ عن شيءٍ إلّا بيَّنْتُ لكم ما دُمتُ في مقامي هذا" جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو، جب تک میں اس منبر پر موجود ہوں تو تمہاری ہر بات کا جواب دوں گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کا یہ ارشاد سن کر ڈر گئے اور سوالات سے رک گئے کہ کوئی خاص امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے (عذاب وغیرہ) پیش آنے والا ہے حضرت انس کہتے ہیں: میں نے دائیں بائیں دیکھا ہر آدمی سر جھکائے کپڑا لپیٹے رو رہا ہے۔ اس کے بعد حدیث ذکر فرمائی۔

امام ترمذی صحیح حدیث حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی بلیغ ڈرا دینے والی نصیحت فرمائی جس سے لوگوں کے دل ڈھل گئے لیکن انہوں نے یہ نہیں فرمایا: ہم نے شور مچایا، اور رقص کیا اور زمین پر اپنے پاؤں زور زور سے مارے اور ہم (شدت جذبات سے) کھڑے ہو گئے۔ انتہی۔

ذکر کے منکرات کا بیان امام شاطبی کی زبانی

بہت پہلے یعنی آٹھویں صدی ہجری میں اس مسئلے پر بحث ہو چکی ہے کہ ذاکرین کا حلقہ بنا کر اونچے آواز سے ذکر کرنا، سر کے انداز سے اشعار وغیرہ سننا، اچھلنا کودنا، چکر لگانا، کیسا ہے؟ امام شاطبی (جو کہ خود بہت بڑے اصولی، فقیہ محدث، صوفی، محقق، صاحب بصیرت، ذکی الحس انسان تھے) نے اس سوال کو اپنی عظیم الشان کتاب "الاعتصام" میں ذکر کیا ہے اور ۱/۲۶۴ سے ۱/۲۸۵ تک مفصلاً مکملاً وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، ہر ناجائز امر کو دلیل و علت کے ذریعہ بالکل کھول کر بیان کر دیا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ اس کا مطالعہ کر لیں کیونکہ یہ دلوں کو جلاء اور ذہنوں کو روشن

کرنے والے علم کا لب لباب ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کاش کہ یہ ذاکرین جو یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے یہ افعال وحرکات افعال مباح میں داخل ہیں، اگر ان ائمہ کے فتاوی کے سامنے جو ان امور کو حرام فرمارہے ہیں نہیں جھکتے تو یہی سمجھ کر ان سے باز آجاتے کہ علماء نے (ایک قول پر) ان کو حرام کہا ہے لہٰذا ان میں شبہ پیدا ہو گیا تو اس شبہ سے بچتے اور اوراس کے قریب بھی نہ جاتے کیونکہ صوفی تو وہ ہوتا ہے کہ جو شبہات سے بھی پرہیز کرتا ہے اور بعض مباح کاموں کو بھی چھوڑ دیتا ہے کہ کہیں ان کی وجہ سے مکروہات میں نہ مبتلا ہو جائے چہ جائیکہ محرمات میں جا گرے، لیکن اللہ تعالیٰ اسی کو ہدایت سے نوازتے ہیں جو کہ ہدایت کا طالب ہو اللہ تعالیٰ ہمیں وہی راستہ دکھلا دیں جسے وہ پسند فرماتے ہیں۔

لفظ ''اللہ'' سے ذکر کا غیر مشروع طریقہ

ایک چیز رہ رہی ہے جس پر تنبیہ کرنا ضروری ہے اور وہ ہمارے زمانہ میں اکثر ذکر کے حلقوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ بعض لوگ صرف ''اللہ، اللہ، اللہ'' مکرر کہتے جاتے ہیں، اولاً تو لفظ ''اللہ'' سمجھ میں آتا ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ تیزی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں حتی کہ انتہائی تیزی سے لفظ ''اللہ'' کے بعض حروف بعض دوسروں میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ لفظ ''اللہ'' ایک مبہم سی آواز بن کر رہ جاتا ہے پھر وہ لوگ اس کو منہ میں ہی جلدی سے دہراتے رہتے ہیں کہ جسے کچھ سمجھ نہیں آتا، یہ بھی ذکر ممنوع میں داخل ہے اللہ تعالیٰ ایسے ذاکرین سے بھی محفوظ رکھیں۔

تصوف صحیح کی تعریف میں چند اشعار

اللہ تعالیٰ امام ابوعبداللہ طوبی صِقِلّی پر رحم فرمائیں جنہوں نے مندرجہ اشعار کہے،

امام محاسبی نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عاجز، منکسر المزاج، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور بہت زیادہ یاد کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہوں گے۔[1]

عماد اصفہانی نے ان کے حالات بنام "خريدة القصر" میں بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں

لَيْسَ التَّصَوُّفُ لُبْسُ الصُّوْفَةِ تَرْقَعُهُ
وَلَا بُكَاءُكَ إِنْ غَنَّى الْغُنُوْنَا
وَلَا صِيَاحٌ وَلَا رَقْصٌ وَلَا طَرَبٌ
وَلَا تَغَاشٍ كَأَنْ قَدْ صِرْتَ مَجْنُوْنًا
بَلِ التَّصَوُّفُ أَنْ تَصْفُوْ بِلَا كَدَرٍ
وَتَتَّبِعُ الْحَقَّ وَالْقُرْآنَ وَالدِّيْنَا
وَأَنْ تُرٰى خَائِفًا لِلّٰهِ ذَا نَدَمٍ
عَلٰى ذُنُوْبِكَ طُوْلَ الدَّهْرِ مَحْزُوْنًا

ترجمہ: "تصوف پیوند زدہ اون کا خرقہ پہننے کا نام نہیں ہے، اور نہ رونے کا ترنم سے، نہ ہی چیخنا اور ناچنا اور مستی سے جھومنا، اور نہ غشی کہ پاگل دیوانہ معلوم ہو، بلکہ تصوف یہ ہے کہ تم ہر قسم کی گدلاہٹ سے پاک ہو جاؤ، حق قرآن اور دین کے تابع بن جاؤ، ہر وقت پشیمان اور اپنے گناہوں پر نادم اور عمر بھر غمگین رہو۔"

[1] اس حدیث کو میں نے تمام مراجع حدیث میں تلاش کیا لیکن مجھے نہیں ملی۔ واللہ اعلم۔
حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ "شرح حديث العلم" میں صفحہ ۱۷-۲۱ پر فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف حدیث ہے: "إذا مررتم

بِرِيَاضِ الجنةِ فارتعُوْا قالوا! وَمَا رِيَاضِ الجنة؟ قال! حِلَقُ الذِّكْرِ" جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرو تو اس میں سے کچھ (دیر ٹھہر کر) کھا پی (کر فائدہ حاصل کر) لیا کرو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، جنت کے باغیچے کیا ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذکر کے حلقے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس حدیث کو ذکر فرماتے تو فرماتے: ذکر کے حلقوں سے میری مراد قصہ گو واعظ نہیں ہیں بلکہ فقہ کی مجالس مراد ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی معنی منقول ہیں اس کو علامہ ابن الجوزی نے "کتاب القصاص والمذکرین" صفحہ ۱۲۹ پر بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل کا کلام ذکر کی فضیلت میں

حضرت معاذ بن جبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ فرمانے لگے: اے موت خوش آمدید، تم ایسی مہمان ہو جس نے فاقہ کی حالت میں یاد کیا جو (موت کے آنے پر) پشیمان ہو وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ مجھے دنیا میں زندہ رہنا اس لئے محبوب نہیں تھا کہ اس میں نہریں رواں ہیں اور درخت ایستادہ ہیں، میرا مقصد تورات کی (تنہائی کی) عبادت میں طویل مشقت جھیلنا، کڑی گرم دوپہر میں پیاسا رہنا، اور (علم و) ذکر کی مجالس میں علماء کے زانو سے زانو تہہ کرنا تھا۔

حضرت عمر کا فرمان "دین میں تفقہ عبادت ہے"

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشاء کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے حضرت عمر نے فرمایا: اس وقت کیسے آنا ہوا؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے جواب دیا: بات چیت کے لئے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ حضرت عمر نے

تعجب سے فرمایا: اس وقت! حضرت ابو موسی نے جواباً کہا: یہ کلام فقہ کے بارے میں ہوگا چنانچہ دونوں حضرات فروکش ہو گئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے پھر حضرت ابو موسی نے کہا: امیر المؤمنین نماز بھی پڑھنی ہے حضرت عمر نے فرمایا ہم تو اب تک نماز ہی میں تھے (مصنف عبدالرزاق مصنف ابن ابی شیبہ، جیسا کہ متقی ہندی کی "کنز العمال" ۵/ ۲۲۸ پر ہے) ان تمام روایات میں "ذکر کے حلقوں" سے مراد علم کی مجالس ہیں یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

﴿فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

تَرجَمَہ: "سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں۔" (النحل: ۴۳)

"جامع بيان العلم وفضله" (ابن عبدالبر ۱/ ۵۱)

مجالس ذکر حلال وحرام کی مجالس ہیں

حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں: ذکر کی مجالس سے مراد حلال وحرام کی مجالس ہیں جن میں یہ تذکرہ ہو کہ بیع وشراء (خرید وفروخت) کیسے ہوتی ہے؟ نماز روزہ کے کیا احکام ہیں؟ نکاح وطلاق کیسے واقع ہوتی ہے؟ اور اس جیسے دوسرے علمی مسائل ہیں۔ ابو سوار عدوی کے بارے میں ہے کہ آپ ایک علمی مجلس میں مذاکرہ فرما رہے تھے، ایک نوجوان لڑکے نے ان سے کہا: "سبحان اللّٰه والحمد للّٰه" کا ورد کرو، تو آپ اس پر سخت غصہ ہو گئے اور فرمایا: تیرا بھلا ہو ہم ابھی تک کیا کر رہے تھے؟

"كتاب الزهد" (احمد بن حنبل صفحہ ۳۱۶)

امام دارمی اپنی سنن "باب فضل العلم والعالم" ۱/ ۹۵ "مطبوعہ دمشق" پر فرماتے ہیں: وہب بن منبہ (طبقہ تابعین میں انتہائی عابد) سے منقول ہے "جس مجلس میں علمی مباحثہ ومجادلہ ہو رہا ہو وہ مجلس مجھے اتنی دیر نماز پڑھنے سے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ ممکن ہے وہاں کوئی انسان کسی ایک ایسی بات سے نفع اٹھالے کہ جو اس کو سال بھر یا

امام محاسبی نے فرمایا:

اپنی خیر خواہی اللہ اس کے رسول اور عام مؤمنین کے لئے خاص کرلو، اپنے

عمر بھر فائدہ دیتی رہے۔"

ابن عبد البر فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: "الدراسة الصلاة" علمی مذاکرہ نماز ہے۔ ("جامع بیان العلم وفضلہ" ۱/۲۲)

مجالس علم ہی مجالس ذکر ہیں

وہ مجالس جن میں علمی مذاکرہ ہو تفسیر قرآن کا درس ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی روایت ہو، فقہ اسلامی کی تعلیم ہو۔ یہ سب بھی ذکر کی مجالس ہیں۔ بلکہ یہ مجالس۔ "سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر" کا ورد کرنے والی مجالس سے بہتر وافضل ہیں اس لئے کہ یہ مجالس فرض عین یا کم از کم فرض کفایہ کے درجہ میں ہوں گی جب کہ محض ذکر نفل ومستحب کے درجہ میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ مجالس ذکر تسبیح، تحمید، وتکبیر پر موقوف نہیں ہیں بلکہ اوامر ونواہی کا بیان، حلال وحرام کا ذکر، مرضیات ربانی، ومنکرات کا تذکرہ بھی ذکر کا حصہ ہے اور بسا اوقات یہ ثانی الذکر اول الذکر سے نفع میں بڑھ جاتی ہیں اس لئے کہ حلال وحرام کا جاننا حسب حال تو ہر مسلمان پر فرض ہے۔

زبانی ذکر تو نفل کے مرتبہ میں ہے البتہ کبھی وجوب تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ فرض نمازیں، اور اللہ تعالیٰ کی مامور کردہ چیزیں، اور منع کردہ امور کو پہنچنا تو یہ اس پر ہوگا کہ جس کو ان سے کسی حال میں واسطہ پڑ جائے تو حسب حال وموافق ضرورت اس کے لئے حلال وحرام سے اطلاع ضروری ہوگی مشہور حدیث ہے کہ: "طلب علم ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے۔" یہاں تک حافظ ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام مکمل ہوا البتہ بعض دوسرے حضرات کے کلام کا بھی اس میں اضافہ کیا گیا ہے۔

معاملات میں ان لوگوں سے مشاورت کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔[1] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: دین خیر خواہی چاہنے کا نام ہے۔[3]

---

[1] حضرت عمر کا ناصحانہ قول

امام محاسبی کا قول "وشاور في امرك الذين يخشون الله" یہ ناصحانہ قول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جسے حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے "کتاب الزہد صفحہ ۴۹۱" میں روایت کیا ہے۔ مکمل الفاظ کا ترجمہ اس طرح ہے! فضول (لایعنی) کاموں سے اجتناب کرو، اپنے دشمن سے الگ رہو، اپنے دوستوں سے اپنی حفاظت رکھو، ہاں جو لوگ امانت دار ہوں، لوگوں میں امانت دار کے برابر کوئی بھی نہیں، اور امانت دار وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا پورا پورا خوف (دل میں) رکھتا ہو، گناہگار کی رفاقت مت اختیار کر کہ وہ تمہیں گناہ پر اکسائے گا، اور نہ ہی اپنا راز اس پر آشکار کرو، اور مشاورت ایسے لوگوں سے رکھو جو تمہارے معاملات میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوں۔

[2] سورۃ الفاطر: آیت ۲۸۔

[3] اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم "کتاب الایمان" "باب بیان ان الدين النصيحة" میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نصیحت کا خوبصورت مفید طریقہ

نصیحت کے معاملہ میں یہ بات ذہن میں رہے کہ جس طرز و اسلوب و لہجہ میں آپ عام لوگوں کو نصیحت کریں گے خلیفہ وقت، بادشاہ حاکم، امیر والد اور اپنے سے بڑے کو کسی غلطی پر اس طریقہ و اسلوب سے نصیحت نہیں کر سکتے اور نصیحت میں ہمیشہ

ہی سختی برتنا صحیح نہیں ہوتا نہ ہی نصیحت میں موثر، دین کی بات پر راہنما، اور ذمہ داری سے سبکدوشی کے لئے کافی ہے۔

علامہ جوزی کی خلیفہ مستضیئ باللہ کو نصیحت

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خلیفہ وقت مستضیئ باللہ کو نصیحت جو انتہائی سمجھ بوجھ، حسن تعبیر، وتذکیر پر دلالت کرتی ہے نظر میں رہے۔ آپ نے ایک دن عباسی ہاشمی خلیفہ مذکور۔ حسن بن یوسف۔ سے بات کی اور اس کو ''شیبان راعی کی نصیحت خلیفہ ہارون الرشید کو'' یاد دلائی اور پھر آپ نے فرمایا: میں اگر آپ کے سامنے بولتا ہوں تو آپ سے، اور اگر خاموشی اختیار کرتا ہوں تو آپ پر ڈرتا ہوں، چونکہ مجھے آپ سے محبت ہے اس لئے اپنی ہلاکت کو (نظر انداز کرتے ہوئے) آپ کی ہلاکت پر ترجیح دیتے (ہوئے بولتا) ہوں (عرض ہے کہ) آپ کے لئے خیر خواہانہ بول ''کہ اللہ سے ڈریئے'' کسی قائل کے قول سے ''کہ آپ تو اہل بیت رسول ہیں لہٰذا آپ لوگوں کی مغفرت ہو چکی'' سے بہتر ہے۔ ''طبقات المفسرین'' داؤدی ۱/۲۷۳، ''المنتظم''۔ (ابن الجوزی ۱/۲۸۴)

یہ نصیحت کس قدر جامع، تعبیر میں دقیق، ادب میں کامل، و بھرپور ہے۔ اندازہ کیجئے ''تکلمتُ'' اور ''سکتُّ'' کا متعلق اور ''الناصح'' اور ''قول القائل'' کے مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی ''تکلمت فی نصحکم'' اور ''سکت عن نصحك'' نہیں کہا۔ اسی طرح ''قول الناصح لکم'' اور ''قول القائل لکم'' نہیں فرمایا خطاب کے کسی صیغے کو نہیں لائے اور خلیفہ کی شخصیت کو متوجہ نہیں کیا۔ اور یہ مقام اسی کا متقاضی تھا۔ جب کہ آخری جملہ ''انتم اهل بیت مغفور لکم'' مدحیہ (تعریفی) جملہ تھا اس لئے اس میں خطاب کا صیغہ لائے (علماء وطلبہ کو) یہ ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔ (امام ابن الجوزی کا پورا عربی کلام اس طرح ہے۔ ''یا أمیر

المؤمنين! إن تكلمت خفت منك، وإن سكت خفت عليك، فأنا أقدّم خوفي عليك محبتي لك، على خوفي منك. قول الناصح: اتّق الله، خيرٌ من قول القائل: أنتم أهل بيتٍ مغفور لكم")

بادشاہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کون کرے؟

اگر کوئی انسان کسی بادشاہ اور امیر کو نصیحت کرنے کی ہمت کرے تو اسے سید اہل زمان حضرت سفیان ثوری کی نصیحت جو انہوں نے اس بارہ میں فرمائی ہے نہیں بھولنی چاہئے۔ آپ نے فرمایا: بادشاہ کو نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کا فریضہ صرف وہ شخص انجام دے جو نیکی اور برائی کو اچھی طرح جانتا ہو، اور خود نیکی سے متصف اور برائی سے سے بچنے والا ہو نیز اس حکم کرنے اور روکنے میں منصف بھی۔

("حلیۃ الاولیاء" ابونعیم اصفہانی حالات ثوری ۱۶/۳۷۹)

مغنیہ کی نصیحت جس نے بادشاہ کو حرام کے بجائے حلال پر آمادہ کر دیا

کتنی بہترین و بلیغ ہے وہ نصیحت جس نے بادشاہ کو حرام کے بجائے حلال پر آمادہ کر دیا سب خوبیاں اس کے قائل اور فاعل کی ہیں۔

یہ ملک بادشاہ سلجوقی (مولود ۴۴۷ متوفی ۴۸۵ھ رحمۃ اللہ علیہ) کی مغنیہ کا قصہ ہے کہ جوان کے اوصاف و محاسن میں شمار کیا گیا ہے۔

رَی میں ان کے پاس ایک مغنیہ (گانے والی) لائی گئی آپ کو اس کا گانا بہت پسند آیا خود اس نے بھی آپ کو تعجب میں ڈال دیا اور آپ نے اس سے وقاح (زنا) کا ارادہ کر لیا، اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ مجھے غیرت آتی ہے کہ اتنے خوبصورت چہرے (یعنی بادشاہ) کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے، اور حلال کام بالکل آسان ہے

امام محاسبی نے فرمایا:

جس نے تجھ سے مداہنت سے کام لیا اس نے تجھے دھوکہ دیا[۱] جو تیری نصیحت قبول نہ کرے وہ تیرا بھائی نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس قوم میں کوئی بھلائی نہیں جو خیر خواہی نہ چاہنے والے ہوں، اور ان لوگوں میں بھی کوئی خیر نہیں جو خیر خواہی چاہنے والوں کو دوست نہ رکھتے ہوں[۲]۔

حلال وحرام میں صرف ایک کلمہ (ایجاب وقبول) ہی کا تو فاصلہ ہے۔ بادشاہ نے اس کی تصدیق کی اور قاضی کو بلوا کر اس سے نکاح کر لیا حتی کہ اس کی وفات بھی بادشاہ کے حرم میں ہوئی۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ (حالات ملک شاہ "وفیات الاعیان" ابن خلکان ۲/۱۴۴)

سبحان اللہ! اس کی یہ نصیحت کس قدر سچی عظیم حکمت پر مبنی اور برمحل تھی اور اس کا سننا مؤمن کے قلب وسمع پر کتنا خوشگوار ومؤثر ہوا، اور سامع نے کتنی جلدی مان کر اس پر عمل کر لیا، اے اللہ ہم کو اپنے حلال کاموں کے ذریعہ سے حرام کاموں سے بچا لیجئے اور اپنی اطاعت کی وجہ سے نافرمانی سے محفوظ فرمایئے اور اپنے فضل کے ذریعہ اپنے غیر سے مستغنی کر دیجئے اور خواہشات کی ہلچل سے کیوں کہ یہ تو ہلاکت وتباہی ہے۔

[۱] اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ جو تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے انحراف دیکھے اور پھر بھی تیرے سامنے تیرے افعال پر اپنی رضامندی کا اظہار کرے، اور نہ ہی تجھے نصیحت کرے، اور نہ اس پر تنقید کرے تو سمجھ لو کہ اس نے تمہیں دھوکہ دیا اس لئے اس کو منجملہ اپنے دشمنوں سے شمار کرو کہ اس طرح دشمن ہی کیا کرتے ہیں نہ کہ محبت کرنے والے دوست۔

[۲] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے: اللہ تعالیٰ اس انسان پر رحمت (کی بارش) کرے کہ جو عمر کو اس کے عیوب بتلائے، تو حضرت نے عیوب بتلانے والے کو خیر خواہ بھائی سے تعبیر فرمایا کہ جو تحفہ دے رہا ہو کہ اس تحفہ کے بدلہ میں اس کو دعاءِ رحمت کا تحفہ بھیجنا چاہئے۔

امام محاسبی نے فرمایا:
ہر موڑ پر سچائی کو اختیار کر نجات پائے گا۔[1]

حضرت حسن بصری کی نصیحت: کہ نصیحت کرنے والوں کے پاس بیٹھنا چاہیے

ایک آدمی نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ہم ان لوگوں کا کیا کریں کہ جو ہمیں (گناہوں پر) اتنا ڈراتے ہیں کہ خوف کی وجہ سے دل حلق میں اٹکے محسوس ہوتے ہیں حضرت حسن بصری نے فرمایا: تم ایسے لوگوں کے پاس بیٹھو کہ وہ تمہیں ڈراتے رہیں اور تم (گناہوں سے بچ کر) محفوظ ہو جاؤ کہیں بہتر ہے اس سے کہ تم ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو کہ تمہیں اطمینان دلاتے رہیں کہ تم خوف (عذاب) میں مبتلا ہو جاؤ۔ (''حلیۃ'' ۲/۱۵۰)

[1] سچائی کی فضیلت اور اس کا اثر

حافظ ابن الجوزی ''مناقب الامام احمد'' (صفحہ ۳۵۰) تمیم رازی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ابوزرعۃ رازی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے عرض کیا: آپ کو معتصم کی تلوار اور واثق کے کوڑہ سے کیسے نجات ملی؟ امام نے فرمایا: سچائی کو اگر زخم پر بھی رکھ دیا جائے تو وہ اچھا ہو جائے (یعنی مجھے نجات سچ کی وجہ سے ملی ہے)۔ ابن مفلح ''الآداب الشرعیۃ'' ۲/۲۰۰ پر ابوبکر مروذی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا: یہ بڑے بڑے آئمہ اس مقام تک کیسے پہنچے کہ لوگ ان کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: سچ کی وجہ سے۔ قاضی بصرہ ایاس بن معاویۃ مزنی کہتے ہیں: انسان کی سب سے اشرف واعلیٰ عادت زبان کی سچائی ہے اور جو اس فضیلت سے محروم رہا تو اس کا

فضول (لایعنی) کاموں سے پرہیز کر محفوظ رہے گا۔[1]

سب سے بہترین خلق چھن گیا۔ ("البدایہ والنہایہ" ۹/۳۳۶ حافظ ابن کثیر)

[1] یعنی فضول و لایعنی کاموں کے قریب جانے سے بچو، "**فضول فضل**" کی جمع ہے۔ پھر جمع کا استعمال مفرد کے معنی میں ہوا یعنی ایسے کام کے لئے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اسی کی طرف نسبت کر کے "فضولی" ایسے انسان کو کہا جاتا ہے جو لایعنی کاموں میں مشغول رہے، گویا اس کا نام ہی "فضولی" پڑ گیا۔ تو یہ مفرد کے قائم مقام ہو گیا، فقہاء کی اصطلاح میں "فضولی" ایسے آدمی کو کہتے ہیں کہ جو کسی چیز میں تصرف کرے جب کہ وہ نہ تو اس کا مالک ہے، نہ مالک کا وکیل ہے، اور نہ ہی اس کا ذمہ دار و سرپرست۔

رذائل سے پاکی میں مشکلات

لایعنی اور فضول قسم کے رذائل ہر جگہ بآسانی جگہ بنا لیتے ہیں، ان کے اندر آزمائش بہت وسیع ہے اور اس کا دائرہ پھیلا ہوا ہے جب کہ ان سے پاکی انتہائی مشکل ہے صرف وہی ان سے جان چھڑا سکتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں، اور مدد فرمائیں۔ رباح بن یزید لخمی (مولود ۱۳۴، متوفی ۱۷۲ھ) جو عبادت گزار، ثقہ عالم، مرد باصفا، زاہد، صاحب مجاہدات و اخلاق عالیہ جو اپنے زہد و عبادت میں ضرب المثل اور مستجاب الدعوات تھے۔ کہتے ہیں: (ان کی وفات صرف اڑتیس سال کی عمر میں ہوئی) میں اپنے نفس کو سال بہ سال گناہوں کے چھوڑنے کا عادی بناتا رہا یہاں تک کہ مجھے اس پر کنٹرول حاصل ہو گیا اور اپنی زبان کو فضولیات سے بچانے میں تدریجاً عادی بناتا رہا اور اس میں مجھے ۱۵ سال کا عرصہ لگا اس کے بعد مجھے اس پر کنٹرول حاصل ہوا۔ ابو عثمان سعید بن حداد فرماتے ہیں: میرا غالب گمان یزید لخمی کے بارے میں یہ ہے کہ بلوغ کے وقت سے انہوں نے ریاضت و مجاہدات شروع کر دیئے تھے اس لئے کہ ان

امام محاسبی نے فرمایا:

کی وفات اڑتیس سال کی عمر میں ہوئی ہے جب کہ یہ اپنے آپ کو مجاہدہ کا عادی بنا چکے تھے۔ (''طبقات علماء افریقیہ وتیونس'' ابی العرب قیروانی صفحہ۱۲۴۔ معالم الایمان بمعرفۃ اہل القیر وان ابی زید دباغ ۱/۲۶۰)

رذائل سے تخلی پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: چار چیزیں ایسی ہیں جس سے عقل میں ترقی ہوتی ہے۔ فضول و لایعنی کلام سے پرہیز، مسواک، نیک لوگوں کی صحبت، علماء کی صحبت۔ (''زادالمعاد'' ابن القیم ۳/۴۱۷)

چونکہ فضولیات و رذائل سے اجتناب وتخلی انتہائی مشکل ہے اس لئے مصنف (امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس کو اپنی اس کتاب میں متعدد مواقع میں ذکر کیا ہے۔ عنقریب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آرہا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: لایعنی قسم کی چیزوں ...... نیز اس کے بعد عنوان ''تصوف ترک فضول کا نام ہے'' سے اور اس کے بعد ''عطاء بن ابی رباح کا فضول سے پرہیز'' اور ''فضول کی اقسام'' اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود کا فرمان ''کہ میں تم کو فضول سے ڈراتا ہوں'' اس سے آگے ''فضول نظر کا سوال ہوگا'' اور پھر ''ترک فضول وسوسوں کو ختم کرنے والا ہے'' کے عنوان سے بھی آرہا ہے، ان مواقع میں مصنف نے بخدا بہت ہی مخلصانہ اور ناصحانہ طریقہ اختیار کیا ہے آپ کو بھی چاہئے کہ عافیت کی طلب میں ہر قسم کے رذائل سے پاکی حاصل کریں اس لئے کہ ایسی فضولیات کا انجام ندامت کے سوا کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی توفیق وتعاون سے یہ مقام عطا فرمادیں، حقیقت میں وہی نیک لوگوں کے دوست و مددگار ہیں۔

اس لئے کہ سچائی نیکی کے حصول اور نیکی[۱] اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ

---

[۱] صدق اور کذب انسان کے دل میں کیسے راسخ ہو جاتے ہیں

مصنف کے قول "یھدی الی البر" کا مطلب ہے کہ سچ انسان کو نیکی تک پہنچاتا ہے، حافظ ابونعیم "حلیۃ" ۲/۳۵۹ میں حضرت مالک بن دینار کے حالات میں سلیمان ضبعی سے نقل کرتے ہیں: مالک بن دینار فرماتے تھے: صدق اور کذب دونوں انسان میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں حتی کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کو نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، سچائی انسان میں ایسے پنپتی ہے جیسا کہ کھجور کا پودا کہ ابتداء میں زمین سے صرف چھوٹی سی کونپل نکلتی ہے اگر بچہ اس کو اکھاڑ دے تو اس کا بیج ہی مر جاتا ہے۔ اگر بکری کھالے تو بھی سرے سے وہ ختم ہو جاتا ہے لیکن باقی رہے اور اس کی سیرابی جاری رہے تو وہ بڑھتی رہتی اور پھیلتی ہے یہاں تک وہ جڑ پکڑ کر اس قابل ہو جاتی ہے کہ اس انتفاع حاصل کیا جائے اور شجر سایہ دار بن جاتی ہے کہ اس کے سائے میں بیٹھ کر استمتاع (فائدہ حاصل) کیا جائے اور اس کا پھل کھانے کے لائق ہو جاتا ہے۔

یہی حال سچائی کا ہے کہ قلب میں اس کا ضعیف سا اثر پایا جاتا ہے، صاحب قلب اس کی آبیاری کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھاتے ہیں، مزید آبیاری سے مزید اضافہ فرماتے ہیں حتی کہ یہ انسان کے لئے ایک برکت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے، پھر اس انسان کا کلام دوسروں (گناہگاروں) کے لئے تریاق بن جاتا ہے۔

جعفر کی روایت ہے، ابن دینار فرماتے: کیا تم نے ایسے سچے لوگوں کو نہیں دیکھا؟ پھر خود ہی فرماتے: ہاں ہم نے حسن بصری، سعید بن جبیر جیسے لوگوں کو دیکھا ہے ان جیسے لوگ اپنے تریاق جیسے کلام سے جماعتوں کو کھڑا کر دیتے۔

ہے۔ جھوٹ انسان کو گناہ[1] تک اور گناہ اللہ کی ناراضگی تک پہنچاتا ہے۔

[1] یعنی جھوٹ انسان کو گناہوں پر ابھارتا ہے اور وقوع فی الفسق (گناہ میں گرنے) کا سبب بن جاتا ہے۔ سیدۃ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں جھوٹ سے بڑھ کر رذیل کوئی رذیلہ نہیں تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اس میں جھوٹ کی وبا ہے تو آپ اس کے حق میں دعا فرماتے۔ حتیٰ کہ اس بارے میں آپ تک خبر پہنچتی کہ اس نے توبہ کر لی۔ (''العلل ومعرفۃ الرجال'' امام احمد بن حنبل ۱/۴۰۶)

جھوٹ کے ''قبح و حسن'' اور ان مواقع کا بیان جہاں پر جھوٹ بولنا جائز ہے

''مسودۃ آل تیمیہ فی اصول الفقہ'' میں مندرجہ ذیل بحث صفحہ ۲۳۳ میں ہے:

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا جھوٹ فی نفسہٖ قبیح (جو اپنی ذات اور اصل کے اعتبار سے برائی ہو) ہر حال میں گناہ ہے یا کہ موقع و محل کے اعتبار سے اس میں گناہ و عدم گناہ کے بارے میں حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اکثر علماء جن میں ابوالوفاء ابن عقیل (جو کبار ائمہ حنابلہ میں سے ہیں) بھی ہیں فرماتے ہیں: جھوٹ میں قباحت موقع و محل کے اعتبار سے ہے یہی وجہ ہے کہ بعض ایسی جگہ ہیں جن میں علماء نے جھوٹ کی اجازت دی ہے اور اس کو مستحسن کہا ہے۔

جب کہ علماء کی ایک چھوٹی جماعت کی یہ رائے بھی ہے کہ اس میں فی ذاتہ قباحت ہے، البتہ جہاں پر شریعت نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے تو اس کے بارے میں ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں بھی اسی کی قباحت تو موجود ہے لیکن شریعت نے اس سے بڑے قبیح (برائی) کو دفع کرنے کے لئے اس کو جائز قرار دیا ہے

لیکن ابن عقیل نے اس کو بعید کہا ہے۔ بہر حال دونوں مذہبوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک جھوٹ سے توریہ (کلام کو مبہم) کر کے بچنا ممکن ہو تو جھوٹ حرام ہے۔ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول فیصل اس بارے میں یہ ہے کہ جو حضرات افعال میں قباحت عقلی (یعنی گناہوں میں برائی وخرابی کا مدار عقل پر) کا انکار کرتے ہیں اور اس کا مدار شریعت پر رکھتے ہیں یعنی شریعت جس کو قبیح فرمائے وہ قبیح اور جس کو حسن کہے وہ حسن ہے تو ان کے نزدیک جھوٹ موقع ومحل کے اعتبار سے قبیح اور حسن ہے اور جو حضرات علماء شریعت کے علاوہ عقل کے اعتبار سے بھی افعال کے حسن وقبح کے قائل ہیں اور احکام کو اسباب عقلی پر دائر سمجھتے ہیں تو اس کو قبیح لذاتہ (ہر حال میں گناہ) کہتے ہیں۔ انتہی۔

(اسباب عقلی پر مدار کا مطلب یہ ہے کہ بعض افعال انسانی کہ جن کو عقل برا سمجھتی ہے تو وہ گناہ ہیں، اور جن کو اچھا سمجھتی ہے وہ ثواب ہیں، اور شریعت نے بھی اس کا خیال رکھا ہے۔ از مترجم)

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جمہور علماء کے قول کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ کلثوم بنت عقبہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی جھوٹا نہیں ہے (جو جھوٹ بول کر) لوگوں میں صلح کرائے خیر کی بات نقل کرے اور کہے۔

علامہ مناوی فیض القدیر ۳۵۹/۵ پر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صلح کروانے والے سے جھوٹ کی نفی کی ہے وہ اس کے ارادہ کے اعتبار سے ہے، یہ صلح وغیرہ ایسے امور ہیں کہ ان میں انسان بعض اوقات بات کے بڑھانے، اور اصلاح چاہنے میں سچائی سے تجاوز کر کے جھوٹ بولنے کا محتاج ہوتا ہے، لہٰذا اصلاح جو ایک بڑا مقصد ہے کے حصول کے لئے فساد قلیل کی اجازت

امام محاسبی نے فرمایا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: لایعنی قسم کی چیزوں کے بارے میں بحث مباحثہ نہ کرو، بلکہ بہت سی کام کی باتوں کو بھی ترک کردو، بے وقوف سے اور نہ ہی سمجھ دار سے مجادلہ کرو[1] اپنے مسلمان بھائی کا تذکرہ اس طرح سے

دی گئی ہے۔ صلح کرانے میں جھوٹ کی صورت یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی طرف سے بھلی بات کہے اور اس کے اچھے جذبات نقل کرے اگرچہ اس نے ایسی بات منسوب الیہ (قائل) سے نہ سنی ہو لیکن یہ اصلاح کے ارادہ سے ہونا چاہیئے۔

اور لڑائی (جہاد) میں جھوٹ کی صورت یہ ہے کہ اپنی قوت وشوکت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے اور ایسی بات کرے جس سے ساتھیوں کے حوصلے بلند ہوں، اور دشمن سے مکر وفریب کرے۔

اور بیوی کے سامنے جھوٹ بولنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے اچھی باتوں کا وعدہ کرے اور نیک تمنائیں دلاتا رہے، اپنی محبت (جو اس کے دل میں اس کی ہے) کو بڑھا کر پیش کرے تاکہ اس کا ساتھ دائمی رہے اور اس سبب اس کے اخلاق پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں۔ امام نووی فرماتے ہیں: علماء نے جھوٹ کی مباح صورتوں کو ضبط کردیا ہے لیکن سب سے اچھی صورت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے وہ فرماتے ہیں: کلام (بذات خود مقصد نہیں بلکہ) مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے تو ہر وہ مقصد (جو شرعی اعتبار سے محمود و مستحسن) ہو اور اس تک پہنچنا سچ اور جھوٹ دونوں سے ممکن ہو تو وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں، اور اگر اس مقصد تک بغیر سچ کے وصول ممکن نہ ہو تو پھر جھوٹ بولنا جائز ہے اور اگر وہ مقصود مباح (جس کا کرنا نہ کرنا شریعت میں برابر ہو) ہے تو جھوٹ بھی مباح ہوگا، اور اگر مقصود واجب وضروری ہے تو جھوٹ بھی واجب ہو جائے گا۔ انتہی۔

[1] یعنی لوگوں سے جھگڑا مت کرو کیونکہ ان جھگڑوں میں کوئی خیر نہیں، اس کے

کرو جیسے کہ تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارا ذکر کرے، اعمال ایسے انسان کی طرح کرو کہ جس کو نیک بدلہ ملنے کا یقین ہو، اور نامناسب جرم پر مواخذہ کا ایمان ہو[۱] اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو، امیدیں قلیل رکھو، قبرستان میں اس نیت سے جایا کرو کہ تمہیں موت یاد آجائے[۲] دنیا میں ایسے چلو پھرو جیسا کہ تم میدان حشر میں کھڑے ہو[۳]

بارے میں مزید تفصیل آگے بعنوان "جدال اور جدل کی تعریف" میں آرہی ہے جہاں پر "مجادلہ" کے بارے میں بحث ہے۔

۱؎ صراحۃً یہی الفاظ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "نزہۃ المجالس" حافظ ابن عبدالبر ۲/۲۵۰، ۲۵۱ میں موجود ہیں۔

۲؎ یعنی حضور قلب سے قبرستان جایا کرو، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زُرِ القُبُوْرَ تَذْكُرْ بها الآخرة، واغسلِ الموتٰى فإن مُعَالَجَةَ جَسَدٍ خاوٍ موعظةٌ بلِيْغَةٌ وصلّ على الجنائزِ لعلّ ذلك يحزُنُك؟ فإن الحَزِيْنَ فى ظلِّ اللّٰهِ يَوم القيامةِ" قبروں کی زیارت کیا کرو اسے تمہیں آخرت کی یاد آئے گی، مردوں کو غسل دیا کرو اس لئے کہ روح کے بغیر جسم سے اختلاط میں بہت نصیحت حاصل ہوتی ہے، مردوں کی نماز جنازہ میں شرکت کیا کرو توقع ہے کہ تمہیں اس سے آخرت کی فکر پیدا ہو، دنیا میں غمگین رہنے والا روز قیامت اللہ تعالیٰ کے سایہ کے نیچے ہوگا۔ "مستدرک حاکم" ۴/۳۳۰۔ امام حاکم اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام ذہبی "تلخیص المستدرک" میں کہتے ہیں "یہ صحیح ہے"۔

۳؎ عذاب آخرت کا استحضار قلبی دنیا سے بے توجہی کا سبب ہے

یہ آسان معاملہ نہیں جب تفکیر کے ساتھ بیداری کامل آجائے تو انسانی دل پھٹنے لگتا ہے۔ اسلاف میں بہت سے حضرات میں یہ وصف (بدرجہ اتم) موجود تھا۔ جلیل

القدر تابعی ربیع بن خثیم (تلمیذ خاص صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آتے تو آپ ارشاد فرماتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیکھ لیتے تو ضرور پسند فرماتے۔ اور میں تمہیں ہر وقت متفکر ہی دیکھتا ہوں۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود ان کو دیکھتے تو یہ آیت تلاوت فرماتے: "وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ" "بشارت سنا دیجئے عاجزی کرنے والوں کو" اور حضرت ربیع کی یہی حالت تھی۔

حضرت ربیع بن خثیم کی بے ہوشی

حافظ ذہبی "تذہیب التہذیب" اور ان کے علاوہ دوسرے مورخین ومحدثین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ربیع بن خثیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما دریائے فرات کے کنارے جا رہے تھے کہ راستہ میں لوہاروں کے پاس سے گزر ہوا، حضرت ربیع نے جب ان لوہاروں کی انگیٹھیوں کی آگ اور اس کے غیض وغضب وچیخ چنگھاڑ کو دیکھا تو یہ آیت پڑھی:

﴿اِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا﴾

ترجمہ: "جب وہ دیکھے گی ان کو دور کی جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجلانا اور چلانا" (الفرقان آیت:۱۲)

تو غش کھا کر گر پڑے، اتنے میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان کو آواز دی لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر ان کو آواز دی پھر بھی یہ ہوش میں نہیں آئے اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود نے عصر کی نماز پڑھائی اور واپس آ کر ان کو پکارا: ربیع، ربیع، پھر بھی ان کو ہوش نہ آیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی پھر بھی ان کو ہوش نہ آیا یہاں تک کہ سحری کی ٹھنڈک وجہ سے ہوش میں آئے۔

انتھی۔

آخرت کے حالات سے حضرت عبداللہ بن مبارک کا متاثر ہونا

تاریخ بغداد ۱۰/ ۱۶۷ میں حضرت عبداللہ بن مبارک کے حالات میں ہے نعیم بن حماد کہتے ہیں: عبداللہ بن مبارک جب ”کتاب الرقاق“ کا مطالعہ فرماتے تو ایسا روتے معلوم ہوتا کہ ذبح شدہ بیل یا گائے کی طرح ڈکار رہے ہیں، کوئی ان کے قریب جانے کی جرأت نہ کرسکتا، نہ کوئی کچھ پوچھنے کی ہمت پاتا۔

آخرت کے حالات سن کر ابن وہب کے دل کا پھٹ جانا

امام، محدث، فقیہ، عابد وزاہد، عبداللہ بن وہب قرشی مصری، (امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد متوفی ۱۹۷ھ) کے حالات ”ترتیب المدارک“ قاضی عیاض ۳/ ۲۴۱ میں ہے کہ یونس روایت کرتے ہیں: ابن وہب فرماتے ہیں کہ مجھ سے اصحاب حدیث نے مطالبہ کیا کہ میں ان کے سامنے جنت وجہنم کے حالات بیان کروں لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ میں ان حالات کو بیان کرسکوں۔ (ان کے حالات میں ہے) انہوں نے جہنم کے حالات بیان کرنا شروع کئے تو ان پر غشی طاری ہوگئی لوگوں نے پانی کے چھینٹے مارے کہ ہوش میں آجائیں لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ ان کے سامنے جنت کے حالات بیان کئے جائیں شاید کہ ہوش میں آجائیں لیکن وہ ہوش میں نہیں آئے۔ بارہ دن تک متواتر ان کا یہی حال رہا کسی سے کوئی بھی کلام نہیں کر سکے پھر طبیب کو بلوایا گیا تو اس نے بتلایا کہ ان کا دل کر ان کا انتقال ہوگیا۔ مولف امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس موضوع پر ایک عمدہ نفیس کتاب ہے جس کا نام ”التوہم“ ہے جو مصر سے ۱۳۵۷ھ چھپ چکی ہے، اس میں جہنمیوں کے حالات، اور جہنم میں

امام محاسبی نے فرمایا:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اپنے آپ کو مُردوں میں سے سمجھو، یقین رکھو کہ برائی کو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا، اور بھلائی کبھی فنا نہیں ہو سکتی[1]۔ جان لو کہ وہ تھوڑا مال جو تمہیں مستغنی کر

جانے سے پہلے و بعد کے واقعات، واحساسات، وعذاب کا تذکرہ ہے۔ جیسا کہ اس میں جنت کی صفت، اس کی نعمت وتکریم وجزائے خیر کا بیان ہے۔ مصنف نے دونوں کے حالات کو مرحلہ وار تدریجاً بیان کیا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پڑھنے والا ان کو دیکھتی آنکھوں مشاہدہ کر رہا ہے۔ آپ نے ان کو انتہائی بلاغت، شیریں بیانی، صاف اور واضح زبان میں پیش فرمایا ہے جو کہ انتہائی مؤثر اور بلیغ ہے، پڑھنے والے کو خوف و رقت ونصیحت سے بھر دیتی ہے، اور اس کو آخرت کے عمل کے لئے تیار کر دیتی ہے، اس سے ضرور پڑھنا چاہئے اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق بخشیں۔

لہ اس بات کا یقین رکھو کہ تمہارے عمل کی یادداشت لوگوں کے ہاں اور اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے نیز مذکور بھی ہے کہ اس کا تذکرہ ہوگا اس لئے اچھے اعمال کرو تاکہ تمہارا ذکر بھی اچھا ہو، عرب کے مشہور دانش ور اکثم بن صیفی تمیمی جو اسلام لانے کے ارادہ سے اپنی قوم کے ایک سو افراد کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف چلے لیکن راستہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بہر حال اسلام کی دولت سے مشرف ہو چکے تھے آپ کے ساتھی مدینہ طیبہ پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پہ اسلام قبول کیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم تمام لوگ سراپا خبریں (واقعات) ہو لہٰذا اپنی اخبار وقصص کو پسندیدہ (وخوبصورت) بناؤ، یقیناً انہوں نے درست فرمایا: امام ابن درید اپنے ''مقصورہ'' میں کہتے ہیں:

﴿إنّما المرءُ حديثٌ بعدهُ. فكُن حديثًا حسنًا لِمَنْ وعى﴾

دے اس زیادہ مال سے بہتر ہے کہ جو تمہیں اللہ تعالیٰ کا سرکش بنا دے۔[1]

امام محاسبی نے فرمایا:

مظلوم کی بددعا سے بچو۔[2]

ترجمہ: ''انسان کے بعد اس کا تذکرہ ہی رہ جاتا ہے، یاد رکھنے والوں کے لئے اچھی چیزیں چھوڑ کر جاؤ۔''

[1] حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: دنیا کی غافل کر دینے والی چیزوں اور ساز و سامان سے بچو، کیونکہ دنیا کے اندر مشغول کر دینے والے کام بہت زیادہ ہیں، جب کوئی انسان اپنے لئے دنیا کا ایک دروازہ کھولتا ہے تو جلد ہی اس پر مزید دس دروازے کھل جاتے ہیں۔ (''حلیۃ'' ابی نعیم ۲/۱۵۳)

جلیل القدر تابعی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب کسی قوم پر نعمتیں بکثرت ہو جائیں تو اس کے دشمنوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

(''العلل ومعرفۃ الرجال'' ۱/۱۷۴)

[2] مظلوم کی بددعا کی قبولیت کا بیان اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو

مظلوم کی پکار سنی جاتی ہے اگرچہ وہ نافرمان، فاسق، کافر و مشرک ہی کیوں نہ ہو، اور اس آیت میں موجود ہے:

﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ اِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾

''اور کافروں کی سب پکار گمراہی ہے۔'' (الرعد:۱۴)

تو اس سے مراد ان کا بتوں اور باطل معبودوں کو پکارنا ہے جیسا کہ سابقہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے۔ اور اگر یہ مراد لے لیا جائے کہ اس سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ کو ہی پکارنا ہے تو اس پکار و دعاء سے خاص نجات و جہنم سے چھٹکارے کے لئے پکارنا

مراد ہوگا۔ رہی بات دنیا کی تو اس میں مظلوم کی آہ مقبول ہوتی ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو اور اس کی دلیل آئندہ حدیث ہے: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اتَّقُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ وإن كان كافرًا، فإنّها ليس دُوْنَهَا حِجَابٌ" مظلوم کی بددعا سے بچو کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے (بخاری ۸/ ۵۱، مسلم ۱/ ۱۹۷) اور امام احمد، ابو یعلی، ضیاء مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ "المختارۃ" میں ان الفاظ سے روایت کرتے ہیں: مظلوم کی بددعا سے بچو اگرچہ وہ کافر ہو، اس لئے کہ اس کے آگے کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ یعنی اس کی قبولیت میں کوئی مانع نہیں ہوتا وہ ہر حال میں مقبول ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "دعوةُ المظلُومِ مُسْتَجَابَةٌ، وإن كانَ فاجرًا فَفُجُورُهُ على نَفْسِهٖ" مظلوم کی دعاء قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہو کیونکہ اس کا فسق و فجور اپنے لئے ہے۔

مسند امام احمد میں امام احمد نے اس کو "اسناد حسن" سے روایت کیا ہے ۲/ ۳۶۷۔

وزیر یحییٰ برمکی اپنی قید کا سبب مظلوم کی بددعا کو گردانتا ہے

اس مقام کے مناسب وزیر یحییٰ بن خالد برمکی کا واقعہ ہے جو انتہائی عجیب و غریب ہے، یحییٰ بن خالد برمکی مشہور سخی تھا، جو اپنی سخاوت و داد و دہش میں ضرب المثل ہے، اس کا واقعہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد ۱۴/ ۱۲۸۔۱۳۲ میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے عباسی خلیفہ مہدی نے اپنے بیٹے ہارون الرشید کو یحییٰ بن خالد برمکی کے حوالہ کرتے ہوئے اس کی گود میں دے دیا یحییٰ نے اس کی پرورش کی اور اس کی بیوی نے ہارون الرشید کو اپنے بیٹے فضل کے ساتھ دودھ پلایا گویا ہارون الرشید یحییٰ کا رضاعی بیٹا ہوگیا۔ ہارون الرشید جب خلیفہ بنا تو اس نے یحییٰ کی بڑی قدر کی، اور اس کا استحقاق جانتے ہوئے اس کو وزیر بنا دیا۔ خلیفہ اس کی بہت عزت کرتا اور جب اس کی طرف

متوجہ ہوتا تو ابا جان کہہ کر پکارتا، امور داخلہ و خارجہ سب اس کے حوالے کئے ہوئے تھے، لیکن جب ہارون الرشید برامکہ پر غضب ناک ہوا تو یحییٰ بن خالد اس کا معتوب بن گیا، اور اس کو عمر قید کی سزا دے دی، یہاں تک کہ یحییٰ ۱۹۰ھ میں قید کے دوران ہی مر گیا، اور ہارون نے اس کے بیٹے جعفر کو قتل کر دیا، جیل میں جعفر نے اپنے والد یحییٰ بن خالد سے کہا: ابا جان! اتنی حکومت وسلطنت اور عظیم الشان مال ومتاع کے بعد بھی زمانے نے ہمیں جیل میں رہنے، اور ان کا لباس پہننے، اور بیڑیاں گھسیٹنے پر مجبور کر دیا ہے، والد نے کہا: بیٹا شاید یہ مظلوم کی بددعاء کا نتیجہ ہے کہ جو رات کی تاریکی میں بھی اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتی ہے۔ ہم اس سے بے خبر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کریم اس سے غافل نہیں ہیں پھر اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

رُبَّ قَوْمٍ غَدَوْا فی نِعْمَةٍ
زَمَنًا والدَّهْرُ رَيَّانٌ غَدَقْ
سَكَتَ الدَّهْرُ زَمَانًا عَنْهُم
ثم أبكاهم دَمًا حِينَ نَطَقْ

بہت سے لوگ مدتوں نعمتوں میں پلے، اور وقت ان کے لئے پر بہار وخوشگوار تھا، یہ زمانہ ان کے بارے میں خاموش رہا، پھر جب بولا تو ان کو خون کے آنسو رلا گیا۔ تاریخ بغداد کا بیان کچھ کمی وزیادتی کے ساتھ مکمل ہوا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی ''شرح الاربعین النوویۃ'' صفحہ ۱۹۴ پر ۲۴ ویں حدیث کی شرح (جو یہ ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور آپ رب تعالیٰ سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''إني حرّمتُ الظُّلم على نفسي وجعلته بينكم محرّمًا، فلا تَظَالَمُوْا'' ''میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر دیا اور میں نے تمہارے درمیان بھی اس کو حرام کر دیا ہے لہٰذا ایک

دوسرے پر ظلم نہ کرو") کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مظلوم کی آہ سحر گاہی قاتل تیر ہے

روایت ہے کہ امیر نوح بن اسد بن سامان (جو ماوراء النہر کا گورنر رہا ہے) نے جب اہل سمرقند پر ٹیکس عائد کیا تو اپنا ایک نمائندہ سمرقند کے امیر کی طرف بھیجا اس نے علاقے کے آئمہ، مشائخ، اور سرداروں کو جمع کیا، اور ان کو خط پڑھ کر سنایا، مشہور فقیہ ابو منصور ماتریدی نے خط لانے والے سے کہا۔تم نے امیر کا پیغام ہم تک پہنچا دیا لہٰذا اب ہماری طرف سے جواب لکھو، اور اس سے کہو! تم اپنے ظلم میں اضافہ کرتے رہو ہم اپنی آہ سحر گاہی میں اضافہ کریں گے۔ پھر سب لوگ اٹھ کر چلے گئے، کچھ ہی دن گزرے تھے کہ امیر نوح بن اسد مقتول پایا گیا، اور اس کے پیٹ میں لوہے کا تیر پیوست تھا جس پر لکھا تھا

بَغٰی وَلِلْبَغْیِ سِهَامٌ تُنْتَظَر
أَتَتْهُ مِن أَيدی المَنَايَا والقدرْ
سِهَامُ أَيْدِی القَانِتَاتِ فِی السَّحَر
يَرْمِيْنَ عَنْ قَوْسٍ لَهَا اللَّيلُ وَتَرْ

ترجمہ: "اس نے بغاوت وظلم کیا اور ظلم کے تیر انتظار میں رہتے ہیں، جو موت اور قضاء وقدر کی طرف سے پہنچتے ہیں، یہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر عبادت کرنے والوں کے ہاتھوں سے چلائے ہوئے تیر ہیں، جو اپنے تیر کمان سے راتوں میں چلاتے ہیں۔"

دو شعر انصاف کی تعریف اور ظلم کی مذمت میں

اس مقام کے مناسب وہ اشعار ہیں جو میں نے جمہوریہ شام میں دمشق کے محل

امام محاسبی نے فرمایا:

پھر اپنا سامان سفر تیار کرلو[1] اور اپنے لئے آخرت کا زاد راہ مہیا کرلو[2] اپنے آپ کی طرف سے خود ہی جانشین بن جاؤ، دوسرے لوگوں کو اپنا جانشین و وصی (وصیت کو

کے شمالی ہال کی اونچی لکڑی سے بنی ہوئی دیواروں پر کنداں دیکھے

حفِظَ التاریخ فی طیّاتِہٖ
اسم مَنْ شادُوْا علی العدْلِ الدُّوَلْ
ولَقَدْ أنبأَ عَمَّنْ ظلمُوا!
فَجَرٰی ذکرُھم مَجْرَی المَثَلْ

تَرجَمَۃ: ''تاریخ نے اپنے اورق وادوار میں ان لوگوں کے نام محفوظ کر لئے جنہوں نے انصاف سے اپنی سلطنتوں کو مضبوط کر لیا تھا، ایسے ہی ظالموں سے بھی خبردار کیا کہ جن کا ذکر ضرب المثل بن کر مشہور ہوا۔''

شیخ فرماتے ہیں: فقیہ ابی منصور ماتریدی (محمد بن متوفی ۳۳۳ھ) کا ذکر امیر نوح بن اسد (متوفی ۲۴۵) کے ساتھ عجیب سا ہے اس میں توقف کرنا چاہئے کیونکہ دونوں کے درمیان زمانی فاصلہ بہت زیادہ ہے۔

(شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: یہ دونوں اشعار انتہائی بلیغ اور بامعنی ہیں۔ یہ مشہور شاعر ابوالعتاہیۃ کے ہیں، پہلا شعر امام سمعانی کی کتاب ''الانساب'' ۲/۴۰ میں اس کی طرف منسوب ہے۔ لیکن مجھے ابوالعتاہیۃ کی کتاب ''ابولعتاہیۃ: شعرہ واخبارہ'' میں نہیں ملے۔ جو ''ڈاکٹر شکری فیصل'' کی تصنیف ہے۔

[1] یعنی آخرت میں جس سامان کی تمہیں ضرورت ہو اسے درست کرلو۔

[2] یعنی آخرت کا توشہ (اعمال صالحہ) سے اپنا زادراہ لے لو۔

نافذ کرنے والا) مت بناؤ[1] اپنے معاملے کو سمجھو، اور اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ[2] تم سے اپنی عمر کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔[3] حضرت ابوامامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱؎ ''نہج البلاغۃ'' ۴/۱۴۵ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا: اے ابن آدم اپنے مال میں اپنے خود ہی جانشین بن جاؤ، اور جن اعمال کو تم اپنی موت کے بعد پسند کرتے ہو کہ تمہارے واسطے کیے جائیں، ان کو اپنی زندگی میں خود ہی کرلو، یہی قول حضرت ربیع بن خثیم تلمیذ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف ''کتاب الزہد'' امام احمد صفحہ ۳۴۳ میں منسوب کیا گیا ہے۔

۲؎ یعنی اپنی غفلت کی نیند کے بارے میں قیامت کے دن تم سے سوال ہوگا۔

میں اپنے مال کو اپنے پروردگار کے پاس اور اپنے پروردگار کو بچے کے لئے ذخیرہ کر رہا ہوں

''سیر اعلام النبلاء'' میں حافظ ذہبی نے ۵/۶۸ پر تابعی محمد بن کعب قرظی کے حالات میں لکھا ہے (متوفی ۱۰۸) مدینہ میں ان کی ملکیتی کچھ چیزیں تھیں پھر انہیں کچھ مال مزید حاصل ہوا۔ لوگوں نے ان سے کہا: اس مال کو اپنے بچے کے لئے بچا کر چھوڑیں آپ نے فرمایا: نہیں۔ بلکہ میں مال کو اپنے لئے رب کے پاس ذخیرہ کروں گا، اور اپنے رب کو اپنے بچے کے لئے ذخیرہ کے طور پر چھوڑ کر جاؤں گا۔ سبحان اللہ! کیا بہترین ذخیرہ اور کیسی بہترین ذات پاک ہے جس کے پاس ذخیرہ کیا جا رہا ہے۔

۳؎ حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا تزولُ قدمَا عبدٍ یومَ القِیامةِ حتّٰی یُسألَ عن أربعٍ! عن عُمُرِہِ فیمَ أفْنَاہُ؟ وعن علمِہِ ماذا عَمِلَ بِہِ؟ وعن مالِہِ من أَیْنَ اِکتسبَہ وفیمَ أنفقَہَ وعن جِسْمِہِ فیمَ أبلاہُ؟'' بندے کے

فرماتے ہیں: اگر ابن آدم اپنے رب کے بارے میں ادراک کر لے تو اس کی محنت سے یہ بات بہتر ہے۔

جان لو جس نے اپنی فکر کو آخرت کی تیاری میں لگا دیا اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے معاملات میں اس کو کافی ہو جاتے ہیں، جیسا کہ حدیث مبارک میں مروی ہے: جتنا تم سے ہوسکتا ہے دنیا کے افکار و ہموم سے اپنے آپ کو فارغ کو لو، کیونکہ جو دنیا کو اپنے افکار کا مرکز و مقصد بنا لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو اس پر (کھول کر منتشر فرما) دیتے ہیں[۱] اور اس کا فقر اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتا ہے[۲] اور جس کا بڑا مقصد آخرت بن جائے اللہ تعالیٰ اس کے معاملے کو منضبط فرما دیتے ہیں، اور اس کے دل میں غنی و بے نیازی بھر دیتے ہیں، اور جو بندہ دل سے اپنی پروردگار کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ مؤمنین کے دلوں کو رحمت و محبت سے اس کا مطیع و فرمانبردار بنا

قدم قیامت کے دن اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائیں گے کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا: عمر کے بارے میں کہ کہاں گزاری؟ علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا؟ مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ جسم کے بارے میں کہ کہاں گنوایا؟ امام ترمذی اپنی جامع ترمذی میں کتاب ''صفة یوم القیامة'' میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''حدیث حسن صحیح'' (یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن اور صحیح) ہے۔

۱؎ یعنی اس کے معاشی مسائل میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ جو اس کو اس کی آخرت سے غافل کر دیتے ہیں جیسا کہ ''نہایہ'' ابن اثیر میں ہے۔

۲؎ اس کو ایسا محتاج بنا دیتے ہیں کہ اس کو اپنی محتاجی اور محرومی بالکل سامنے دکھائی دیتی ہے۔

دیتے ہیں۔[1]

پیارے بھائی: اللہ کے کلام قرآن پاک میں شکوک وشبہات سے بچو۔[2] دین میں

---

[1] حدیث مذکور علامہ سیوطی نے "الجامع الصغیر" میں جو علامہ مناوی کی شرح (فیض القدیر) کے صفحہ ۳/۲۶۰ پر ہے۔ جس کے الفاظ ان سے ملتے جلتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دونوں (جامع الصغیر وطبرانی) میں "جمع اللّٰه أمره" ہے لفظ "له" نہیں ہے۔ اور اس کا آخری جملہ "جامع صغیر" میں اس طرح ہے: "تفد اليه بِالْوُدِّ وَالرَّحْمَةِ" "یعنی جلدی سے مائل ہو جاتے ہیں" اور اس کے بعد یہ الفاظ ہیں: "وَكَانَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكُلِّ خَيْرٍ إِلَيْهِ أَسْرَعُ" "اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز جلدی سے پہنچتی ہے۔" شارح علامہ مناوی فرماتے ہیں: امام منذری نے اس کو ضعیف بتلایا ہے۔ ہیثمی کہتے ہیں: اس کی سند میں محمد بن سعید بن حسان مصلوب ہیں۔ جو "کذاب" ہیں، اسی طرح دوسروں نے بھی اس کو (ضعیف) کہا ہے" (علامہ مناوی کا کلام مکمل ہوا) شیخ عبدالفتاح فرماتے ہیں: اس بنیاد پر یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] یعنی اس کے اللہ کا کلام ہونے میں شک نہ کرو یا اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس بات میں مت پڑو کہ یہ کلام حادث (عدم سے وجود میں آیا ہے) یا قدیم (ہمیشہ ہمیشہ سے موجود ہے) یا اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ آیات جن کی مراد ومعنی واضح نہیں ہیں (جیسا کہ اللہ عزوجل کی طرف اعضاء کی نسبت) ان میں بحث مباحثہ نہ کرو، اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ قرآن پاک کی خود قرآن پاک سے تکذیب نہ کرو، کہ بعض آیات کو بعض کے مقابل ومخالف بتا کر اس کو غلط بتلاؤ۔ جس کی وجہ سے اس میں عیب لگانے اور شک سرایت کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔

حق یہ ہے کہ قرآن پاک میں غور وفکر کے ذریعہ آیات میں مطابقت کی کوشش

کی جائے اور جس حد تک ممکن ہو سکے اس کے مختلف مضامین میں تطبیق دی جائے، اس لئے کہ کلام پاک کے اجزاء و آیات ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی اشکال پیش آ جائے اور تطبیق کی کوئی شکل بھی نہ ہو تو گمان رکھنا چاہئے کہ یہ ہمارے سوءِ فہم کی وجہ سے ہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو، اور نبی کریم پر چھوڑ دو کہ وہی اس کے حقائق کو جاننے والے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾

(النساء: آیت ۵۹)

"پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ اور رسول کی طرف۔"

امام احمد "مسند احمد" میں ۲/۳۰۰ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نَزَلَ القرآنُ علی سبعةِ أحرُفٍ، المراءُ فی القرآن کُفرٌ ثلاث مرات فما عَرَفْتُمْ مِنه فَاعْمَلُوْا به وما جَهِلْتُمْ منه فرُدُّوهُ الی عالِمِهٖ" قرآن پاک سات حروف (کے اختلاف) کے مطابق نازل ہوا ہے۔ قرآن میں (کسی قسم کا) مجادلۃ (بحث مباحثہ) کفر ہے۔ آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ پھر (آپ نے فرمایا) جو تمہیں سمجھ میں آئے اس پر عمل کرو، اور جو سمجھ میں نہ آئے اس کو اس کے جاننے والے کی طرف لوٹا دو۔"

("فیض القدیر" مناوی ۶/۲۶۵)

"جدل" اور "جدال" کے معنی

"جدال" کے معنی ایک دوسرے سے کلام میں جھگڑنا غلبہ حاصل کرنے کے لئے۔ یہ عرب کے مقولہ "جَدَلْتُ الحَبْلَ اَجْدُلُهٗ" سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں "رسی کو مضبوط بٹنا" گویا کہ کلام میں جھگڑنے والا ایک دوسرے پر غلبہ پانے، دوسرے کو اپنی رائے سے ہٹانے، ذاتی رائے کو پختہ کرنے کے لئے کلام کو بار بار

دہراتے ہیں جیسا کہ رسی کو بٹنے کے لئے اس کو بل دیئے جاتے ہیں، یہ ”مجادلۃ“ (شریعت) میں مذموم ہے البتہ بطریق انصاف و اظہار حق کے لئے جائز ہے، لیکن ایسا کرنے والے آج کل بہت کم ہیں۔

”جدل“ اور ”تفہیم“ میں فرق

دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب تم کسی سے مباحثہ کرو غلبہ پانے کے ارادہ سے تو ایسا انسان ”مُجَادِلْ“ (جدال کرنے والا) ہے۔ لیکن اگر تم اس کو سمجھانا، اور اپنی رائے کا قائل کرنا چاہتے ہو، تو یہ ”تفہیم“ ہے اور آپ دیکھیں گے کہ اس طریقہ سے سامع آپ کی بات جانئے حقیقت تک پہنچنے کا مشتاق ہو جائے گا۔ آپ سے محبت رکھے گا اور آپ کی فضیلت کا معترف ہو جائے گا۔

”جدال“ جو شرعاً مذموم ہے

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ ”المتشابہ فی القرآن“ صفحہ ۱۱ پر فرماتے ہیں: جاننا چاہئے کہ انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی باتوں سے پرہیز کرے، اور اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو ”جدال“ کے مرض میں مبتلا فرما دیتے ہیں، اور جب کسی بندے کے ساتھ ان کا ارادہ نیکی کا ہوتا ہے تو اس کو عمل کی توفیق مرحمت فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے تم سے زبان چھین کر دل عطا فرما دیا ہے تو سمجھ لو کہ ان کا ارادہ مہربانی اور شفقت کا ہے، اور اگر دل لے کر زبان دے دی ہے تو سمجھ لو کہ تمہاری مصیبت بڑھ کر بہت بڑی ہو چکی ہے، جب کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”جدل“ میں پڑنے سے منع فرمایا ہے، اور ہدایت سے گمراہی کی طرف پھیرنے کا سبب بتلایا۔ صحابی جلیل حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی قوم ہدایت ملنے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر یہ کہ

اس کو ''جدل'' میں مبتلا کر دیا جائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا، بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾

(الزخرف: آیت ۵۸)

''یہ مثال جو ڈالتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو، بلکہ لوگ ہیں جھگڑالو۔''

مسند امام احمد ۵/۲۵۲، مستدرک حاکم (۲/۴۴۸) نے اس کو صحیح کہا ہے۔ امام ذہبی نے اس کی توثیق کی ہے۔

امام احمد ''مسند'' میں حضرت مکحول بواسطہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (لیکن چونکہ حضرت مکحول کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے اس لئے سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے) کہ آپ نے فرمایا: ''لَا يُؤمِنُ العَبْدُ الإيمانَ كلَّهُ حتى يترك المِرَاءَ وإن كَانَ صَادِقًا'' بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا کہ جب تک وہ حق پر ہونے کے باوجود بھی مجادلۃ و مباحثہ کو ترک نہ کردے۔ (۲/۲۵۲ اور ۳۶۴)

امام ترمذی (سند ضعیف کے ساتھ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا تُمَارِ أخاكَ'' ''اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرو۔'' نیز امام ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ تَرَكَ المِرَاءَ وَهُوَ محقٌّ بُنِيَ لَهُ قَصْرٌ فی وسَطِ الجنَّةِ'' جو حق پر ہونے کے باوجود مجادلۃ و بحث و مباحثہ چھوڑ دے اس کے لئے جنت کے بیچوں بیچ ایک باغ تعمیر کر دیا جاتا ہے۔

ان تمام احادیث میں جدال کی مذمت وممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں

میں نفرت و کراہت پروان چڑھتی ہے جو دو دوستوں میں انس و محبت کے بجائے وحشت و دوری کو جنم دیتی ہے۔ اسی لئے جو حق پر ہو اور مجادلہ سے دست بردار ہو جائے اس کے واسطے اتنا بڑا اجر رکھا گیا ہے۔ اس لئے اس سے بچنا چاہئے اور اجتناب اختیار کرنا چاہئے، ایک آدمی نے حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ سے بحث کرنا چاہی آپ نے فرمایا: مجھے تمہارے مقصود کا علم ہے اور میں تم سے بحث کر بھی سکتا ہوں لیکن نہیں کروں گا۔ (طبقات الکبری ابن سعد ۷/۱۹۵)

بحث وجدال کے دس آداب

میں نے کتاب "الانتصار فی المسائل الکبار" محفوظ بن احمد کلوذانی (جو اپنے زمانہ کے حنابلہ کے امام تھے) کا بعض علماء کے ہاتھ کا قلمی نسخہ سے جس کے ٹائٹل پر یہ آداب درج تھے (وہ لوگ ٹائٹل پر وہ چیز تحریر کرتے ہیں جس کو انتہائی اہم سمجھتے جو نادر فوائد، اور ہیرے جواہرات جیسے قیمتی باتیں ہوتیں جلدی سے ان کو لکھ لیتے تا کہ کہیں وہ بات بھولنے کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائے اور جیسے ہی کتاب ہاتھ میں لیں وہ نظر آئے اس طرح بار بار دیکھنے سے یاد رہے) چنانچہ اس میں لکھا تھا: بحث کے آداب: ایک آدمی کسی عقل مند عالم کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں آپ سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے اس سے فرمایا پہلے تم اپنے اوپر دس باتیں لازم کر لو پھر بحث کرو۔

1. غصہ سے کام نہ لو۔
2. تھکاوٹ کا اظہار مت کرو۔
3. تعجب نہ کرو۔
4. کسی بات کا خود ہی فیصلہ مت کرو۔
5. ہنسو مت

نزاع مت کرو، اللہ تعالیٰ کی صفات کی حد بندی میں مت پڑو۔[1] ان لوگوں میں سے ہو

❻ اپنے دعوی کو دلیل نہ بنانا۔

❼ جب ہم واقعات کا ذکر کریں تو اس کا مقصد (مثال اور جس کی مثال دی جا رہی ہے دونوں میں) برابر و یکساں ہونے کو بیان کرنا ہوگا۔

❽ جب ہم عقلی دلائل پیش کریں گے تو مزید تعارف (و تحقیق) کے لئے ان پر تنقید کریں گے۔

❾ ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو ناواقف خیال کر کے حق بات کا کھوج لگانے کی کوشش کرے، نہ کہ دوسرے پر غلبہ پانے کی طلب۔

❿ جب تک میں تم سے بات کروں کسی دوسرے کی طرف توجہ نہ کرو گے۔ یہ اس باب کے بہترین آداب ہیں۔

لے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی حد بندی کرنے میں نہ پڑو یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں بحث کی جائے، اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے کسی کے مشابہ کہا جائے، یا ان کی مثال دی جائے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کو معطل بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ خود کوئی کام انجام نہیں دیتے، بلکہ دوسری مخلوقات کے ذمہ لگا دیا ہے۔

علامہ ابن الجوزی اپنے رسالہ "المتشابہ فی القرآن" صفحہ ۱۰۱ پر فرماتے ہیں: کہہ دو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا بغیر آپ کو کسی کے مشابہ قرار دینے، آپ کی مثال پیش کرنے کے، میں قیامت کے دن کی تمہاری (خلاصی) کی ضمانت دیتا ہوں، اس لئے کہ ضروری ہے کہ تم یہ اعتقاد رکھو کہ تمہارا معبود کسی کے مشابہ نہیں اور نہ اس کے کوئی مشابہ ہے۔ میں تمہیں عقل و علم کلام کے حوالہ نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾

"اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں۔"

تمہیں یہ آیت اللہ کی تشبیہ قرار دینے، اور جسم بتلانے والے لوگوں کے معاملہ

جاؤ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ (الفرقان: آیت ۶۲)

امام محاسبی نے فرمایا:

ادب کو لازم پکڑ لو، خواہش اور غصہ سے دور رہو، بیداری کے اسباب اختیار کر کے عمل کرو[1] اپنی انتہائی نگرانی کا قصد رکھو، نرمی کو ساتھی بنا لو، خودداری اختیار کرو۔

میں کافی ہے، اور تعطیل کا عقیدہ رکھنے والوں کے مقابلہ میں "وهو السميع العليم" کافی ہے انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی بحث میں پڑنے سے بڑھ کر خطرناک شے کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں ضرور غور کرو لیکن ذات کے بارے میں مت سوچو۔

[1] انسانی غفلت اور دنیاوی فتنوں کی تصویر کشی

دنیا کے فتنے انتہائی چمک دمک والے، اور گمراہ کن ہیں۔ تجھے اپنے انجام سے بے خبر، اور اپنی منزل سے غافل کر دینے والے ہیں۔ لہٰذا بیداری و چستی کے اسباب اختیار کرنا ضروری ہیں، تا کہ انسان دھوکے کے گھر (دنیا) سے محفوظ رہے، ابن المقفع نے بالکل سچ کہا ہے کہ انسان کی آخرت سے غفلت، اور زندگی کی کھوٹ شدہ چمک دمک میں مشغولیت اس کو اپنے راستہ و ارادہ اور منزل سے روک دیتی ہے چنانچہ وہ ہلاکت میں جا پڑتا ہے اور اس کے فتنوں سے دھوکہ کھا جاتا ہے۔ وہ اپنی کتاب "کلیلۃ دمنہ" صفحہ ۸۹ پر، شیر اور بیل کا قصہ شروع کرنے سے پہلے کہتا ہے: میں نے انسان کی مثال کے بارے میں غور کیا تو مجھے اس کی مثال ایسے لگی کہ کوئی آدمی ایک بپھرے ہوئے ہاتھی سے ڈر کر کنویں میں جا کر پناہ تلاش کرے، اور اس میں لگی دو ٹہنیوں میں جا لٹکے، کہ جس کا منبع کنویں کی منڈیر ہو، چنانچہ اس نے اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا

سلامتی کو اپنا ٹھکانہ، فرصت کو غنیمت، دنیا کو سواری، اور آخرت کو اپنا گھر بنالو۔[1]

لئے، پھر اس نے کنویں میں نظر دوڑائی تو چار بڑے بڑے سانپ اپنی بلوں سے سر نکالے (پھنکارتے) کھڑے نظر آئے، پھر اس نے کنویں کی گہرائی میں دیکھا تو اس کو "تنین" نظر آیا (تنین سانپ اپنی تمام اقسام سے بڑا ہوتا ہے، خشک کھجور کے تنے کی طرح لمبا، خون کی سی سرخ آنکھوں والا، کشادہ منہ والا کہ پورے حیوان کو نگل لے، دانت جیسا کہ نیزے کے پھل) اور وہ تنین (اژدھا) منہ کھولے اس کا منتظر ہو کہ یہ گرے تو میں اچک لوں پھر اس انسان نے ان دو شاخوں کی جڑوں میں دیکھا تو دو بڑے بڑے چوہے سیاہ و سفید ہیں کہ ان شاخوں کی جڑوں کو مسلسل کاٹ رہے ہیں کہ وقفہ نہیں کرتے۔ اب اس کو اپنی فکر پڑی ہے اور اپنی ذات کا غم کھا رہا ہے اتنے میں اس نے اپنے قریب شہد کی مکھیوں کا چھتہ دیکھا جس میں شہد ہے، اس نے شہد کو چکھا تو اس کی مٹھاس نے اس کو اپنی ذات کی فکر سے بیگانہ کر دیا بجائے اس کے کہ یہ انسان اپنی خلاصی کی راہ نکالتا، شہد چاٹنے میں منہمک ہو گیا، اور اسے یہ یاد ہی نہیں رہا کہ اس کے پاؤں ان چار سانپوں کے عین اوپر ہیں۔ کچھ معلوم نہیں کب یہ ان کا لقمہ تر بن جائے اور اس سے خیال ہی نہیں رہا کہ دونوکیلے دانتوں والے چوہے مسلسل ان شاخوں کو کاٹ رہے ہیں جو اس کا آشیانہ ہیں کچھ علم نہیں کہ وہ کب اس اژدھے کے منہ میں جا گرے، یہ مسلسل، غافل بے خبر، لہو لعب میں مشغول ہے، اور اس مٹھاس بھرے شہد کو چاٹ رہا ہے کہ اچانک گر پڑے اور تباہ و برباد ہو جائے، "انتہی کلام ابن المقفع" اے اللہ کے بندے! اپنی آخرت سے غفلت اختیار نہ کر اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں۔ آمین۔

[1] اصل نسخے میں لفظ "منزل" کے بجائے "منہل" ہے لیکن وہ غلط ہے اس لئے اس کو میں نے درست کر دیا ہے۔

حضرت حسن بصری[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جنت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے لئے راحت کا سامان پیدا نہیں کیا[2]

غفلت کے مواقع، دشمن کے داؤ، خواہشات کے حملوں[3] شہوت کی شدت[4] اور نفس کی جھوٹی امیدوں سے بچو۔

۱؎ یہ حضرت حسن بصری جلیل القدر تابعی دنیا سے منہ موڑنے والوں، عبادت گزاروں کے سردار ہیں، ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی، ان کی باتیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنیں تو فرمایا: یہ کون ہے جس کا کلام انبیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کلام سے ملتا جلتا ہے، اس کو ابن المرتضی نے کتاب "المنیۃ والامل" مین نقل کیا ہے۔

۲؎ نیز حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: موت نے دنیا کو رسوا کر چھوڑا کہ اس میں کسی عقل والے کو نہیں چھوڑا کہ جو خوش وخرم ہو "تاریخ الاسلام" امام ذہبی ۴/۱۰۲۔ حضرت حسن کے شاگرد مالک بن دینار فرمایا کرتے: متقی لوگوں کی خوشی کا دن یوم قیامت ہے۔ ("حلیۃ" ۲/۳۸۰)

۳؎ یعنی خواہشات کے حملوں سے کہ جو تمہیں کمزور کر کے معصیت کی طرف لے جا کر اس میں پھینک دیتے ہیں۔

۴؎ شہوت کے جذبات کو مغلوب کرنا واجب اور ان پر غلبہ سے لذت حاصل ہوتی ہے

یعنی شہوت کی شدت اور اس کے بھڑکنے سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ انسان شہوت پر عمل کرنے سے تھوڑی دیر پرہیز کرے، اور اس کی مخالفت وموافقت کے انجام کو سامنے رکھے تو یہ اس کے لئے بڑی کامیابی اور اس پر غلبہ تصور ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رضا مندی آپ کو ڈھانپ لے گی، قلب منور ہوگا، روح کو بلندیاں نصیب

ہوں گی، ایمان میں اضافہ ہوگا، فرشتے رحمت سے ڈھانپ لیں گے، ایسی روحانی آسمانی برکتیں محسوس کرو گے جن کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اللہ سے مدد چاہو کامیاب رہو گے۔ شہوت پر غلبہ کی حالت کیا ہی خوبصورت ہے کہ جس پر ملائکہ بھی خوشیاں مناتے ہیں، اور تمہیں مبارک بادی کی دعاؤں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور کتنی قبیح صورت ہے (خود انسان کے ہاں بھی) جب کہ شہوات اس پر غلبہ پالیں، جس پر شیاطین خوشیاں مناتے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی احاطہ کر لیتی ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس سے محفوظ رکھیں۔

شہوت کے آثار اور ان کی قباحتیں

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "الفوائد" صفحہ ۱۳۹ پر فرماتے ہیں:
شہوت سے بچنا اس عذاب پر جرأت کرنے سے آسان ہے جو شہوت پر عمل کرنے کے بعد ملنے والا ہے، اس لئے کہ شہوت یا تو تکلیف و سزا کا سبب بنے گی اور یا پھر اس سے اچھی ملنے والی لذت سے محرومی کا باعث ہوگی، اور یا یہ شہوت اضاعت وقت کا موجب ہے جو برابر حسرت و ندامت ہے، اور یا عزت گنوائے گا جس کا حصول انسان کے لئے عدم حصول سے بہت سود مند ہے، یا مال ضائع کرے گا کہ جس کی بقاء زوال سے بہتر ہے، یا عزت و مرتبہ کھو دے گا جس کا ہونا نہ ہونے سے انفع ہے، یا کوئی نعمت چھنوائے گا جس کا بقاء شہوت رانی سے زیادہ لذیذ و پاکیزہ ہے، اور یا پھر ایسی شہوت پوری کرنے سے کسی ذلیل انسان کو تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالنے کا موقع ہاتھ آئے گا جو اس کو اس سے قبل حاصل نہیں تھا، اور یا تجھے اس سے غم و اندوہ، خوف والم میں تلخی برداشت کرنی پڑے گی جو لذت شہوت سے کسی طرح میل نہیں رکھتا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حصول لذت سے کوئی علم بھول جائے جو شہوت سے بڑھ کر لذیذ ہے، اور دشمن کی خوشی اور دوست کے رنج کا باعث، اور آنے والی نصیحت سے حرمان کا سبب بنے،

اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو کہ تمہارے پہلو میں بیٹھا ہے۔[1]'' اور یہ تمہارا دشمن اس لئے ہے کہ تم اس کی اطاعت کرتے ہو۔

جس معاملہ میں تجھ پر حق بات مشتبہ ہو جائے تو اسے کتاب وسنت اور آداب صالحہ[2] میں تلاش کرو، پھر بھی اگر اس کا معاملہ خفی رہتا ہے تو جس کو دین و عقل کے

اور یا ایسا نقص پیدا ہو جائے جو لازوال ہو، اس لئے کہ اعمال کے بعد بعض صفات و اخلاق سیئہ جنم لیتے ہیں۔

[1] (حدیث یہیں تک ہے آگے امام محاسبی کا قول ہے) اور مغربی نسخہ میں "أعدى أعاديك" کے الفاظ ہیں، اس حدیث کو امام بیہقی نے ''کتاب الزہد'' میں سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کا ایک شاہد حضرت انس کی حدیث بھی ہے، اکثر لوگ اس کو "اعدى عدوّيك" تثنیہ سے پڑھتے ہیں لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے مشہور "اعدى عدوّ" مفرد کے ساتھ ہے۔ یہ تمام تفصیل علامہ عجلانی کی کتاب "كشف الخفاء ومذيل الإلباس عما اشتهر من الاحاديث على السنة الناس" ۱/۱۴۳ میں ہے۔

حافظ عراقی "تخريج احاديث الاحياء" کتاب "عجائب القلب" کی ابتداء ۸/۷ پر فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام بیہقی نے ''کتاب الزہد'' میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے، اس میں ایک راوی ''محمد بن عبدالرحمٰن بن غزوان ہیں'' جو احادیث گھڑنے والوں میں سے تھے۔ انتہی۔ زبیدی ''شرح الاحیاء'' ۷/۲۰۶ پر عراقی کے کلام کے بعد فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا جس کے الفاظ (کا ترجمہ) یہ ہے: اس حدیث سے اس کے علاوہ بھی کئی طریق حضرت انس وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔

[2] نسخہ ''ج'' میں یہی الفاظ ہیں اور اس کے معنی بالکل واضح ہیں، اور ''اصلین'' میں

عبارت اس طرح ہے: (وكل امر لاح لك ضوئه بمنهاج الحق فاعرضه علي الكتاب ......) اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے کسی معاملے کی بھلائی کی روشنی واضح ہو جائے تو اس کو کتاب وسنت وسیرت سلف صالح کے سامنے پیش کرنے سے پہلے مت انجام دو۔

حضرات صوفیاء کا کتاب وسنت سے تعلق

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمارا مذہب (طریق صوفیاء) اصول سے مقید ہے، یعنی کتاب وسنت سے مرتبط ہے، جسے کتاب اللہ کے معانی والفاظ محفوظ نہیں تو وہ اگر حدیث لکھے اور فقہ حاصل کرے تو اس کو مقتدیٰ نہیں بنایا جا سکتا۔ از "إغاثة اللهفان" لابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ ۱/ ۱۲۵۔

حضرت شیخ شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "کشف الغمہ" ۱/ ۱۰ پر فرماتے ہیں: ہر وہ راستہ جس کو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار نہیں کیا وہ تاریکی ہے اس میں جو بھی چلے گا اس کو سلامتی اور ہلاکت سے حفاظت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں: "جیسے بھی ہو شریعت کے ساتھ چلو نہ کہ کشف (وکرامات) کی پیروی کرو، اس لئے کہ یہ غلط ہوسکتا ہے، کتب فقہ کا مطالعہ کثرت سے کرنا چاہئے (لیکن اس کے) برعکس کچھ صوفیاء جن پر طریقت کے کچھ آثار واضح ہوئے تو انہوں نے فقہ کے مطالعہ کو ترک کر دیا اور اس طرح کہنے لگے: کہ یہ (فقہ) حجاب ہے۔ حالانکہ یہ خود ان کی جہالت پر مبنی ہے۔ (بحوالہ "شذرات الذہب" حالات امام شعرانی ۸/ ۳۷۴)

امام غزالی "احیاء العلوم" صفحہ ۳۷، ۳۸ پر فرماتے ہیں: حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ایک دن میرے شیخ حضرت سری سقطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: جب تم میرے پاس سے اٹھ کر جاتے ہو تو کس کے پاس بیٹھتے ہو؟ میں نے کہا (امام) محاسبی کے پاس۔ تو آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ ان سے علم وادب تو حاصل

کرو لیکن ان کے علم کلام، اور متکلمین پر رد کو چھوڑ دو۔ حضرت جنید فرماتے ہیں جب میں ان سے روانہ ہونے کے لئے مڑا تو آپ یہ الفاظ فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ تمہیں حدیث والا صوفی بنا دے، نہ کہ صوفی حدیث والا بنائے (کتاب وسنت کو مقدم سمجھنے والا نہ کہ تصوف کو) امام غزالی فرماتے ہیں: آپ کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ پہلے علم حدیث حاصل کرو پھر صوفی بنو تو کامیاب ہو جاؤ گے، اور جو علم حاصل کرنے سے پہلے تصوف میں مشغول ہو گیا تو اس نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیا۔

بعض صوفیاء کا علم ظاہر کی مذمت کرنا کبھی ان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''شرح علم الحدیث'' صفحہ ۱۶ پر رقم طراز ہیں: بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو علم باطنی کے مدعی، اس میں بحث کرنے والے، اور اسی پر اکتفاء کرنے والے ہیں، علم ظاہر (شرائع واحکام حلال وحرام) کی مذمت کرتے اور زبان طعن دراز کرتے ہیں اور اس طرح کہتے سنے جاتے ہیں: وہ علم ظاہر والے اصل علم سے پردے میں ہیں اور ان کے پاس تو محض چھلکا ہے اور ہمارے پاس مغز ہے۔

درحقیقت یہ شریعت مطہرہ اور اعمال صالحہ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور ان کے کرنے کی ترغیب دی ہے اور توجہ دلائی ہے ان میں عیب لگانے (اور نظروں سے گرانے والی) بات ہے۔ بعض لوگ تو اپنے آپ کو ان احکام شرعیہ سے ماوراء سمجھ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اعمال عوام کے لئے ہیں اور جو اس حالت میں بھی کہ اس سے ان اعمال کی ضرورت نہ ہو اور واصل الی الحق ہو چکا ہو، انجام دے تو یہ اس کے (حصول درجات) کے لئے حجاب بن جاتے ہیں۔

اعتبار سے پسند کرتے ہو اس کی رائے کو اختیار کرلو۔

یقین رکھو کہ نفوس میں حق کے قبول کا میلان، یہ حق کے حق ہونے کی گواہی اور شہادت ہے۔[1] کیا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف توجہ نہیں

ان کی حالت وہی ہے جسے حضرت جنید بغدادی اور دوسرے عارفین نے بیان کیا ہے: یہ واصل ہو چکے ہیں لیکن جہنم تک، یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے جس کا یہ لوگ شکار ہو چکے ہیں، اور مسلسل شیطان ان کو اپنے مکروفریب سے نچا رہا ہے حتی کہ ان کو اسلام سے خارج کر کے دم لے گا۔

ان میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ یہ باطنی علم، نبوی چشمہ فیض اور کتاب وسنت سے حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ تو صرف دلی حالات، الہامات، اور کشف وکرامات سے حاصل ہوتا ہے گویا یہ شریعت کاملہ سے بدظنی کے مرتکب ہیں اس لئے کہ وہ یہ دعوی کر رہے ہیں کہ یہ علم نافع جس کا تعلق باطن سے ہے، جو دلی اصلاح و پاکیزگی کے ضامن غیبوں کے جاننے والی ذات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بالکلیہ انحراف لازم آتا ہے، اور پھر اس طریق میں محض اپنی رائے اور دلی حالت کو دخل دے کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

[1] باطل کا حق پر غلبہ کب متصور ہوگا؟

(یہ اس لئے فرمایا کہ) سلیم طبیعتیں حق کو طبعاً قبول اور باطل کو رد کر دیتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی فطرت کے مطابق پیدا فرمایا ہے، اس لئے جب تک دل حق سے متعلق رہیں اور ان کا ثبات علی الحق (حق پر ثابت قدمی) قائم رہے اس وقت تک حق باطل کے مقابلہ میں غالب متصور ہوگا۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ

فرمائی کہ آپ فرماتے ہیں: اپنے نفس سے فتوی معلوم کرلو، اگرچہ فتوی دینے والے مفتی تمہیں فتوی دیتے رہیں۔[1]

کی کتاب ''مناقب الامام احمد'' صفحہ ۱۳۱ پر ہے: حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے فتنۂ معتزلہ (جس وقت معتزلہ اہل سنت والجماعت پر غالب ہو چکے تھے، اور حکومت وقت کی مدد سے عقیدہ خلق قرآن زوروں پر تھا) کے وقت کسی نے کہا: اے ابوعبداللہ: آپ دیکھ رہے ہیں کہ حق کس طرح باطل پر غالب آرہا ہے، تو آپ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں، باطل کا حق پر غلبہ یہ ہے کہ قلوب حق سے ہٹ کر باطل کی طرف مائل ہو جائیں جب کہ ہمارے دل بدستور حق کو لازم پکڑے ہوئے ہیں۔

[1] یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''التاریخ الکبیر'' میں جلیل القدر صحابی وابصہ بن معبد اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے۔ اسی طرح امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الجامع الصغیر'' میں ذکر کی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''الاربعین'' میں ستائیسویں حدیث کے عنوان سے ذکر کیا ہے، جو ان الفاظ سے زیادہ مکمل ہیں اور پھر اس کے بارے میں فرمایا: یہ حدیث حسن ہے اور اس کو ہم نے مسند امام احمد، اور مسند امام دارمی میں اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

''استفتِ قلبك'' (اپنے دل سے پوچھ لو) کا حکم کس کے لئے ہے

امام غزالی ''احیاء العلوم'' ۶/۵ پر اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں: ایسے دل کس قدر کم ہیں؟ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو یہ نہیں فرمایا کہ ''اپنے دل سے پوچھ لو'' بلکہ آپ نے صرف حضرت وابصہ کو یہ حکم دیا کیونکہ آپ ان کی حالت سے واقف تھے۔ نیز امام غزالی فرماتے ہیں: دل سے فتوی لینا (پوچھنا) اسی مقام پر ہے جہاں پر مفتی جواز بتلائے، لیکن اگر مفتی نے اس کو حرام کہہ دیا تو (دل کے فتوی

دینے کے باوجود) اس سے احتراز ضروری ہوگا، پھر ہم ہر دل کو بھی یہ اختیار نہیں دے سکتے، بہت سے دل تو ایسے وسوسہ اور وہم والے ہوتے ہیں کہ جو ہر کام (جائز و ناجائز) کی طرف لپکتے ہیں، لہٰذا ان دونوں قسم کے دلوں کا اعتبار نہیں، ہاں اس عالم کے دل کا اعتبار ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے باتوفیق ہو، اور حالات کی باریکی کو سمجھتا ہو تو یہ وہ کسوٹی ہے جس کے ذریعہ سے معاملات کی حقیقت کو پہچانا جا سکتا ہے (درحقیقت) اس طرح کے دل کس قدر کم ہیں؟ از ارشاد الفحول صفحہ ۲۴۳، امام شوکانی۔

علامہ مناوی ''فیض القدیر'' ۱/ ۴۹۵ پر فرماتے ہیں: بعض علماء فرماتے ہیں: اگر اس حدیث میں خطاب کو عام کیا جائے تو یہ کلام اس شخص کے بارے میں ہوگا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے نور یقین کے ذریعہ کھول دیا ہو، تو وہ محض تجربہ (دلی) میلان سے بغیر کسی دلیل شرعی کے مسئلہ بتلا سکتا ہے۔ لیکن جو ایسا نہ ہو اس کے لئے دلیل کا اتباع لازم ہوگا اگرچہ اس کو دلیل پر شرح صدر نہ ہو۔

حافظ ابن رجب ''جامع العلوم والحکم'' صفحہ ۲۲۱، ۲۲۲ میں فرماتے ہیں: ''یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حق پہچاننے، اس پر اطمینان، اور اس کو قبول کرنے کی فطرت دے کر بھیجا ہے اور طبیعتوں میں اس کی محبت، اور باطل سے نفرت کو رکھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مامور (جس نیکی کا حکم دیا گیا ہے) کو معروف (جو طبیعتوں میں معروف) کہا۔ اور منہی عنہ (جس گناہ سے رکنے کا حکم دیا ہے) کو منکر (ناپسندیدہ) کہا اور یہ بات بھی بتلا دی کہ مؤمنین کے دل اس کے ذکر سے اطمینان وسکون حاصل کرتے ہیں۔ تو حضرت وابصہ والی حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اشتباہ کے وقت دل کی طرف رجوع کیا جائے، جس پر دل مطمئن و منشرح ہو جائے وہ نیکی اور حلال ہے اور جس پر منشرح نہ ہو وہ گناہ اور حرام ہے۔

حافظ ابن حجر ہیثمی مکی ''الفتح المبین بشرح الاربعین'' صفحہ ۱۹۲ پر فرماتے ہیں:

امام محاسبی نے فرمایا:

اپنے اعضاء وجوارح کو علم کی پختگی کے ذریعہ پابند رکھو۔[1] اپنے خیالات کی نگرانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت وابصہ کو اس طرح سے جواب میں فرمانا یہ ان کی پختہ فہمی، قوت ذکاوت، منور دل کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ آپ علیہ السلام نے اس کو آپ کے ادراک قلبی (دلی سمجھ بوجھ) پر چھوڑ دیا اور آپ سمجھ گئے کہ یہ خود اسی کا ادراک کرلیں گے، اس لئے کہ ان جیسا انسان ہی بذات خود ادراک کرسکتا ہے، اور جو کثیف طبع، ضعیف الشعور ہو وہ اس کا ادراک نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے گا، بلکہ اس کے سامنے اوامر ونواہی شرعیہ کو تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت ہوگی، یہ آپ علیہ السلام کی اپنے صحابہ کے ساتھ فراخدلی وحسن معاملہ پر دال ہے کیونکہ آپ ان کو ان کی عقول کے بقدر مخاطب فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: "أمرَنَا رسولُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلَّم أن نُنْزِلَ الناسَ مَنازِلَهُمْ"، ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ لوگوں سے ان کے حسب مراتب معاملہ کریں۔

۱ جو بغیر علم حاصل کئے عبادت کرتا ہے اصلاح سے زیادہ بگاڑ پیدا کرتا ہے

امام محاسبی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی عضو کو کام میں لانے سے پہلے اللہ تعالیٰ حکیم کی طرف سے عطاء کئے ہوئے علم کے ذریعہ اس کی صحت وجواز کا حکم معلوم کرلینا چاہئے ورنہ اس کے نفع کے بجائے وبال ہوگا، حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا قول ہے: جو بغیر علم (صحیح) کے عبادت کرے اور دوسری روایت میں ہے "جو بغیر علم کے عمل کرے" تو اس کا فساد اصلاح سے بڑھ جاتا ہے۔ از سنن دارمی ۱/۷۷ کتاب "الزہد" مصنفہ امام احمد بن حنبل ۳۰۱ "الفقیہ والمتفقہ" مصنفہ

اللہ تعالیٰ سے اپنے قرب کا خیال کر کے رکھو۔ اور اس کی بارگاہ میں اس طرح کھڑے رہو جس طرح کہ غلام مستامن (امن چاہنے والا) اپنے آقا کے روبرو ٹھہرتا ہے، تو تم اللہ تعالیٰ کو انتہائی شفیق و مہربان پاؤ گے۔[1]

---

[1] خطیب ۱/۱۹ "جامع بیا العلم وفضلہ" ابن عبدالبر ۱/۲۷ تذکرۃ الحفاظ "ذہبی" ۱/۳۴۹۔

ایک مزدور کا قصہ جو اللہ تعالیٰ سے مدد کا طلب گار ہوا، اور قتل سے اس کی نجات ہوئی

اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی دعاء کتنی جلد قبول فرماتے ہیں اور کتنی جلد سنتے ہیں جو ان کے سامنے مدد کا طلب گار ہو کر دل سے مانگتا ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر ابن کثیر میں ۲/۳۷۱ پر آیت: "أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ" میں ایک واقعہ حافظ ابن عساکر دمشقی سے نقل فرماتے ہیں: ایک آدمی اپنے خچر کو کرائے پر چلاتا، اور اجرت پر لوگ سفر کے لئے اس کو استعمال کرتے، اس کا سفر دمشق، زبدانی تک ہوتا ایک مرتبہ ایک آدمی اس کے ساتھ سوار ہوا تو اثناء سفر میں جب ایک ویران راستے کے قریب سے گزرے تو سوار نے کہا اس راستہ سے چلو، وہ کہنے لگا: مجھے تو اس راستہ کا علم نہیں ہے۔ سوار نے اصرار کیا کہ یہ راستہ قریب ہے اسی سے چلو، چنانچہ وہ چلے تو ایک سخت، تنگ وادی میں پہنچے جہاں پر بہت سے مقتولین کی لاشیں پڑی ملیں، اس سوار نے کہا کہ ٹھہرو تا کہ میں اتر سکوں، وہ اتر پڑا، اور تیار ہو کر، کپڑے سمیٹ کر اس پر چاقو تان لیا، وہ مزدور کہتا ہے مجھے سامنے سے مارنے کے ارادہ سے آگے بڑھا، میں بھاگا لیکن وہ میرے پیچھے دوڑا، مزدور کہتا ہے: میں نے اس کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہوئے کہا: میرا خچر اور سامان لے لو۔ اس نے کہا وہ تو میرا ہی ہے میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں، پھر میں نے اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرایا اور اس کا عذاب یاد دلایا لیکن وہ نہ مانا، چنانچہ میں اس کے سامنے عاجز ہو گیا اور میں نے اس سے دو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے ہاں اتنا مرتبہ عطا فرماتے ہیں جتنی قدر وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ہاں (دل میں) دیتا ہے[1] اور اللہ تعالیٰ

رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی، اس نے اجازت دے دی اور جلدی کرنے کو کہا، میں نماز کے لئے کھڑا ہوا تو قرآن پاک کی سب آیات مجھے بھول گئیں ایک حرف بھی یاد نہیں رہا، میں حیران و پریشان (نماز میں) کھڑا تھا، وہ مجھے کہہ رہا تھا جلدی کرو، اچانک میری زبان پر مذکورہ بالا آیت جاری ہوگئی، اچانک (دیکھا کہ) وادی کے کنارے سے ایک نوجوان نیزہ لہراتا ہوا آگے بڑھا اور تاک کر اس کے دل میں مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہوگیا، میں جوان سے لپٹ گیا اور میں نے پوچھا تم کون ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں اس کا بندہ ہوں جس کو تم نے پکارا تھا چنانچہ میں اپنا سامان اور خچر لے کے واپس آگیا۔ پاک ہے وہ ذات جو پناہ دیتی ہے اس کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں۔

[1] یہ ایک (طویل) حدیث کا حصہ ہے جو ذکر اللہ کی فضیلت میں ان الفاظ میں مروی ہے، اس کا ابتدائی حصہ حضرت جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مرفوعاً اس طرح منقول ہے:

﴿إن لِلّٰهِ سَرَايَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ تَحِلُّ وتَقِف عَلَى مَجَالِسِ الذِّكْرِ فِي الْأَرْضِ ...... إِنَّ اللّٰهَ يُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْهُ حَيْثُ أَنْزَلَهُ مِنْ نَفْسِهِ﴾

حافظ منذری "الترغیب والترہیب" میں ۳/ ۶۵ اور ۵/ ۵۳۴ پر فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابن ابی الدنیا، ابویعلی، بزار، طبرانی، بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔ اس کی تمام سندوں میں "عمر مولی غفرة" ہیں جنہیں ابن معین، نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: اس (کی حدیث لینے) میں کوئی حرج نہیں، لیکن ان کی اکثر احادیث "مرسل" ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں: "ثقة

کی قدرت ومنزلت دل میں اس کی خشیت اس کی ذات کے علم، اور پہچان سے ہوسکتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو اللہ تعالیٰ کو ترجیح دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ترجیح دیتے ہیں[۱] اور جو ان کی اطاعت کرتا ہے اس سے محبت فرماتے ہیں۔ اور جو ان کی رضاء کی خاطر کسی چیز کو ترک کرتا ہے اسے عذاب سے محفوظ فرمالیتے ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کثیر الحدیث" ہیں، اور بقیہ راوی بھی ثقہ اور مشہور ہیں قابل احتجاج ہیں، لہٰذا حدیث حسن ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابوغدہ فرماتے ہیں: حافظ ذہبی "تلخیص المستدرک" ۱/۴۹۵ پر امام حاکم کی مذکورہ روایت اور قول "صحیح الاسناد" کے بعد فرماتے ہیں "میں کہتا ہوں عمر ضعیف ہے" نیز امام ذہبی "میزان" ۲/۲۶۴ میں عمر کے حالات بیان کرتے ہوئے امام منذری کے حوالہ کے بعد کہتے ہیں:

ابن حبان کہتے ہیں: یہ (عمر) ان راویوں میں سے ہیں کہ جو روایات کو الٹ پلٹ دیتے ہیں ثقات سے روایت کرتے ہیں لیکن ان کی روایت اُثبات (مضبوط راویوں) کی طرح نہیں۔ ان سے استدلال درست نہیں اور کتابوں میں ان کا ذکر بطور اعتبار (وشاہد) ہی ٹھیک ہوسکتا ہے۔ امام ذہبی نے پھر حدیث مذکور کو ذکر کیا ہے اور اس کو ابن حبان کے قول کے لئے بطور شاہد لائے ہیں۔ حافظ ابن حجر "تقریب" میں کہتے ہیں: عمر بن عبداللہ مدنی (مولیٰ غفرۃ) ضعیف ہیں، اور اکثر مرسل احادیث ذکر کرتے، خلاصہ یہ کہ حدیث ضعیف ہے، اور حافظ منذری کا اس کو حسن قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

[۱] اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنے ذاتی مقاصد و منافع پر مقدم کیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنا قرب اور رضامندی سے نوازیں گے۔

کا ارشاد ہے: ''مشکوک کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرو'' کیونکہ جس چیز کو تم نے اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا اس[1] سے محروم نہیں رہو گے۔

---

[1] اس ساری حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ بروایت امام مالک، نافع، ابن عمر سے مرفوعاً، ابونعیم نے ''حلیۃ'' ۶/۳۵۲، خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' ۲/۳۸۷ حافظ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' ۳/۸۱۴، ابن معدان (محمد بن احمد بن راشد معدانی) کے حالات میں روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں بہت سارے اشکالات ہیں جیسا کہ ان سب حضرات نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان اشکالات کا سبب یہ ہے کہ اس کی سند میں ''عبداللہ بن رومان اسکندری'' ہیں جن کو ان سب نے ضعیف کہا ہے اور جملہ ''فَإِنَّكَ لَنْ تَجِدَ فَقْدَ شَيْءٍ تَرَكْتَهُ لِلّٰهِ'' حدیث میں زائد ہے جو کہ غیر ثابت ہے اس لئے ہم نے اس کو قوسین سے خارج کر دیا ہے (اور حدیث کے الفاظ میں داخل نہیں کیا ترجمہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ از مترجم) اس لئے کہ یہ حدیث بالفاظ ''دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَالاَ يُرِيبُكَ'' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد نے اپنی ''مسند'' میں، حسن بن علی سے امام نسائی نے، اور وابصہ بن معبد سے طبرانی نے ان الفاظ کی زیادتی کے بغیر روایت کی ہے اور اسی طرح امام سیوطی کی ''الجامع الصغیر'' میں بھی ہے، علامہ مناوی ''التیسیر بشرح الجامع الصغیر'' ۳/۷ پر فرماتے ہیں:

اس کی سند ''حسن'' ہے اور اس کے شواہد اس کو صحت کے درجہ تک پہنچاتے ہیں۔

امام احمد مسند احمد میں، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، اور حاکم ''مستدرک حاکم'' ۲/۱۳ اور ابونعیم حلیۃ میں ۸/۲۶۴ پر حسن بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے: ''دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ فَإِنَّ الْحَقَّ طُمَانِينَةٌ، وَإِنَّ الشَّرَّ رِيبَةٌ'' امام حاکم فرماتے ہیں: حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کی تخریج نہیں

کی، امام ذہبی نے امام حاکم کی تائید کرتے ہوئے فرمایا: ’’حدیث صحیح ہے‘‘۔
جملہ ’’فانك لن تجد فقد شيء تركته لله‘‘ قاضی شریح کا اپنا کلام ہے جیسا کہ ابن سعد نے ’’طبقات الکبریٰ‘‘ ۶/۱۲۶ اور امام عبدالرزاق کی ’’مصنف‘‘ ۱۱/۱۵۷ اور ۳۰۸ میں ہے۔ واللہ اعلم۔

تقویٰ کا اختیار کرنا مشکل بھی ہے اور آسان بھی

اس مقام کے مناسب حضرت حسان بن سنان بصری کا قول ہے (جو زمانہ تابعین کے مشہور عبادت گزاروں میں اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں) آپ نے فرمایا: میں تقویٰ سے آسان چیز کوئی نہیں پاتا، اس طرح کہ مشکوک کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کر لو۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی صحیح میں ’’کتاب البیوع‘‘ کی ابتداء ’’باب تفسیر المشبہات‘‘ ۴/۲۵۰ پر تعلیقاً ذکر کیا ہے۔
شارح بخاری حافظ ابن حجر ’’فتح الباری‘‘ ۴/۲۵۰ اور ’’تہذیب التہذیب‘‘ ۳/۲۵۳ فرماتے ہیں: ابونعیم نے ’’حلیۃ‘‘ میں زہیر بن نعیم بابی سلولی، بصری (جو تارک الدنیا، عابد، فقیر منش انسان تھے) سے روایت کیا ہے کہ: یونس بن عبید (عبدی، بصری شاگرد ابوالحسن بصری متوفی ۱۳۹) اور حسان بن ابی سنان اکٹھے ہوئے تو یونس نے کہا: تقویٰ سے زیادہ سخت چیز بطور اختیار کرنے کے میں نے نہیں دیکھی۔ حسان کہنے لگے: تقویٰ سے زیادہ آسان چیز میں کوئی نہیں سمجھتا۔ یونس بن عبید نے پوچھا وہ کیسے؟ (فرمایا) میں نے مشکوک کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کر لیا مجھے راحت مل گئی۔
بعض علماء کا قول ہے: حسان نے اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق بات کی، اور یہی ترک (جس کو وہ آسان فرما رہے ہیں) بہت سے لوگوں کے لئے بڑی بڑی جسمانی و فعلی مشقتوں سے زیادہ سخت ہے۔ انتہی۔
شیخ ابوغدہ (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: قابل تبریک ہے وہ انسان جس کی ہمت بلند

امام محاسبی نے فرمایا:
بدگمانی سے دل کو محفوظ رکھو (دوسرے کے فعل میں) اچھی تاویل کر کے۔ حسد سے اپنے آپ کو پاک کرو قلت امید سے۔ تکبر سے چھٹکارا حاصل کرو اللہ تعالیٰ کے غلبہ وقوت کا خیال کر کے[1] ہر ایسے کام سے اجتناب کرو جس میں تمہیں معذرت کرنی پڑے،[2] ہر ایسی حالت سے دور رہو جو تمہیں تکلیف میں مبتلا کر دے، اپنے دین کی حفاظت (اللہ و رسول کی) پیروی کر کے کرو، اپنی امانت کی حفاظت طلب علم سے کرو، عقل کی رعایت صبر و بردباری والے لوگوں کے اخلاق اپنا کر کرو، ہر وقت میں صبر سے کام لو، اللہ کا ذکر تنہائی میں کرنا اپنے اوپر لازم کر لو[3] اللہ کی نعمتوں پر شکر کرو۔[4]

ہو کہ حسان بن سنان کے مقام تک پہنچ جائے دنیا و آخرت میں راحت میں رہے۔

[1] یعنی تکبر کو اللہ تعالیٰ کے غلبہ وقدرت کا خیال و تصور کر کے دور کرو۔

[2] سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایسے کام سے پرہیز کرو عقل جس کا انکار کرتی ہو، اگرچہ تمہارے پاس اس کے کرنے کا کچھ عذر بھی موجود ہو، اس لئے کہ ہر برائی سننے والے تک تم عذر نہیں پہنچا سکتے (کہ وہ برائی کا تو سن لے گا لیکن عذر نہ سن سکے گا تو تمہیں اس برائی پر ملامت کرے گا کیونکہ برائی جلد پھیلتی ہے اور عذر دب جاتا ہے۔ از مترجم) ''مراقی الفلاح'' ''فصل ما یکرہ للصائم وما لا یکرہ'' (صفحہ ۶۶۲ مصنفہ شیخ شرنبلالی (حنفی) ''فیض الباری'' امام انور شاہ کشمیری ۱/۱۵۳)

[3] اللہ تعالیٰ کا ذکر اکیلے خلوت میں کرو، اس لئے کہ اس میں ریا کا شائبہ نہیں، قبولیت کی قوی امید ہے حدیث شریف میں ہے: سات آدمی ایسے ہوں گے جو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہوں گے ان میں سے ایک ''ذاکر'' ہے جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

[4] سلف کی زبانوں پر کثرت حمد و شکر کا بیان

شکر یہ ہے کہ بطور نعمت و فضل ابتداءً بخشش و عطیہ دینے والے کی تعریف کرنا،

بعض حضرات ؒ نے اس کے نتیجہ و اثر کے اعتبار سے تعریف اس طرح کی ہے: شکر موجودہ نعمتوں کی حفاظت اور معدوم (غیر حاصل شدہ) کی تحصیل کا نام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" اگر تم نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں نعمتوں میں اضافہ کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد، صحابہ وتابعین وسلف صالحین کی زبانوں پر مسلسل رہتی اور کسی وقت بھی وہ اس سے خالی نہ رہتے۔ ہر ملاقات، اجتماع، خوشی، تکلیف میں ان کا یہ حال تھا کیونکہ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے لگاتار نعمتوں کی وجہ سے روشن تھے، تو ان کی زبانیں بھی منعم کی تعریف وثناء میں رطب (تازہ) رہتیں بلکہ بعض تو اپنے دوسرے بعض بھائیوں سے محض اس خاطر ملتے کہ ان سے ان کے قریبی احوال پوچھیں حالانکہ دونوں ساتھ رہتے لیکن صرف سوال کا مقصد یا علیک سلیک کا مطمح نظر یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء وپاکیزگی سے اپنے کانوں کو معطر کرلیں۔

دوسرے سے محض اس لئے سوال کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے

یہی نیت وقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور سیرت شریفہ میں بھی وارد ہے۔ امام طبرانی اسناد حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی (صحابی) سے پوچھا: تیری صبح کیسی رہی؟ اس نے عرض کیا "احمدُ اللّٰهِ إِلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا مقصد یہی جواب سننا تھا۔

("مجمع الزوائد" امام ہیثمی ۱۰/۱۴۰، ۸/۱۸۹)

"احمد الله اليك" کے معنی ہیں کہ میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں

کی تعریف کرتا ہوں، یہاں لفظ ''الی'' معنی میں ''مع'' کے ہے، خلیل بن احمد فراہیدی رحمہ اللہ نے یہی بیان کئے ہیں جو کہ ان کی کتاب ''العین'' ۱۸۹/۳ پر موجود ہیں۔

امام عبداللہ بن المبارک ''کتاب الزہد والرقاق'' صفحہ ۶۹،۶۸ علقمہ بن مرثد اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں: ہم لوگ (صحابہ کرام) دن میں کئی مرتبہ ملتے اور ایک دوسرے سے حال احوال پوچھتے مقصد صرف یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء (وشکر) ادا ہو۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں: میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سنا آپ کو ایک آدمی نے سلام کیا آپ نے پوچھا: تم کیسے ہو؟ اس نے کہا: ''احمد اللّٰه اليك'' حضرت عمر نے فرمایا: میرا یہی مقصد تھا (یعنی کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہو)

حضرت حبیب بن ابی ثابت سے، اور وہ حضرت سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں، حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: سب سے پہلے جن کو جنت کی طرف پکارا جائے گا وہ وہ لوگ ہوں گے کہ جو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں، یا اس طرح فرمایا: خوشی اور تنگی میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں، یا اس طرح فرمایا: خوشی اور تنگی میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں، انتہی۔ لہٰذا ہر حال اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنی چاہیئے۔

حضرت اسحاق بن عبداللہ کہتے ہیں حضرت عمر نے ایک آدمی سے کہا! ارے تمہاری صبح کیسی رہی؟ اس نے کہا: ''حَمْدُ اللّٰهِ إِلَيْكَ'' حضرت عمر نے فرمایا: میرے سوال کا یہی مقصد تھا۔ اس کو ابو نعیم نے حلیہ میں ۳۳۰/۷ پر روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عمر کا بازار اس لئے جانا کہ ان سے حال پوچھا جائے اور وہ جواب میں ''الحمد للہ'' کہیں

ابن سعد ''طبقات الکبریٰ'' ۱۵۲/۴۔ ۱۵۵ میں حضرت سعید بن مقبری سے

امام محاسبی نے فرمایا:

ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو، ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرو، جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ (پیش آنے کا) ارادہ کیا ہے اس میں اعتراض مت کرو، ہر وہ کام جس کے بارے میں تم چاہتے ہو کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پاس جاؤ اس کو اپنے اوپر لازم کرلو، ہر وہ فعل و عادت جسے تم دوسروں سے ناپسند کرو اس کو اپنے اخلاق سے نکال دو، ہر وہ ساتھی جسے تمہاری خیر میں کسی دن اضافہ نہ ہو اس کی معیت ترک کردو، عفو و درگزر کو اپنا شعار بنالو۔[1]

روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے: میں بازار جاتا ہوں میری کوئی ضرورت نہیں ہوتی صرف اس لئے کہ میں کسی کو سلام کروں اور کوئی مجھے سلام کرے۔ بشیر بن یسار کہتے ہیں: حضرت ابن عمر سے سلام میں کوئی بھی پہل نہیں کرسکتا تھا۔

۱۔ دل میں لڑائی جھگڑے کے اثرات (بد) اور اس کے ترک کی فضیلت

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ اس طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ جب کسی انسان سے تمہارا نزاع ہوجائے تو عفو و درگزر بہتر پناہ گاہ ہے بہ نسبت خصومت و نزاع میں مسلسل آگے بڑھنے سے، درحقیقت آپ نے سچ فرمایا کیونکہ نزاع دین کو مٹاتا، عقل کے لئے مشوش، دلی سکون کے لئے قاتل اور آرام دہ بستر کو کھردرا کرنے والا ہے، انسان کے قلب کو ہمیشہ کے لئے جہنم زار، دہکتا ہوا انگارہ کرڈالتا ہے، عفو و درگزر (اگرچہ اس میں نقصان و ظلم ہو) سب سے بڑھ کر غنیمت ہے، کیونکہ اس میں مذکورہ تمام قسم کے نقصانات سے بچاؤ ہے جب کہ اس کے بدلہ میں راحت و سکون فضل و احسان ہے جو اس کا عوض ہے۔

نزاع کے چھوڑنے میں حضرت سلم بن قتیبہ کا واقعہ

تبع تابعین میں سے حضرت سلم بن قتیبہ کا ایک مرتبہ اپنے چچا زاد بھائی سے نزاع ہو گیا، سلم اس میں آگے تک نکل گئے یہاں تک کہ معاملہ لے کر قاضی کی عدالت تک پہنچ گئے لیکن پھر اس سے بھی منہ موڑ لیا چنانچہ وہ اس مجلس سے کامیاب لوٹے۔

سلم بن قتیبہ کہتے ہیں: میں مجلس قضاء میں بیٹھا اپنے اور خصم کے درمیان فیصلہ کا منتظر تھا کہ بشیر بن عبداللہ بن ابی بکرہ کا مجھ سے گزر ہوا فرمانے لگے: یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ میں نے بتایا کہ میرے اور ابن عم کے درمیان نزاع ہے اس نے میری کچھ چیزوں کے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ میری ہیں۔ فرمانے لگے: تمہارے والد کا مجھ پر احسان تھا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس کا بدلہ دوں (لہٰذا تمہیں نصیحت کرتا ہوں) اللہ کی قسم میں! نزاع سے زیادہ کسی چیز کو ضیاع دین، منافی مروت، قاطع لذت، شاغل قلب نہیں سمجھتا۔ سلم بن قتیبہ کہتے ہیں: میں اٹھا تا کہ یہاں سے جاؤں تو میرا چچا زاد بھائی میرے پاس آیا کہنے لگا، تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا: میں تم سے مخاصمت نہیں کرنا چاہتا، کہنے لگا کہ اب تم پر واضح ہو گیا کہ حق میرا ہے، میں نے کہا نہیں میں تو صرف اپنے نفس کو اس سے بچانے اور نزاع ختم کرنے کے لئے ایسا کر رہا ہوں۔ اس واقعہ کو امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' کتاب ''آفات اللسان'' میں ''الآفة الخامسة: الخصومة'' ۸/۹ پر، اور ابن ابی الدنیا نے ''کتاب الصمت'' صفحہ ۹۸ پر ذکر کیا ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: کسی کو لوگوں سے تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے، اور درگزر سے کام لے، انتقام اور بدلہ کے بارے میں نہ سوچے تو اس کا اثر وانجام اپنی ذات کے لئے انتقام لینے والے سے بہتر ہوگا کہ جو

برائی کا بدلہ برائی سے دے، لیکن جب اس نے عفو و صفح، حلم و کرم والا معاملہ کیا تو دل میں ٹھنڈک، اعضاء و جوارح میں سکون کا مشاہدہ کرے گا ایسے ہی اس کو دلی آسودگی امن واطمینان کی کیفیت کا مشاہدہ ہوگا۔ بسا اوقات ظلم وجور کرنے والوں اور حاسدین کے لئے ترک انتقام ان کو قتل کرنے سے بھی بڑھ کر سزا ثابت ہوتی ہے۔

تارکین خصومت وانتقام والوں کا حسن انجام

علامہ ابن القیم جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ "مدارج السالکین" ۲/۳۲۰ پر ان دونوں کیفیتوں "انتقام و ترک انتقام" کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سلامتی اور دلی ٹھنڈک کی کیفیت، اس کا مزہ چکھنے اور پہچان رکھنے والوں کے لئے جو بہترین کیفیت ہے وہ یہ ہے کہ انسانی ضمیر و دل مصیبت پہنچنے پر اس کا بدلہ چکانے اور انتقام سے غیظ کو شفاء دینے میں مشغول نہ ہو، بلکہ دل اس سے بالکل خالی ہو، سلامتی و دلی ٹھنڈک (بغیر انتقام) بہت مفید، لذیذ و پاکیزہ اور حصول منافع کے لئے بہت مددگار ہے۔ کیونکہ دل جب انتقام لینے کے خیالات میں کھو جائے گا تو اس کی ترجیحات وافضل امور فوت ہو جائیں گے جس میں خسارے کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور عقل منداس پر کبھی خوش نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ ایسے اقدامات کو بے وقوفی خیال کرتا ہے تو وساوس و کھوٹ کے بھر جانے کے بعد سلامتی قلب کہاں باقی رہ سکتی ہے جب کہ تفکرات انتقام لینے میں منہمک ہوں۔

امن و دلی سکون کی کیفیت جب ہوگی جب کہ بدلہ وانتقام کو ترک کر دے تو اس کے شرور سے محفوظ رہے، اور جب انتقام لے گا تو خوف لاحق ہوگا کیونکہ (لازماً) اس سے عداوت و دشمنی پروان چڑھے گی۔ عقل مند وہی کہلاتا ہے کہ جو دشمن سے اگرچہ حقیر ہی ہو مامون و مطمئن نہیں رہتا، کتنے ہی حقیر دشمنوں نے بڑے دشمن کو ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔ جب اس نے عفو سے کام لیا اور انتقام نہیں لیا بدلہ کا نہیں سوچا

تو عداوت پیدا ہونے اور پروان چڑھنے سے محفوظ رہا، یقیناً اس کا درگزر، عفو و صفح اس کے دشمن کی شوکت کو ختم کر رکھ دے گا، اور اس کے ڈر سے بے خوف ہوگا جب کہ انتقام لینے میں یہ بات نہیں ہے۔

انتقام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے کے بارے میں ابوشامہ کے اشعار

ترک نزاع و خصومت اور ظاہر و باطن میں اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے جو تمام عالم کے کارساز، وحساب لینے والے ہیں کے بارے میں ناصحانہ اشعار سنئے اور ان پر عمل کیجئے، یہ اشعار حافظ، جامع العلوم، فقیہ، مورخ، لغوی، ابوشامہ المقدسی (عبدالرحمٰن بن اسماعیل دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ) متوفی ۶۶۵ھ کے ہیں۔ ان کا بہت بڑی عداوت سے سابقہ پڑا اور ستر سال کی عمر میں جسم و بدن پر شدید تکلیف برداشت کرنا پڑی حالانکہ اپنے زمانہ میں ''شیخ دمشق'' تھے۔ آپ سے کسی نے کہا کہ حکمرانوں کا دروازہ کھٹکھٹایئے تاکہ وہ آپ کو حق دلاسکیں تو انہوں نے ان اشعار میں جواب دیا جو ان کی کتاب ''ذیل الروضتین'' ۲۴۰ پر ہیں ؂

قلت لمن قال: أما تشتكی
ما قد جری فهو عظیم جلیل
یقیّض الله تعالیٰ لنا
من یاخذ الحق ویشفی الغلیل
اذا توکلنا علیه کفی
فحسبنا الله ونعم الوکیل

میں نے اسے کہا جس نے مجھ سے کہا تھا: آپ کیوں (حکام سے) شکایت نہیں

امام محاسبی نے فرمایا: جاننا چاہئے کہ مؤمن کے صدق کو ہر حال میں آزمایا جاتا ہے، مصیبت میں اس کی ذات (کی آزمائش) مطلوب رہتی ہے، (مومن خود) اپنی ذات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگران ہے، حق کی حجت (ودلیل) پر قائم رہو، مخلوق کی محبت تمہاری طرف آئے گی۔[1]

کرتے کہ پیش آنے والا معاملہ بڑا جلیل القدر ہے۔ (میں نے کہا) اللہ تعالیٰ ہمارے واسطے ایسے انسان کو کھڑا کردیں گے جو حق لے کر دے اور سینے کے غضب سے شفاء دے، جب ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے تو یہی کافی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

[1] امام احمد کی مشقت ومصیبت پر ثابت قدمی

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ حق پر ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور مخلوق کی محبت آپ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جب آپ مسئلہ ''خلق قرآن'' کے ابتلا میں گرفتار ہوئے اور آپ کو جیل ڈال دیا گیا دونوں پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں تو آپ نے قید کی پرواہ نہیں کی اور نہ ہی قتل ہونے سے ڈرے لیکن آپ کو خطرہ تھا کہ آپ کا جسم کوڑے لگنے سے کمزور ہو جائے گا تو آپ حق بات پر (ڈٹ کر) صبر نہیں کرسکیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف کلمات استقامت وثبوت علی الحق آپ تک پہنچے، کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رضاء میں سزا پر ثابت قدم رہیں، اور پہنچے بھی ایسی جگہ سے کہ جہاں سے آپ کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔

دیہاتیوں میں سے بعض چوروں اور چالاک لوگوں کی ایک جماعت کو لایا گیا تو آپ کو ثبات علی العذاب (مصیبت میں ثابت قدمی) میں تقویت حاصل ہوئی ہے آپ کی عمر اس وقت ۵۷ سال تھی آپ بڑھاپے میں قدم رکھ چکے تھے اور ضعف و عوارض آپ کو لاحق ہو چکے تھے، آپ کے شانے ننگے کئے گئے اور کوڑے برسائے گئے

یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو گئے لیکن آپ ثابت قدم رہے، احمد بن حنبل ہی حق کے فاتح رہے اور ان (دشمنوں) کی ساری تدبیریں اکارت گئیں، مسلمانوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور اہل سنت والجماعت آپ کی صبر وشجاعت پر دل سے خوش ہوئے، لوگوں کے دل آپ کی محبت ومودت سے سرشار ہو گئے، اور قیامت تک رہیں گے۔

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ کو بغداد سے گرفتار کیا گیا اور مامون کے پاس ''رقۃ'' لے جایا گیا تو وہاں آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ آپ کے پاس بعض علماء آئے تاکہ ''تقیہ'' کے بارے میں آنے والی روایات کا آپ سے مذاکرہ کریں (کہ آپ بھی تقیہ کر کے اس مسئلہ سے چھوٹ جائیں) لیکن آپ نے تقیہ کرنے سے انکار کرتے ہوئے یہ کہا: تم حدیث خباب (إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ يُنْشَرُ أحدُهم بِالْمِنْشار ثم لا يَصُدُّهُ ذلك عن دينِهِ) ''کہ تم سے پہلے لوگ آروں سے ٹکڑے کر دیئے گئے لیکن یہ بات ان کو دین سے مانع نہ ہو سکی'' کو کیا کرو گے؟ (یعنی اس میں کیا تاویل کرو گے) تو وہ لوگ آپ سے مایوس ہو گئے (کہ امام تقیہ نہیں کریں گے)۔

جب آپ کو جیل میں قتل وضرب سے ڈرایا دھمکایا گیا تو آپ نے فرمایا: جب جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے خاموش رہے اور عالم تقیہ کر کے (غلط) جواب دے دے تو اللہ تعالیٰ کے دین کی حجت کیسے قائم ہو گی (اور حق کس طرح واضح ہو گا) ابو سعید حداد واسطی (احمد بن داود) کہتے ہیں: میں جیل میں سزا سے پہلے امام احمد کے پاس گیا، میں نے کہا ابو عبد اللہ! آپ کے اہل وعیال اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اس لئے آپ معذور ہیں۔ گویا میں ان کو آسان (دوٹوک نہیں) جواب دینے کی طرف مائل کر رہا تھا، تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا اے ابو سعید! تمہاری عقل اگر اتنی ہی ہے تو تم (دنیا میں) راحت سے رہے۔

حضرت امام نے جیل والوں سے کہا: مجھے نہ تو جیل کا ڈر ہے اور نہ ہی قتل ہو جانے کا صرف مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں میں کوڑوں سے پھسل جاؤں اور صبر نہ کر سکوں، جیل والوں میں سے کسی نے سنا تو کہا: اے ابوعبداللہ! آپ پر کوئی تنگی تکلیف نہیں ہوگی صرف پہلے ایک دو کوڑے آپ کو محسوس ہوں گے اس کے بعد آپ کو معلوم نہیں ہوگا کہ کہاں پڑ رہے ہیں تو آپ کی پریشانی جاتی رہی۔

جیب کترے چور ابوالہیثم کو دیکھ کر امام احمد کی تکلیف پر استقامت

امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب سے میں اس آزمائش میں مبتلا ہوا ہوں ایک دیہاتی سے زیادہ قلب کو پختہ کرنے والی باعث تقویت بات میں نے کسی سے نہیں سنی جو اس نے مجھے ''رحبۃ طوق'' (ایک شہر کا نام) میں کہی۔ مجھ سے اس نے کہا: ''اے احمد! اگر تم اس راہ میں قتل ہو گئے تو شہادت سے سرفراز ہو جاؤ گے، اور اگر زندگی ملتی ہے تو قابل تعریف زندگی گزارو گے'' اس کی اس بات سے میرے دل کو بہت تقویت ملی۔ آپ کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں: میں اپنے والد احمد بن حنبل سے سنتا آپ کہتے: اللہ تعالیٰ ابوالہیثم پر رحم فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ابوالہیثم کو معاف فرمائیں۔ بخش دیں۔ تو میں نے کہا: ابا جان! ابوالہیثم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اس کو نہیں پہچانتے؟ میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا ابوالہیثم حداد وہ ہے کہ جس دن مجھے کوڑے مارنے کے لئے لایا گیا اور میرے ہاتھ دونوں لکڑیوں سے (جو کہ مضروب کے دونوں ہاتھ باندھنے کے لئے ہوتی ہیں) باندھ دیئے گئے ایک انسان کو میں نے محسوس کیا کہ پیچھے سے میرے کپڑے کھینچ رہا ہے، اور کہہ رہا ہے، کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں، کہنے لگا میں ابوالہیثم عیار (نافرمانیوں میں مگن) ہوں، چوری اور جیب تراشی

کے کام میں مشہور ہوں امیر المؤمنین کے دفتر میں یہ بات لکھی ہوئی موجود ہے (اس کو ۱۸ ہزار متفرق طور پر کوڑے لگائے گئے) لیکن میں نے شیطان کی اطاعت میں اس (تکلیف) پر صبر کیا ہے جو کہ محض دنیا طلبی کے لئے تھی، تم رحمٰن کی اطاعت میں دین کی سربلندی کے لئے (تکلیف) پر صبر کرنا۔

امام احمد فرماتے ہیں مجھے حسب الحکم دونوں لکڑیوں کے درمیان کھڑا کر دیا گیا اور میرے پیچھے موجود لوگوں میں سے کسی نے مجھ سے کہا: دونوں لکڑیوں کو اوپر سے مضبوط پکڑ لو لیکن میں اس کی بات نہ سمجھ سکا تو میرے دونوں ہاتھ ڈھیلے رہ گئے، اور کوڑے مارنے والے کوڑے لے کر آ گئے۔ ان میں سے ایک آتا مجھے کوڑوں سے مارتا۔ معتصم اس سے کہتا: تیرے ہاتھ کٹ جائیں، قوت سے مار، پھر دوسرا آتا اور مجھے دو کوڑے لگاتا، پھر لگاتار اسی طرح، حتیٰ کہ میں بے ہوش ہو گیا، پھر جب "مارنا" رکا تو مجھے ہوش آیا۔

اس حالت میں معتصم کھڑا مجھے معتزلہ کا قول اختیار کر لینے کا کہتا جسے معتصم نے مامون کے بعد (اس کی تقلید میں) گھڑ لیا تھا، لیکن میں نے اس کی بات نہ مانی، انہوں نے مجھے کہا تیری ہلاکت ہو! خلیفہ خود پاس کھڑے ہیں، لیکن میں نے توجہ نہ دی پھر انہوں نے مجھے مارا، معتصم آیا لیکن میں نے اس کی بات پھر بھی نہ مانی۔ پھر انہوں نے مجھ کو مارا، اب مامون تیسری مرتبہ آیا اور مجھ سے کہا تو میں اس کی بات نہ سمجھ سکا پھر ان لوگوں نے مارا تو میرے ہوش و حواس اڑ گئے اور ضرب کا احساس نہ ہوا۔ اس حالت سے مامون ڈر گیا چنانچہ مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک کمرہ میں پایا، بیڑیاں میرے پاؤں سے اتار لی گئی تھیں یہ ۲۵ رمضان ۲۲۱ھ کا دن تھا۔

حاضرین میں سے ایک نے کہا: ہم تمہارے چہرے پر جھکے پڑے تھے، اور تمہاری پشت پر چٹائی ڈال کر اس کو خوب روندا امام نے فرمایا: مجھے کچھ پتہ نہیں چلا،

اس حالت میں وہ لوگ ستو لے کر آگئے کہ میں روزہ توڑ ڈالوں لیکن میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ میں نے روزہ پورا کیا جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو قاضی ابن سماعہ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی نماز پڑھا کر سلام پھیر کر پھرے تو کہنے لگے تم نے بہتے ہوئے خون والے کپڑوں میں نماز پڑھ لی، میں نے جواب دیا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہتے ہوئے زخم میں نماز پڑھ لی تھی تو وہ اس پر خاموش ہو گئے۔

جب حضرت امام احمد اپنے گھر تشریف لائے تو پٹی کرنے والے لوگ آئے ان لوگوں نے بے جان لٹکے ہوئے گوشت کے لوتھڑے جسم سے کاٹ کر پھینکے، اور علاج معالجہ شروع کر دیا، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاء عطاء فرمائی، جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے عافیت سے نوازا تو (خلفیہ) معتصم اور سب مسلمان بہت خوش ہوئے کیونکہ معتصم کو حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھنے پر بہت شرمندگی اور ندامت کا سامنا تھا۔

حضرت امام احمد نے اہل بدعت کے سوا جس نے آپ کو تکلیف پہنچائی تھی سب کو معاف کر دیا، آپ قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرماتے

﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

"اور معاف کرو اور درگزر کرو، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرما دیں، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔"

اور آپ فرماتے: اگر اللہ تعالیٰ تمہارے مسلمان بھائی کو تمہاری وجہ سے عذاب دیں تو تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔

امام احمد فرماتے ہیں: مجھے صرف اٹھارہ کوڑے لگائے گئے جب کہ اس (ابوالہیثم) کو اٹھارہ ہزار کوڑے مارے گئے، اور ابھی مزید لگنے تھے کہ پیغام آگیا امیر

امام محاسبی نے فرمایا:
(علم کی) سچی طلب پیدا کرو بصیرتوں سے بھر پور علم حاصل ہوگا، معارف کے

المؤمنین نے معاف کر دیا ہے۔
امام نے اپنے استاذ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو مدنظر رکھا آپ نے فرمایا

من قالَ منّي أفعلِقتُ بِذِمّتِهِ
سامَحْتُه اللّٰه راجِي مِنَّتِهِ
كَيْ لا أُعوِّقَ مُسْلِمًا يومِ الجزاءِ
ولا أَسُوءَ محمّدًا فِي أُمَّتِهِ

جس سے مجھے کوئی مصیبت پہنچی یا میرا حق اس سے متعلق ہو تو میں اس کو اللہ تعالیٰ سے احسان کی امید رکھتے ہوئے معاف کرتا ہوں کہ میں روز جزا کسی مسلمان کو پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے بارے میں پریشان کرنا چاہتا ہوں۔

ابوالحسین ابن المنادی کہتے ہیں: مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا کہ: ابوعبداللہ کو معتصم کے سامنے زمین سے ایک مشت اوپر معلق کر کے مارا گیا، اور جب آپ پر غشی طاری ہوگئی تو آپ کو چھوڑ دیا کیونکہ آپ کی عقل زائل، رنگ زرد اور جسم ڈھیلا پڑ گیا تھا، معتصم یہ حالت دیکھ کر خوف زدہ ہوگیا، اور حکم دیا کہ: ان کی بیڑیاں کھول کر ان کو ان کی جگہ (جیل میں) پہنچا دیا جائے۔ کوڑے لگانے والوں کا بیان ہے: امام نے کوڑے کھانے والے چوروں سے زیادہ استقامت کا مظاہرہ کیا، میں نے ایسی ضرب لگائی کہ اگر اونٹ کو بٹھا دیا جائے اور میں اس کو کوڑے سے ماروں تو اس کے پیٹ میں سوراخ ہو جائے، دوسرے نے کہا کہ اگر میں ایسا کوڑا ہاتھی کے ماروں تو وہ پھٹ جائے۔ انتہی۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ اپنے صادق بندوں کی کس قدر جلدی مدد فرماتے ہیں۔

چشمے پھوٹیں گے، تم خود اس علم کو امتیاز کے ساتھ پہچان لو گے جو تمہیں خالص توفیق خداوندی سے حاصل ہوگا، تقدم (اور فضیلت) اسی کے لئے ہے جس نے (علم پر) عمل کیا، اور خشیت (الٰہی) صاحب علم کو حاصل ہوتی ہے اور توکل (اللہ پر) بھروسہ کرنے والے کو، اور (اللہ تعالیٰ کا) خوف یقین رکھنے والے کو، (اور نعمت میں) اضافہ شکر کرنے والے کو۔

جان لو! انسان کو فہم، اس کی عقل کی سلامتی، اور موجودہ علم کے بقدر حاصل ہوتی ہے۔[1] سو اس کی پرہیزگاری اور اطاعت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل (وافر) کی نعمت سے نوازا، اور ایمان کے بعد علم کے حصول سے اس کو پروان چڑھایا، اور یقین کی آنکھ سے دیکھا، اپنے عیوب و کمزوریوں پر نظر کی، تو ایسے شخص کے واسطے نیکی کے اعمال مرتب (ومیسر) کر دیئے گئے لہٰذا تقویٰ کے ذریعہ سے نیکی کے طلب گار بنو، اور اہل خشیت (علماء عاملین) سے علم حاصل کرو۔[2]

---

[1] ''تقویم عقل'' سے مراد عقل کی استقامت اور اس کا صحت ادراک (علم حاصل کرنے کی صلاحیت) ہے، ایک نسخہ میں (بقدر تقدیم عقلہ) کے الفاظ ہیں۔ اس کے معنی ہوں گے کہ ''عقل کو خواہش نفس، دحظ نفس سے مقدم و راجح کرنے کی بقدر علم حاصل ہوگا۔''

[2] تقویٰ پر مرتب ہونے والے ۲۷ آثار و بشارتیں

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ''فَاطْلُبِ الْبِرَّ فِي التَّقْوٰى'' میں تقویٰ پر مرتب ہونے والے اس کے عظیم الشان اثر یعنی ''بِر'' کو بیان کیا ہے، اور یہ کلمہ ''بِر'' خیر کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ علامہ فیروز آبادی نے اپنی کتاب ''بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز'' ۲/۳۰۱ پر تقویٰ کے آثار و بشارتیں جو قرآن کریم میں (مختلف مقامات پر) وارد ہیں شمار کروائی ہیں جو قریباً ۲۷ ہیں جن کا تفصیلی بیان مندرجہ

ذیل ہے حضرت نے فرمایا: ان بشارات کا بیان جو اللہ تعالیٰ نے متقین کے حق میں قرآن پاک میں بیان فرمائی ہیں ۲۷ ہیں:

۱ انواع و اقسام کی عزتوں کے حصول کی بشارت: "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰی"

۲ مدد و نصرت فرمانے کی بشارت: "إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا"

۳ علم و حکمت سے نوازنے کی بشارت: "إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا"

۴ گناہوں کی بخشش اور متقی کے عظیم الشان اجر سے ماجور ہونے کی بشارت "مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا۝"

۵ (اس بشارت کے الفاظ مطبوعہ اصل کتاب سے رہ گئے ہیں مخطوطہ میں دیکھی جا سکتی ہے)۔

۶ مغفرت کی بشارت "واتّقوا اللّٰه إن اللّٰه غفورٌ رَّحيمٌ۝"

۷ ہر کام میں سہولت و آسانی "مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ أَمْرِهٖ يُسْرًا۝"

۸ غم و مشقت سے چھٹکارا "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا"

۹ امن و فراغت و رزق میں وسعت "وَيَرْزُقْهُ من حَيْثُ لا يَحْتَسِبُ"

۱۰ عذاب و سزا سے نجات "ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا"

۱۱ مقصد میں کامیابی "يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوا بِمَفَازَتِهِمْ ۝ "إِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا۝"

۱۲ توفیق و تحفظ "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" سے "وأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝" تک۔

۱۳ ان کے سچا ہونے کی گواہی "أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ"

⑭ (دوسروں کی بہ نسبت) معزز و مکرم ہونے کی بشارت ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ أَتْقٰكُمْ“
⑮ اللہ تعالیٰ کی محبت کی بشارت ”إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝“
⑯ کامیابی ”واتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝“
⑰ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور قرب کا حصول ”وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ“
⑱ مشقت پر بدلہ ملنے کی خوشخبری ”إِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝“
⑲ صدقہ کے قبولیت کی بشارت ”إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝“
⑳ صفائی واخلاص ”وَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ“
㉑ کمال بندگی ”إِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ“
㉒ جنت اور اس کے چشموں کی بشارت ”إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝“
㉓ مصیبت سے حفاظت ”إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ أَمِيْنٍ ۝“
㉔ تمام مخلوق پر برتری کی عزت ”وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“
㉕ سزا کا عدم خوف و زوال حزن ”فَمَنِ اتَّقٰى وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝“
㉖ ہم مزاج بیویاں ”إِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۝ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝“
㉗ حق تعالیٰ کا قرب، لقاء اور دیدار ”إِنَّ المتَّقِيْنَ فِي جَنّٰتٍ وَنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عند مَلِيْكٍ مُقْتَدِرٍ ۝“ کچھ اضافہ کے ساتھ تمام ہوا۔
(سبحان اللہ) تقویٰ پر ملنے والی غنیمتیں کس قدر زیادہ ہیں، اور متقین کس قدر

امام محاسبی نے فرمایا:

صدق کے تلاش و تفکر کے مواقع میں (غور و فکر کر کے) یقین کامل حاصل کرو، ارشاد ربانی ہے: ﴿وكذلك نُرِيْ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "یقین حاصل کرو، میں بھی اس کے حصول میں ہوں[2]۔"

غانم ہیں، حرص و کوشش کیجئے شاید آپ بھی ان میں شامل ہو جائیں۔

[1] "اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو عجائبات آسمانوں اور زمینوں کے، اور تاکہ اس کو یقین آ جائے۔" (سورۃ الانعام: آیت ۷۶)

[2] یہ حدیث "حلیۃ" ۶/۹۵ پر ابو نعیم نے ثور بن یزید سے مرسلاً روایت کی ہے، الفاظ اس طرح ہیں "تَعَلَّمُوا الْيَقِيْنَ كَمَا تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ حَتّٰى تَعْرِفُوْهُ، فَإِنِّي أَتَعَلَّمُهُ" اس کی سند میں ایک راوی "بقیۃ بن الولید حمصی" ہیں جن کی تدلیس معروف ہے اور یہاں بھی انہوں نے "عنعنہ" سے روایت کی ہے، اس کے استاذ "عباد بن احنف سکسکی ہیں۔" امام ذہبی "المیزان" میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ مجہول راوی ہیں لہٰذا یہ حدیث انتہائی ضعیف بالکل "واہی" ہے۔ اس حدیث کے معنی میں بھی غرابت ہے، جبکہ نحوی قواعد کی رو سے بھی اس میں سقم ہے کیونکہ لفظ "کما تعلموا" میں نون کو حذف کر دیا گیا ہے حالانکہ یہ حالت رفعی میں ہے (نون اعرابی ہونا چاہئے تھا) پھر میں نے حافظ کی کتاب "تخریج احادیث الاحیاء" ۱/۱۳۲ میں اس کو دیکھا انہوں نے اس کو ذکر کیا اور کہا: اس حدیث کو ابو نعیم نے مرسلاً روایت کیا ہے اور یہ متصل ہے، اور اس کو ابن ابی الدنیا نے "الیقین" میں "خالد بن معدان" سے روایت کیا ہے۔ انتہی۔ یہی اقرب الی الصواب ہے امام غزالی فرماتے ہیں "تعلموا الیقین" کا مطلب ہے کہ "صفت یقین سے متصف لوگوں کی مجالس میں بیٹھو، اور ان سے علم یقین کی باتیں سنو، اور ان کی پیروی میں مواظبت کرو تاکہ تمہارا

امام محاسبی نے فرمایا:

جان لو! جس عقل کو تین چیزیں حاصل نہ ہوں وہ مکار عقل ہے۔[1] اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو نافرمانی، علم کو جہالت، اور دین کو دنیا پر ترجیح، اور جس علم میں تین باتیں نہ ہوں وہ (عالم کے خلاف) حجت (ودلیل) بنے گا، شوق کو ختم کر کے (تکلیف پہنچانے سے) رک جانا، خشیت الٰہی کے ساتھ عمل، فائدہ پہنچانے کی غرض ومہربانی سے انصاف سے کام لینا۔ جان رکھو! عقل سے بڑھ کر مزین ہونے کے لئے کوئی زینت کی چیز نہیں۔[2] علم سے زیادہ کسی نے خوبصورت لباس نہیں پہنا۔[3] کیونکہ اللہ

یقین ان کے یقین کی طرح کامل ہو جائے۔

۱؎ ''عقل مکید'' سے مراد مغلوب بالشہوت ہے، بعض نسخوں میں ''عقل مکاذ'' جو شاید محرف ہے ''مکار'' سے یعنی ایسی عقل کہ جو فریب خوردہ ناموافق ہو کہ انسان کے سامنے شر کو خیر اور خیر کو شر بنا کر پیش کرے۔

۲؎ جلیل القدر تابعی حضرت عروۃ بن الزبیر فرماتے ہیں: دنیا میں بندوں کو سب سے بہترین چیز عقل عطاء ہوئی ہے۔ اور آخرت کی سب سے افضل نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی۔ از کتاب ''العقل وفضلہ'' مصنفہ ابن ابی الدنیا صفحہ ۱۳۔

۳؎ علم کی فضیلت وشرافت

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اگر (دوسری چیزوں کی طرح) علم کی بھی شکل وصورت ہوتی تو وہ چاند، سورج، ستاروں اور آسمان سے بڑھ کر خوبصورت ہوتی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: علم جہالت میں دلوں کی زندگی، اور تاریکی میں آنکھوں کی روشنی، کمزوری میں جسم کی قوت ہے۔ انسان کو نیک ومنتخب لوگوں کے مراتب اور دنیا وآخرت کے بلند درجات تک پہنچاتا ہے۔ اس میں غور وفکر روزے رکھنے (کے ثواب) کے برابر ہے۔ اور اس کا تکرار ومذاکرہ نماز

میں کھڑے رہنے کے مساوی ہے۔اسی سے صلہ رحمی کے حقوق کی پہچان اور حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے یہ مقتدیٰ وامام ہے اور عمل اس کا تابع و مقتدِی ہے۔نیک بختوں کو حاصل ہوتا ہے اور بد بخت اس سے محروم رہتے ہیں۔

(منقول از حافظ ابن رجب ''شرح حدیث العلم'' صفحہ ۳۴،۳۵)

علامہ فیروز آبادی اپنی کتاب ''بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز'' ۱/۴۲ پر فرماتے ہیں: جان لو! علم الاخلاق میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسانی فضائل کی اصل چار چیزیں ہیں: (۱) علم (۲) شجاعت (۳) عفت (۴) عدل۔ان کے علاوہ سب انہی کی شاخیں اور فروع ہیں یا ان کی طرف منسوب ہیں۔

علم نفس ناطق (انسانی عقل) کی فضیلت ہے، شجاعت انسان کی قوت غضبیہ کی نگرانی کرنے والی، اور عفت انسانی قوت نفسانی (شہوانی) کو سنوارنے والی، اور عدل تمام معاشرے کے افراد کے لئے باعث فضیلت ہے، یقیناً نفس ناطقہ (عقل) ان تمام سے افضل ہے، تو اس کے لئے باعث فضیلت چیز بھی سب سے افضل ہوگی (یعنی علم) کیونکہ عقل بغیر علم کے کامل نہیں ہوسکتی، جب کہ علم بغیر عقل کے بھی کامل ہوسکتا ہے تو علم عقل سے بے نیاز ہے جب کہ عقل علم کی محتاج ہے، تو علم افضل ہوا (نہ کہ عقل)۔

علامہ نصیر الدین طوسی اپنے رسالہ ''آداب المتعلمین'' کی ابتداء میں فرماتے ہیں: علم کی فضیلت کسی پر مخفی نہیں، اس لئے کہ علم ہی وہ ہے جو انسانیت سے مختص ہے، کیونکہ علم کے علاوہ تمام خصلتوں میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہیں، جیسا کہ شجاعت، قوت، رحم دلی وغیرہ، اسی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر فرمائی اور ان کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا نیز علم ہی ابدی و سرمدی نیک بختی تک پہنچنے کی راہ ہے بشرطیکہ علم کے مطابق عمل ہو۔

تعالیٰ کی پہچان صرف عقل سے اور اس کی اطاعت صرف علم سے ہو سکتی ہے۔[1]

---

[1] علم وعقل کے ایک دوسرے پر اپنی فضیلت و برتری ظاہر کرنے کے بارے میں چند اشعار

مصنف علیہ الرحمہ کی یہ عبارت "ما عرف اللّٰہ الا بالعقل" سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل علم سے افضل ہے۔ اور یہی بات حق ہے البتہ بعض نے علم کو عقل پر فضیلت دی ہے، اور ان دونوں میں ایک لطیف مباحثہ کی شکل میں کلام پیش کیا ہے، جس میں دونوں میں سے ہر ایک اپنی برتری دوسرے پر ظاہر کرتا ہے، چنانچہ دونوں کی زبان سے یہ کلام نکلا ؎

عِلْمُ العَلِيمِ وعَقْلُ العاقِلِ اختَلَفا
مَنْ ذاالذی منهما قَدْ أحرز الشَّرَفَا؟
فالعِلْمُ قال: أنا أحرزْتُ غايَتَه
والعقلُ قال: أنا الرحمٰن بی عُرِفَا
فأفصح العِلْمُ إفصاحًا وقال له:
بأ يِّنَا اللّٰهُ فی فُرقانِه اتَّصَفَا؟
فَبَانَ للعَقْلِ أَن العِلْمَ سيّدُهُ
فَقبَّلَ العَقْلُ رأسَ العِلْمِ وانْصَرَفَا

"عالم کے علم اور عاقل کی عقل دونوں میں اختلاف ہوا کہ دونوں میں سے کون فضیلت کا جامع ہے۔" چنانچہ علم نے کہا: میں فضل وشرف کی انتہاؤں کو چھو رہا ہوں۔ عقل گویا ہوئی: میری وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو سکتی ہے (اس لئے میں افضل ہوں)۔ علم نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی

صفات میں ہم سے کس کو گنوایا ہے۔ اب عقل کے سامنے یہ بات واضح ہوئی کہ علم تو اس کا بھی سردار ہے تو عقل نے علم کے سر کو چوما اور چلی گئی۔

لیکن اس قائل سے اس بات کا ذہول ہو گیا کہ: عقل تو علم کا منبع اور اصل ہے علم کو عقل سے وہی نسبت ہے جو کہ روشنی کو سورج سے اور بینائی کو آنکھ سے، خوب فرمایا: ''إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ'' (اس میں علامات (ونشانیاں) ہیں عقل مندوں کے واسطے۔ الآیۃ۔

مولف امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''الرعایۃ'' میں فرماتے ہیں: عقل کی مثال آنکھ کی سی ہے اور علم کی مثال سراج (چراغ) کی طرح ہے، جس کی آنکھ و بینائی نہ ہو وہ چراغ سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اور جس کی بینائی نہ ہو وہ اپنی مطلوبہ چیز نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت امام ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی سے اقتباس (خوشہ چینی) کرتے ہوئے اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' کے آغاز میں فرمایا: اما بعد! انسان پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک عقل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) کو پہچاننے کا ایک واسطہ وذریعہ ہے، اور یہی عقل انبیاء پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کا باعث ومحرک ہے۔ لیکن جب اس عقل سے انسان نے بھرپور فائدہ نہ اٹھایا (اور اس کو کام میں نہ لایا) تو اللہ تعالیٰ کو انبیاء ورسل بھیجنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے انبیاء مبعوث فرمائے کتابیں اتاریں، شریعت کی مثال سورج کی سی ہے اور عقل کی مثال آنکھ کی طرح ہے کہ جب کھلی ہوگی اور تندرست وبینا ہوگی تو سورج کو دیکھ لے گی، پھر جب عقل کے سامنے انبیاء کے اقوال صادقہ غیر عادی معجزات ودلائل سے سچے ثابت ہو گئے تو اس نے ان کی صداقت کو تسلیم کر لیا، اور مخفی چیزوں کا اقرار کرتے ہوئے ان پر ایمان لے آئی۔

امام محاسبی نے فرمایا:

جان لو! اہل معرفت (صوفیاء) نے احوال کے اصول کی بنیاد علم الٰہی کے دلائل (کی روشنی) میں رکھی ہے۔ البتہ جزئیات میں تفقہ (اجتہاد) سے کام لیا۔[1] کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی طرف توجہ نہیں کی "جس نے اپنے علم پر عمل

شیخ شہاب الدین ابن جہبل (احمد بن یحییٰ) شافعی دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: شریعت نے عقل کی تعدیل (توثیق) کی اور اس کی شہادت کو معتبر قرار دیا ہے۔ کتاب اللہ میں بہت سے مواقع پر اس سے استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قال: من يُحْيِي العِظَامَ وَهِيَ رميمٌ؟ قل! يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾

ترجمہ: "اور بٹھلاتا ہے ہم پر ایک مثال اور بھول گیا اپنی پیدائش کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہوگئیں، تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا پہلی بار۔" (یٰسین:۷۹)

نیز عقل سے توحید پر استدلال بھی موجود ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾

ترجمہ: "اگر ہوتے ان دونوں (آسمان و زمین) میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے۔" (الانبیاء:۲۲)

کیسی ہلاکت ہے اس کی جس نے ایسے دلیل کو رد کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے اعتبار کیا ہے، ایسی بات کو ساقط الاعتبار قرار دیا جس کا اعتبار رب تعالیٰ نے بڑھایا تھا۔

("طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" سبکی ۸۴/۹، ۸۵)

[1] اس کے بارے میں بحث عنوان "صوفیاء کا کتاب وسنت سے ارتباط" کے تحت شیخ شعرانی اور حافظ ابن رجب حنبلی سے "علم کتاب وسنت وحلال وحرام" کے وجوب

کیا، اللہ تعالیٰ اس کو انجانا علم عطاء فرماتے ہیں۔[۱]" اس کی علامت اللہ تعالیٰ کے خوف سے علم کے فہم میں اضافہ، اور پیروی (شریعت) سے علم کی زیادتی ہے۔ جیسے جیسے علم بڑھتا خشیت الٰہی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔[۲] اور جوں جوں عمل میں نمو ہوتا ہے

والتزام پر گزر چکی ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

[۱] یہ حدیث نہیں ہے بلکہ (جیسا کہ روایت ہے) عیسی بن مریم علیہ السلام کا کلام ہے، حافظ ابونعیم "حلیۃ" میں ۱۰/۱۵ حضرت انس سے مرفوعاً اس کی سند ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: بعض تابعین کے واسطہ سے حضرت عیسی علیہ السلام سے مروی ہے۔ کسی راوی نے وہم کی بنیاد پر اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ اور اس پر یہ سند بنالی۔ انتہی۔

حافظ عراقی "تخریج احادیث الاحیاء" ۱/۱۲۲ پر کہتے ہیں: ابونعیم نے اس کو "حلیۃ" میں حضرت انس سے روایت کیا ہے لیکن اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کی اس بات میں بھی قصور فہم ہے کیونکہ ابونعیم نے اس کو ضعیف نہیں کہا بلکہ اس کی سند کو موضوع کہا ہے۔ جیسا کہ صراحۃً پہلے گزر چکا ہے۔

[۲] اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اشعار کس قدر مبنی بر حقیقت ہیں آپ فرماتے ہیں ؎

علیٰ قدرِ علمِ المرءِ یعظُم خوفُه
فلا عالِمٌ إلّا من اللّٰه خائفُ
وآمِنٌ مکرَاللّٰه باللّٰه جاهلٌ
وخائفُ مکرَاللّٰه باللّٰه عارفُ

انسان کے علم کے بقدر اس کا خوف ہوتا ہے کوئی عالم ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ سے خائف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف انسان (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناواقف ہے۔

تواضع بڑھتی ہے۔[1]

اصل جو صوفیاء کے طریق میں ثابت ہے وہ امر بالمعروف کا التزام، اور نہی عن المنکر صدق و اخلاق کے ساتھ۔[2] نفسانی چاہتوں[3] سے علم پر عمل کو مقدم کرنا۔ اور تمام مخلوق سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ سے نیاز مندی۔

---

[1] یہاں پر "کلما ازداد عملا" ہے جب کہ "اصل" میں "کلما ازداد عِلْمًا" ہے۔ جیسے مناسب لگے لکھ لیا جائے۔

[2] امام کی "صدق" سے مراد یہ ہے کہ جب آپ دوسرے کو امر بالمعروف کریں تو خود بھی اس معروف (نیکی) کو اپنائیں۔ اور جب آپ دوسرے کو برائی سے روکیں تو خود بھی برائی سے رکیں، ورنہ آپ کا شمار بھی ان لوگوں میں سے ہوگا کہ جن کی مذمت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

ترجمہ: "کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو کتاب، پھر کیوں نہیں سوچتے۔" (البقرہ:۴۴)

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اگر تو امر بالمعروف کا فریضہ انجام دینے والا ہے تو اس پر خود سختی سے کار بند رہ ورنہ ہلاک ہو جائے گا، اور اگر منکر (برائی) سے روکنے والے ہو تو خود سب سے زیادہ رکنے والے بنو ورنہ تباہی میں گر جاؤ گے۔ (از کتاب الزہد صفحہ ۶۰ مصنفہ امام احمد بن حنبل)

[3] یہی بات امام ابن الجوزی کے واقعہ سے پیش کی جاتی ہے تا کہ آپ کو "عمل" کی تقدیم بر "چاہت نفس" کا مشاہدہ ہو جائے۔ امام ابوالفرج ابن الجوزی جو کہ علامہ حافظ عالم عراق، واعظ آفاق، خوش شکل، حسن اخلاق، نرمِ گفتگو، لہجے اور آواز کی موزونیت

امام محاسبی نے فرمایا:

ان لوگوں کے آثار (وواقعات) کو دیکھو جن کے علم نے خشیت الٰہی، عمل نے بصیرت[۱] اور عقل نے معرفت میں اضافہ کر دیا تھا، لیکن اگر ادب کی کمی تمہیں ان کی راہ سے متصف، اور لذیذ ظرافت طبع کے مالک تھے، قافیہ بند وعظ کہنے میں ملکہ تامہ رکھتے تھے۔

آپ کی مجلس وعظ میں ہزاروں (بعض نے اس کی تعداد لاکھوں میں بتائی ہے) لوگ شریک ہوتے، آپ کو وعظ و پند میں وہ کمال حاصل تھا جو کسی کو حاصل نہ ہو سکا، آپ کی مجلس میں بادشاہ اور وزراء بھی شریک ہوتے بلکہ پردہ کے پیچھے خلفاء بھی سنتے، لوگ آپ کے درس کے لئے ایک دو دن پہلے سے تیاری کرتے، اور اس مقصد کے لئے گھر اور خالی جگہیں کرائے پر لیتے۔

ایک آدمی نے ان سے کہا: آج رات بھر مجلس وعظ کے شوق میں سو نہیں سکا، آپ نے فرمایا: اس لئے نہیں سو سکے کہ تم غم سے نجات چاہ رہے تھے (کہ مجلس کے لئے اچھی جگہ وغیرہ بنالوں بعد میں پریشانی نہ ہو) اب تمہیں چاہئے کہ جو کچھ مجلس وعظ میں سنا ہے اس پر عمل کرتے ہوئے آج پوری رات (عمل میں) جاگ کر گزارو۔ اللہ تعالیٰ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رحم (ومہربانی) کا معاملہ فرمائیں آپ کتنے بیدار مغز و قلب والے تھے، کہ انہوں نے اس غافل کو چاہت نفس سے علم کے حق (یعنی عمل) کی طرف پھیر دیا۔ ماخوذ از ''ذیل الروضتین'' صفحہ ۲۲، مصنفہ ابوشامہ المقدسی ''تذکرۃ الحفاظ'' ۴/۱۳۴۲ از امام ذہبی۔

[۱] امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد کی حفاظت اس چیز سے فرماتے ہیں کہ جس چیز سے داڑھی کی حفاظت کی جائے

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی بصیرت علم و عمل میں کس قدر خوبصورت تھی، علمی

پر چلنے سے مانع ہو تو اپنے نفس (وذات) کو ملامت کرو (حقیقت یہ ہے کہ) اہل علم پر اخلاص والوں کی کیفیت چھپی نہیں رہ سکتی جان رکھو! ہر فکر میں ادب اور ہر اشارہ میں علم (نہاں) ہوتا ہے۔ اس کا امتیاز وہی کر سکتا ہے کہ جو اللہ عزوجل کی مراد کو سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے (بندوں کو خطاب) کے فوائد چن سکے۔ اس میں سچے انسان کی علامت یہ ہے کہ جب دیکھتا ہے نصیحت حاصل کرتا ہے، اور جب خاموش رہے فکر رکھتا ہے، جب بات کرے نصیحت کرے، جب روک دیا جائے صبر کرے، جب دیا جائے شکر بجالائے، جب مبتلائے آزمائش ہو "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھے، جب جہالت سے منسوب کیا جائے تو بردباری سے کام لے، جب علم سے متصف ہو تو تواضع کرے، جب سکھلائے تو نرمی کرے، اور جب مانگا جائے تو خرچ کرے۔

جو نیکی کا ارادہ کرنے والوں کے لئے شفاء، راہنمائی چاہنے والوں کا مددگار، سچوں کا سچا دوست، خشیت الٰہی رکھنے والوں کی جائے امن، نیک، اپنی ذات کے حق میں (اللہ تعالیٰ کی) رضاء کا قرب چاہنے والا، اللہ تعالیٰ کے حق (کی ادائیگی میں) بلند

اعتبار سے تو آپ کی کتاب صحیح بخاری وغیرہ اہل علم کے ہاں معروف ہیں، عملی بصیرت میں آپ کا وہ واقعہ ہے جس کو حافظ ابن حجر نے "ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری" ۲/۱۹۶ میں ذکر کیا ہے محمد بن منصور کہتے ہیں: ہم امام بخاری کی مجلس میں موجود تھے کہ ایک آدمی نے آپ کی داڑھی سے ایک تنکا اٹھایا اور مسجد میں پھینک دیا، میں نے امام کو دیکھا کبھی لوگوں کو اور کبھی تنکا کو دیکھ رہے تھے جیسے لوگ آپ سے غافل ہوئے آپ نے ہاتھ بڑھا کر وہ تنکا اٹھا کر جیب میں ڈال دیا اور جب مسجد سے باہر نکلے تو تنکا پھینک دیا، آپ نے مسجد کو اس چیز سے پاک رکھا جس سے کہ داڑھی کو پاک رکھا جاتا ہے یہ آپ کی علمی اور عملی بصیرت کی نشانی ہے "فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ" ایسے لوگوں کی راہ کی اقتداء کرو۔

ہمت ہو، اس کی نیت عمل سے بڑھ کر اچھی، اور فعل قول سے زیادہ پیغام رساں، حق اس کا ٹھکانہ، حیاء اس کی پناہ گاہ، اس کا علم (ورع) عمل میں[1] اور اس کا شاہد تقویٰ ہو

[1] حضرت عبداللہ بن المبارک کے ورع کا انوکھا انداز

مصنف کے اس قول "معلومه الورع" کا مطلب یہ ہے کہ اس کا علم اس کے ورع (وتقویٰ) پر قائم ہو کہ (شرعی) رخصتوں وتسہیلات (وتاویلات) کا سہارا نہ لے، یہ بات علم صحیح کے نتیجہ میں پیدا ہوسکتی ہے خاص کر وہ شخص کہ جو دوسروں کے لئے نمونہ واقتدار کا درجہ رکھتا ہو۔ حافظ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" ۱/ ۱۶۷ پر اور حافظ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" ۵/ ۳۸۷ پر فقیہ خراسان اور اپنے زمانہ کے مسلمانوں کے امام حضرت عبداللہ بن المبارک (مولود ۱۱۸ متوفی ۱۸۱ رحمہ اللہ تعالیٰ) کے حالات میں آپ کے ورع کا انتہائی دقیق (وعجیب) واقعہ لکھا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ابوحسان (عیسی بن عبداللہ) بصری کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن عرفۃ سے سنا، ان سے عبداللہ ابن المبارک نے بیان کیا کہ میں نے شام میں ایک شخص سے قلم لکھنے کے لئے عاریۃً لیا، لیکن مجھے واپس کرنا بھول گیا، جب میں (سفر کر کے) مرو پہنچا تو میں نے دیکھا کہ قلم تو میرے پاس ہے میں دوبارہ شام گیا تا کہ وہ قلم مالک تک پہنچا سکوں۔

میں کہتا ہوں: شاید آپ اس واقعہ کو عجیب و بعید سمجھیں گے ٹھیک ہے ہمارے زمانہ میں تو یہ بے شک عجیب ہے لیکن ہماری زندگی کے معیار و امثال و معاشرہ کے لحاظ سے، لیکن ان لوگوں کی زندگی میں جو آج سے ۱۳ سو سال پہلے تھے، جن کی زندگی ہم سے مختلف تھی یہ بعد ایسا ہی ہے جیسے ان دو زمانوں کا بعد، جس میں بہتر ترجیحات، شرف، صلاح، ورع اور عمل کا بھی بعد ہے۔

امام ابوداؤد کی سنت نبویہ پر عمل کرنے کی حرص وشوق

دیکھئے امام ابوداود سجستانی مصنف "سنن ابی داؤد" (متوفی ۲۷۵ رحمہ اللہ تعالیٰ)

اس کی آنکھیں نورِ (حق) کی ہوں جن سے وہ دیکھ سکے، اور علم حقائق سے متصف جن سے وہ بول سکے، اور ایسے یقینی دلائل جنہیں وہ لوگوں کے سامنے بیان کر سکے[1]

چھینک کا جواب دینے کی حرص و شوق میں ایسا کام کرتے ہیں جس کو ہم لوگ اس زمانہ میں عجیب سمجھیں گے، علامہ شنوانی اپنی ''شرح علی مختصر ابن ابی جمرۃ'' صفحہ ۲۹ پر ''حدیث عطاس'' پر تعلیقہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: امام ابوداؤد صاحب السنن کے بارے میں مروی ہے کہ وہ کشتی میں تھے کہ کنارے پر ایک چھینکنے والے کی آواز سنی جس نے ''الحمدللہ'' کہا۔ آپ نے ایک چھوٹی کشتی ایک درہم کے عوض کرائے پر لی اور اس چھینکنے والے کے پاس پہنچے اور اس کو جواب دیا۔ آپ سے اس کے بارے میں سوال ہوا (کہ آپ نے صرف جواب دینے کی غرض سے اتنی تکلیف اٹھائی) آپ نے فرمایا ممکن ہے کہ وہ شخص مستجاب الدعوات ہو، جب کشتی والے سب سو گئے تو کسی کی آواز سنی گئی جو پکار رہا تھا: کہ ابوداؤد نے اللہ تعالیٰ سے صرف ایک درہم میں جنت خرید لی ہے

جمال ذی الارض کانوا فی الحیاۃ وھم
بعد الممات جمال الکتب والسیر

''اہل ارض کی خوبصورتی صرف زندگی تک ہے، مر جانے کے بعد کتابوں اور سوانح کی خوبصورتی رہ جاتی ہے۔''

[1] یہ صفات کس قدر عظیم و خوبصورت ہیں؟ اور اس وقت ان کی کیا عظمت (و رفعت) ہوگی جب کہ یہ کسی مسلمان میں یکجا جمع ہو جائیں؟ سلف صالحین میں اس قسم کے لوگ اتنے زیادہ تھے کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

امام ابن تیمیہ کا جیل میں انشراح صدر اور صبر

اللہ تعالیٰ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائے کہ انہوں نے

اپنی عظیم القدر زندگی میں اسلاف کی ان کو صفات کو زندہ کر دیا، جب آپ پر ابتلاء کا وقت آیا اور آپ کو دمشق کے قلعہ میں محبوس کر کے لوگوں سے بالکل کاٹ دیا گیا، آپ انتہائی راحت وسرور اور حقیقی خوشی سے معمور تھے۔ ان کی حالت بالکل ایسی ہی تھی جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے "کہ جس کی آنکھیں نور (حق) کی ہوں جن سے وہ دیکھ سکے۔ اور علم حقائق سے متصف ہو جن سے وہ بول سکے، اور ایسے یقینی دلائل جنہیں وہ لوگوں کے سامنے بیان کر سکے" چنانچہ جیل ان کی خلوت کا سامان تھا، جس پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر عظیم بجالاتے تھے۔

امام ابن القیم ان کی اس حالت کو اپنی کتاب "الوابل الصیب" صفحہ ٦٦، ٦٧ پر بیان کرتے ہیں جس کو حافظ ابن رجب نے "ذیل طبقات الحنابلة" ۲/۴۰۲ میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ اس وقت کا اپنا اور اپنے شیخ کا حال نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: استاذ (امام ابن تیمیہ) نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا: میرے دشمن میرا کیا بگاڑ لیں گے؟ میری جنت اور میرا باغ میرے سینے میں ہے (آپ کی مراد اس سے ایمان و علم یا کتاب و سنت تھی) میں جہاں بھی چلا جاؤں یہ میرے ساتھ ہیں مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے۔ میری جیل میری خلوت (کدہ) ہے میرا قتل شہادت ہے اور میری جلاوطنی میری سیاحت ہے۔ قلعہ میں محبوس کہا کرتے: اگر میں اس قلعہ کے برابر سونا بھی ان کو دے دوں تب بھی میں ان کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا، کہ ان کو اس خیر کا عوض دے سکوں کہ وہ اس خلوت کا سبب بنے ہیں حالت جس میں سجدہ میں یہ دعا پڑھتے: "أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" بار بار بہت زیادہ یہ دعا دہراتے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: محبوس وہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ (کی یاد) سے رک جائے اور دیواروں میں (قلعہ) بند وہ ہے جس کی خواہشات اس کا احاطہ کر لیں۔ جب آپ نے قلعہ کے اندر قدم رکھا اور اس کی اندرونی دیواروں کو دیکھا تو فرمایا:

امام محاسبی نے فرمایا:

یہ صفات وہی حاصل کرسکتا ہے جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی (رضاء) کے لئے تھکائے، اس کی اطاعت پر استقامت دکھائے، اس کی نیت خالص ہو خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھے، امیدیں قلیل رکھے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلے، عذاب کی پناہ گاہ یعنی آنسوؤں کے سمندر میں اتر جائے۔

پھر اس کے اوقات قیمتی، احوال محفوظ ہوں گے، دنیا کی رنگینیاں اس کو نہیں بہکا سکیں گے، اور نہ بادصبا کے سراب کی چمک اس کو یوم آخرت کے پُر ہیبت احوال سے غافل کرسکے گی، وہ غفلت کی نیند کے بعد بھی بیداری کے مقام سے ہمکنار ہوگا۔

جان لو! عاقل کا علم جب صحیح ہو، اس کا یقین پکا ہو، تو وہ خوب جانتا ہے کہ سچائی

"فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنه فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرَه مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ" الآیۃ: پھر کھڑی کردی جائے ان کے بیچ میں دیوار، جس میں ہوگا دروزاہ اس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر عذاب...... اللہ تعالیٰ کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ میں نے آپ سے زیادہ خوش عیش نہ دیکھا حالانکہ وہاں زندگی کی ترشروئی بھی تھی، اور نعمتوں و راحت کے برخلاف تنگیٔ حالات بھی، باوجودیکہ وہاں جیل کی گھٹن، دھمکیاں اور حالات کا بھونچال تھا لیکن آپ تمام لوگوں سے پاکیزہ حالت اور انشراح صدر، قوی قلب، سرور ذاتی والے تھے۔ نعمتوں کی تروتازگی آپ کے چہرے سے عیاں تھی جب ہمیں شدید خوف لاحق ہوتا، گمان بدل جاتے، زمین تنگ ہوجاتی تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان کا کلام سنتے، ان کو دیکھتے تو ساری بری کیفیات بدل جاتیں۔ اور انشراح، قوت یقین اور اطمینان میں تبدیل ہو جاتیں آپ فرماتے: ایک دنیا کی جنت ہے (یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر یقین) جو اس میں داخل نہ ہوگا (یعنی اس کا ایمان دنیاوی لذات میں ملوث ہو جائے گا) تو وہ آخرت کی جنت میں داخل نہ ہوگا۔

کے علاوہ کوئی چیز اس کو اپنے رب سے نجات نہیں دلا سکتی، چنانچہ اس کی طلب میں کوشش کرتا ہے اور اہلِ صدق کے اخلاق کے حصول میں سرگرداں رہتا ہے اس شوق میں کہ اس کی موت سے پہلے (لوگوں میں) اس کی حیات میں اچھی شہرت (کا چرچا) ہو[1]

تا کہ بعد از حیات (وفات) دار الخلود (آخرت) کی تیاری کر سکے، چنانچہ وہ اپنی جان اور مال کو اللہ تعالیٰ پر بیچ دیتا ہے، کیونکہ اس نے اپنے رب کا فرمان سن رکھا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾[2]

ایسا انسان جہالت کے بعد علم سے سرفراز ہوا، احتیاج کے بعد استغناء سے

---

۱ "موت سے پہلے حیات" کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زندگی میں اس کا شمار اس کے صدق، دیانت، امانت، دین، حسن سیرت کی وجہ سے نیک لوگوں میں ہو۔

۲ سورۃ التوبۃ آیت ۱۱۱۔ پوری آیت کا ترجمہ: "اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا توریت انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔"

ابوالوفاء ابن عقیل کا اپنی جان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرنے کی دعاء کرنا

حافظ ابن رجب "ذیل طبقات الحنابلۃ" ۱/۱۵۵ میں، ابوالوفاء ابن عقیل کے حالات میں لکھتے ہیں: ابوالوفاء ابن عقیل حنبلی، جن کے بارے میں کسی نے کہا ہے "آپ دنیا کے فاضل ترین، اور بنی آدم میں سے سب سے بڑھ کر ذکی تھے" کہا

کرتے تھے: تجھے اپنی جان اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کرنا کچھ بڑی بات معلوم نہ ہو کل یہی جان تم ایک مغنیہ (گانا گانے والی عورت) کی محبت، اور بے ریش لڑکے کے عشق میں لگا چکے ہو، اس جان کو مال ومتاع دنیا میں اضافہ کے لئے تم مشقت کے سفروں میں اپنے آپ کو دھکیل چکے ہو، اب تم نے اطاعت رب اختیار کی ہے تو اس کو بڑی بات خیال کرتے ہو، یعنی اس کا راہ خدا میں صرف کرنا تمہیں عظیم، اور اس کے نرخ تمہیں کثیر معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جان کا فدا کرنا اس کے لئے ہی بہتر ہے کہ جو جب ہلاک کرے تو پھر (زندگی) کو لوٹائے، لوٹائے تو فائدہ پہنچائے، فائدہ پہنچائے تو اس کو دوام بخشے، کیا جس کے لئے فدیہ جان اور سروں کی تن سے جدائی بہتر ہو یہ وہی ذات نہیں جو پکار پکار کر کہہ رہی ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَنْ لَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

"اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں، ان کی طرف جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم۔" (سورۃ آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)

حضرت قتادہ تابعی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بھاؤ تاؤ کیا۔ اور اللہ کی قسم! اس نے بہت بڑھا کر بھاؤ لگایا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: اللہ

متصف ہوا، اس کو بعد کے بعد قرب حاصل ہوا، تھکن کے بعد راحت ملی، اس کا معاملہ جم گیا، مقصد ملا، تقویٰ اس کا لباس، اور مراقبہ اس کی حالت ہے (کیا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر غور نہیں کیا آپ نے: اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو نہیں تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔[1]

جاہل اس کو خاموش، کلام کرنے سے عاجز سمجھتا ہے۔[2] لیکن اس کی حکمت نے

تعالیٰ نے بندوں کو جانیں دیں جن کے وہ خود خالق ہیں، اور مال دیتے ہیں جن کے وہ رازق ہیں، پھر انہی کو بندوں سے خرید لیا۔ امام نسفی اپنی تفسیر ۲/ ۲۵۵ پر فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے ایک دیہاتی گزرا جو یہ آیت پڑھ رہا تھا اور ساتھ کہہ رہا تھا: "بَیْعٌ۔ وَاللّٰہِ۔ مُرْبِحٌ، لانقِیْلُهٗ ولا نَسْتقِیْلُهٗ" واللہ! بہت نفع بخش تجارت ہے، ہم نہ اس معاملہ کو ختم کرتے ہیں اور نہ کرواتے ہیں، چنانچہ وہ جہاد میں شریک ہوا اور شہید ہو گیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

[1] اس حدیث کو ابونعیم نے حلیہ ۸/۲۰۲ پر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً، اور امام سیوطی نے "الجامع الصغیر" ۱/ ۵۵۱ ابونعیم سے روایت کیا اور شارح مناوی نے شرح میں فرمایا: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ "حسن" ہے کیونکہ دوسری حدیث اس کی موید ہے، یہاں جو الفاظ ہیں یہ مسلم ۱/ ۱۵۷ کتاب الایمان حدیث "سوال جبریل" احسان کے بارے جس کو حضرت عمر نے روایت کیا ہے، سے ملتے جلتے ہیں۔

[2] لایعنی باتوں سے خاموش رہنا اور حضرت لقمان حکیم کی خاموشی

لفظ "الصِمِّیْت" بروزن "السِکِّیْت" ہے اس کے معنی ہیں "بغیر عجز و

درماندگی کے کلام نہ کرنا اور طویل خاموشی اختیار کرنا" لیکن جب کلام کرنا چاہے تو خوب صورت کلام کرے، اسلاف میں بہت لوگ ایسے ہی تھے ؎

إذا اسكتُوا رأيتَ لَهُمُ جَمالًا
وإن نطقوا سمعتَ لهم عُقُولاً

جب خاموش ہوتے تو خوبصورت معلوم ہوتے، جب بولتے تو عقل ٹپکتی۔ تم ان کی مجالس ان کا وقار، اطمینان، خشوع، روشن چہرے، دیکھتے جن سے لوگ نفع اندوز ہوتے۔ اس کلام کا مطالعہ کیجئے جو امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر "جامع البیان عن تاویل القرآن" آیت "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ" کے تحت لکھا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے لقمان کو دین کی سمجھ، عقل، اصابت رائے سے نوازا۔ حضرت مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں فقہ، عقل، اور بغیر نبوت کے اصابت رائے، منقول ہے۔ حضرت عمرو بن قیس کہتے ہیں: لقمان اسود (کالے) غلام تھے، آپ کے ہونٹ موٹے، پاؤں کے تلوے بالکل برابر۔ ان کی مجلس میں ایک آدمی آیا اور دیکھا کہ لوگوں کو تعلیم دے رہے ہیں۔ تو آپ سے کہنے لگا: کیا تم وہی نہیں ہو جو میرے ساتھ فلاں جگہ بکریاں چراتے تھے، حضرت نے فرمایا: ہاں، اس نے پوچھا اتنے بلند مقام پر کیسے پہنچ گئے، انہوں نے فرمایا: سچائی اور لایعنی باتوں سے خاموشی کی وجہ سے۔ انتہی۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر "ابن کثیر" ۵/۳۸۱ پر فرماتے ہیں: ابن ابی حاتم، جلیل القدر صحابی حضرت ابودرداء (جنہیں "حکیم الامت" کے لقب سے ملقب کیا گیا) سے نقل کرتے ہیں: حضرت لقمان کو جو کچھ مال، اولاد، شرافت، اور صفات ملیں صرف اس لئے کہ وہ خاموش، دائم التفکر، گہری نظر والے تھے دن میں کبھی نہ سوتے، ان کو کسی نے تھوکتے ہوئے، کھنکھارتے ہوئے، بول و براز و غسل کرتے، کھیلتے اور ہنستے ہوئے نہ دیکھا اس لئے وہ اس مرتبہ تک پہنچ گئے۔

اس کو خاموش کر رکھا ہے۔[1]

(اگر وہ بولیں) تو احمق ان کو بے ہودہ سمجھے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر خواہی (کے حکم) نے ان کو بولنے پر مجبور کیا۔[2] اور ان کو مالدار خیال کرتا ہے، حالانکہ سوال سے دوری نے ان کو غنی کر دیا، ان کو محتاج خیال کرتا ہے، جب کہ عاجزی نے

اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا فرمائی۔ یہ اخلاق کس قدر خوبصورت ہیں۔ کوشش کیجئے آپ کو بھی حاصل ہو جائیں۔

[1] ابوخیثمہ نسائی کی ''کتاب العلم'' صفحہ ۱۱۴ اور امام احمد کی کتاب ''الزہد'' صفحہ ۲۶۱ پر ہے کہ حضرت ابوالحسن بصری نے فرمایا: میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا کہ اگر کوئی ان میں سے کسی کے ساتھ بیٹھے تو سمجھے کہ یہ لوگ کلام کرنے میں عاجز ہیں۔ حالانکہ وہ عاجز نہیں ہیں وہ تو مسلمان فقیہ ہیں۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: اگر کوئی فقیہ ان کے ساتھ بیٹھے تو وہ ان کو عاجز خیال کرے، لیکن وہ کلام سے عاجز نہیں ہیں محض اس لئے خاموش ہیں کہ وہ شہرت کو پسند نہیں کرتے۔

[2] وہ شاعر کے اس عمدہ اور بہترین شعر کا مصداق ہیں

ضَحُوْكُ السِّنِّ إِنْ نَطَقُوْا بِخَيْرٍ وَعِنْدَ الشَّرِّ مِطْرَاقٌ عَبُوْسٌ

ترجمہ: ''خیر کی بات کرتے ہوئے ہنسنے مسکرانے والا، شر کے وقت سر افگندہ ترش رو۔''

یہ اور ان جیسے سلف صالحین، اور ان کے مشابہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے، کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے ''اگر بولیں تب سچ کہیں۔ اگر خاموشی اختیار کریں تو کوئی خیر کی بات ان سے ضائع نہ ہو، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو حق کی باطل سے پہچان نہ ہو سکتی۔ اور نہ ہی ملمع سازی کی ہوئی بات سادہ بات سے ممتاز ہو سکتی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔''

ان کو ادنی بنا دیا ہے، وہ لایعنی کاموں سے تعرض نہیں کرتے، کفایت سے بڑھ کر تکلف نہیں کرتے، غیر ضروری چیز کو نہیں لیتے لیکن جس کی حفاظت ان کے سپرد ہے اس کو نہیں چھوڑتے، لوگ ان سے راحت میں ہوتے ہیں، اور وہ اپنے آپ کو تھکاتے ہیں (مجاہدہ) و پرہیزگاری سے ان کی حرص ختم ہو چکی، تقویٰ نے ان کے ذائقہ کو مار ڈالا۔ اور نور علم سے ان کی خواہشات (کی آگ) بجھ چکی ہے۔[1]

حضرت شقران قیروانی کی حضرت ذوالنون مصری کو نصیحت

ان ہی جیسے الفاظ انتہائی جامع، وزن دار، نصیحت و حکمت سے بھرپور حضرت شقران قیروانی صوفی کے کلام میں ہیں جو ذوالنون، سحنون، اور عون بن سیف کے شیخ ہیں یہ سب حضرات ایک ہی زمانہ کے ہیں، یہ اپنے زمانہ میں عبادت و زہد و ورع میں منفرد تھے، ان کی وفات ستر سال سے زائد کی عمر میں ۱۸۶ھ میں ہوئی ہے۔ ان کے سوانح پر مشتمل کتاب "معالم الایمان فی معرفة اهل القیروان" جس کے مصنف دباغ وابن ناجی ہیں کے ۱/۲۸۳ پر ہے جب ذوالنون مصری آپ کے پاس استفادہ کے لئے آئے کہ آپ کی صحبت سے منتفع ہو سکیں تو ستر دن تک آپ کے دروازہ (کی چوکھٹ) سے چمٹے رہے۔ پھر جب واپسی کا ارادہ کیا تو ان سے نصیحت و موعظت کی درخواست کی تو ان سے حضرت شقران نے فرمایا: تارک الدنیا کی روزی دنیا میں وہی ہے جو اس کو میسر آ گئی، اور رہائش وہی ہے جو اس کو حاصل ہو گئی، لباس وہی ہے جس سے اس نے (جسم کو) ڈھانپ لیا، خلوت اس کی ہمنشین، قرآن پاک اس کا کلام، اللہ عزیز و جبار اس کے مونس، ذکر اس کا ساتھی، زہد اس کا مصاحب، خاموشی اس کی محبوب، خوف اس کی دلیل، شوق اس کی سواری، نصیحت اس کا عزم، اللہ تعالیٰ کی کائنات میں غور اس کی فکر، صبر اس کا تکیہ، مٹی اس کا بچھونا، سچے لوگ اس کے

امام محاسبی نے فرمایا: ایسے بن جاؤ، اور ایسوں کے ساتھ رہو۔[1]

بھائی، حکمت اس کا کلام، عقل اس کی دلیل، بردباری اس کا خلیل، توکل اس کی کمائی، بھوک اس کی ہمیشگی کا ساتھی، اور اللہ تعالیٰ اس کے مددگار ہیں۔ ذوالنون کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اس مقام میں مزید وضاحت بھی ہوسکتی ہے۔ آپ نے فرمایا: نفس کا محاسبہ اور اس کی دیکھ بھال کرتے رہو، اب تمھیں کافی ہے کافی ہے۔ حضرت ذوالنون کہتے ہیں میں نے ان کے مواعظ میں سنا: جو توکل کرے گا غنی کہلائے گا توکل نہیں کرے گا مشقت اٹھائے گا، جو شکر کرے گا اللہ تعالیٰ کافی ہوں گے، اور جو راضی رہے گا عافیت سے رہے گا، ظلم کرنے والوں کو دیکھنا یعنی ان کے ساتھ بیٹھنا درحقیقت آفت ہے اور ان کو چھوڑنا راستہ کی پہلی سیڑھی ہے۔

۱ صلحاء علماء اور نیک لوگوں کی صحبت کی فضیلت اور فائدہ

یہ وہی لوگ ہیں جن کو امام غزالی فرماتے ہیں: یہ علماء آخرت ہیں جو دنیاوی علماء سے ممتاز ہیں، جب تم بھی اسی طرح کرلو تو ان جیسے بن جاؤ اور جب ان کی معیت اختیار کرو تو تمہارا شمار بھی انہی میں ہونے لگے، اور ان کی رفاقت کی وجہ سے تم بھی کامیاب ہو جاؤ۔

حدیث شریف میں ہے جس کو امام مسلم نے صفحہ ۱۷: ۱۴ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

إنّ للهِ ملائكةً سيَّارةً يطُوفُوْنَ في الأَرْضِ، فإذا صَعِدُوا إلى السماءِ سألَهُم اللّٰهُ تعالى وهو أعْلَمُ بِهِمْ: من أَيْنَ جِئْتُمْ؟ فيقولون: جئْنا من عندِ عبادٍ لك في الأرض، يسبّحونك، ويكبّرُوْنك، ويُهلِّلُوْنَكَ، ويَحْمدُوْنَك ويسْأَلُوْنَكَ، ويستغفرونك، فيقول: قد غفوتُ لهم، وأعطيتهم ما سألوا، وأجرتُهم ممّا استجاروا، فيقولون: رَبِّ فيهِمْ

فلانٌ عبدٌ خطّاءٌ، إنما مرّ فجلس مدهم، فيقول: ولهُ غَفَرْتُ، همُ القَوْمُ لا يشْقَى بهمْ جلِيْسُهُمْ.

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی ایک گھومنے والی جماعت ہے جو زمین کا چکر کاٹتی رہتی ہے پھر جب یہ لوگ آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں جب کہ وہ خوب جانتے ہیں ''تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟'' فرشتے عرض کرتے ہیں ہم آپ کے بندوں کے پاس سے آرہے ہیں۔ جو آپ کی تسبیح، تہلیل اور حمد کررہے تھے آپ سے مانگ رہے تھے، مغفرت چاہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! میں نے ان کو بخش دیا، ان کی حاجت ان کو دے دی، اور جس چیز سے وہ پناہ مانگ رہے تھے ان کو دے دی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: ان میں آپ کا فلاں گنہگار بندہ بھی ہے، صرف وہ ان کے پاس سے گزرا تو ان میں بیٹھ گیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اس کی بھی مغفرت فرمادی، یہ ایسی قوم ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں ہو سکتا۔ علماء صلحاء کی صحبت کی فضیلت کے بارے میں چند لطیف اشعار:

ایک حکیم شاعر کے اشعار ہیں ؎

بعشرَتِكَ الكِرامَ تُعَدُّ منهم　　فلا تُرَيَنْ لغير هم أُلُوْفًا

ترجمہ: ''نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے تیرا شمار انہیں میں ہوا ورنہ تو ان کے علاوہ کو ان کے ساتھ جڑا ہوا نہیں دیکھے گا۔''

ہمارے شیخ المشائخ بشیر حلبی غزی کے بہت لطیف اشعار ہیں جو اصلاً فارسی میں تھے (جو درج ذیل ہیں ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے　　رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفت کہ مشکی یا عبیری　　کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم　　ولیکن مدتے باگل نشستم

جمال ہمنشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم
(از مترجم)

انہوں نے ان کا ترجمہ عربی میں کیا ہے، جس نے ان کی لطافت، اور لذت میں اضافہ کر دیا ہے، انہوں نے یہ اشعار ''حلبی مٹی'' کی طرف سے کہے ہیں جس کو عام لوگ وہاں ''حلب باسم'' (BALOON BORD) کہتے ہیں آپ فرماتے ہیں ؎

رأيت الطين في الحمام يوماً بكف الحب اَ ثّر ثم نَسَّمْ

فقلت له: أمِسْكٌ امر عبيرُ؟ لقد صُير تني بالحب مغرم

اجاب الطين اني كنت تربا صحبت الورد صيرني مكرم

أَلِفتُ أكابرا و از ددت علماً كذا من عاشر العلماء يكرم

ترجمہ: ''میں نے ایک دن حمام میں مٹی کو دیکھا محبوب کے ہاتھ میں اس کا ایسا اثر تھا کہ خوشبو مہک رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا! مشک ہے کہ عبیر؟ تو نے مجھے محبوب کا عاشق زار بنا دیا ہے۔ مٹی نے کہا: میں مٹی ہوں، پھول کے ساتھ رہی جس نے مجھے معزز بنا دیا، میں نے اکابر سے دوستانہ رکھا میرے علم میں اضافہ ہو گیا، اسی طرح جو بھی علماء سے مخالطت رکھے گا معزز رہے گا۔''

''حلب باسم'' یہ ایک نرم نازک مٹی ہوتی ہے جس کو پہلے انتہائی باریک پیسا جاتا ہے پھر اس کو مشک، گلاب، اور مخلوط خوشبویات میں گوندھ دیا جاتا ہے، اس کے بعد خاص طریقہ سے اس کو خشک کیا جاتا ہے، اور اس کے کچھ حصہ کو ایک چھوٹے برتن میں رکھ کر اوپر سے پانی کے قطرات بہائے جاتے ہیں اور قریباً دس منٹ تک اس کو تر رکھا جاتا ہے۔ اس سے ایک معجون تیار ہو جاتی ہے جسے کوئی بھی نہانے والا جسم پر مل دیتا ہے اور کچھ دیر بعد اس کو صابن سے دھویا جاتا ہے جسے جسم میں بہت پیاری خوشبو مہکتی ہے اسی طرح بالوں پر بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔

ایسوں کے نشانات قدم کی پیروی کرو، ان کے اخلاق سے متصف ہو جاؤ، یہ لوگ محفوظ خزانہ ہیں[1] ان کو بیچ (چھوڑ) کر دنیا لینے والا نقصان میں رہتا ہے۔[2]

میں نے کتاب ''ترتیب المدارک لمعرفۃ اصحاب مالک'' مصنفہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ ۷/۲۲۵ میں قاضی ابومحمد عبدالوہاب بن نصر مالکی بغدادی، ثم مصری (مولود ۳۶۲، متوفی ۴۳۲) رحمہ اللہ کے حالت میں قاضی عیاض کا مندرجہ ذیل قول دیکھا: ہم سے بعض اندلس کے رہنے والوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مصر کے ایک حمام میں قاضی ابومحمد سے ملاقات ہوئی، میرے پاس ایک برتن میں یہی خوشبو تھی میں نے استعمال کا ارادہ کیا اس کو سونگھا تو آپ نے مجھ سے پوچھا: تم نے یہ کہاں سے لی؟ میں نے بتلایا کہ ایک غلام خریدا تھا اس کے سامان میں سے یہ ملی ہے، انہوں نے پوچھا: کیا تم نے اس کے مالک سے لیتے ہوئے بتلا کر لی تھی، میں نے کہا کہ نہیں، انہوں نے فرمایا کہ لے لو میں اس کو استعمال نہیں کرتا۔ اس واقعہ سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ یہ خوبصورت مٹی بہت پہلے سے لوگ استعمال کر رہے ہیں، دوسرے اس سے قاضی عبدالوہاب مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ورع اور بلند مرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے۔

[1] مصنف ''الکنز المامون'' سے اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ان کی صحبت خیر محض اور نفع محض ہے جس میں کسی قسم کا فتنہ نہیں اور نہ ہی کسی طرح کی (بیماری اور برا) نتیجہ ہے۔ بخلاف ''کنز مدفون'' (جو کسی کو ہاتھ آجائے) کہ یہ دین، امانت، اخلاق، وسلوک کے لئے (شدید) فتنہ اور دنیا و آخرت کے لئے نقصان دہ ہے، اسی واسطے ان کی صحبت کو ''کنز مامون'' سے تشبیہ دی ''کنز مدفون'' سے نہیں دی، اللہ کی رحمتیں امام محاسبی پر نازل ہوں کس قدر دقیق نظر و فکر کے مالک تھے۔

[2] یعنی اگر انسان کو دنیا مل جائے تو ان کی صحبت و معیت رہ جائے گی، تو یہ صریح نقصان اور ایسا انسان فریب خوردہ ہے کہ وہ ان کے بدلہ میں دنیا پر رضا مند ہے، یقیناً امام نے سچ فرمایا۔

امام محاسبی نے فرمایا:

یہ لوگ مصیبت کے لئے تیاری (کا سبب) ہیں، دوستوں سے بچنے والے ہیں، اگر تجھے ان کی احتیاج ہوگی تو تجھے (مالا مال کر کے) بے نیاز کر دیں گے، اور اگر (خلوت میں) اپنے رب کو پکاریں گے تو تجھے نہ بھولیں گے "یہ لوگ اللہ کا لشکر ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا لشکر ہی کامیاب ہے۔" (سورۃ المجادلۃ آیت ۲۲)

خوب سمجھ لو! (اللہ تعالیٰ تمہارے اور میرے دل کو فہم کی وسعت دے، اور میرے وتمہارے سینوں کو علم (کی روشنی سے) جگمگا دے، اور ہمارے خیالات کو یقین کی وجہ سے مجتمع کر دے) میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ دل کی ہر بیماری (یقیناً) فضول ولایعنی کاموں سے پیدا ہوتی ہے۔[۱] اور ان (فضول کاموں) کی جڑ دنیا میں ناواقفی کی بنیاد پر گھسنا ہے۔[۲]

---

[۱] شیخ عبدالفتاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ یہی بات امام حافظ محدث زاہد صاحب تصانیف کثیرۃ بصری صوفی، احمد بن محمد ابن الاعرابی جو کہ سنن ابوداؤد کے راویوں میں سے ہیں۔ متوفی ۳۴۰ھ۔ نے فرمائی ہے، آپ فرماتے ہیں "تصوف ہر لایعنی کام کو چھوڑنے کا نام ہے، اور اس کی مکمل معرفت (اپنی) جہالت کا اعتراف ہے، اور زہد کہتے ہیں ہر ضروری چیز کے لینے کو، اور معاملہ کا مطلب الاول فالاول (ہر ضرورت کو اس کے وقت پر لینے اور استعمال کرنے کو۔ اور رضاء (بالقضاء) اعتراض کا چھوڑ دینا ہے۔ اور عافیت (ہر کام میں) تکلف کو بلا تکلف چھوڑ دینا ہے۔" (از تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۳/۸۵۲ حالات امام موصوف)

[۲] حلال مال کے حصول کے لئے اس کے حصول کی تگ و دو شروع کرنے سے پہلے شریعت کا حکم معلوم کرلو

اسی واسطے لوگوں کے ہاتھوں میں حلال مال کم اور حرام بڑھ رہا ہے۔ کیونکہ وہ

نجات یہ ہے کہ ہر مجہول کو پرہیز گاری کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے۔[1]

مختلف اعمال تجارت، صنعت، زراعت، وغیرہ بغیر شرع سے مشورہ کئے اور اجازت لئے گھس جاتے ہیں، جس سے اخلاق واعمال بگڑ جاتے ہیں علماء کا مقولہ ہے: ”جب تم نے حرام مال کھا لیا تو تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گر گئے، تم اس سے چاہو یا انکار کرو، اور جب تم نے حلال مال کھا لیا تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بڑھ گئے چاہو یا نہ چاہو۔“

حافظ ابن رجب ”جامع العلوم والحکم“ ۱/۲۰۴ پر نویں حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خوب جان لو! ایسے خلاف شریعت کاموں میں ملوث ہونا جن کی کتاب وسنت میں کوئی اصل نہیں، کا سبب ایسے امور کا چھوڑ دینا ہے جن کے کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، یا جن سے بچنے کا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اور جس نے یہ التزام کرلیا کہ کام کرنے سے پہلے اس کے بارے میں پوچھ لے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مشروع فرمایا ہے تو اس کو کرے اور اگر روکا ہے تو رک جائے تو اس کے اعمال کتاب وسنت کے مطابق ہوں گے (سبحان اللہ یہ کلام کتنا دقیق اور سچا ہے اس پر عمل کیجئے)۔

اور جب کوئی انسان اپنی رائے اور خواہش کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کے افعال اللہ کے حکم کے خلافِ سرزد ہوتے ہیں، اور ان کو کتاب وسنت سے مرتبط کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے، کیونکہ یہ ان سے بہت دور اور ہٹ کر واقع ہوتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا ایک نمونہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کیا خوب انسان تھے، اور کس قدر متقی اور اپنے آپ کو (خلاف شروع وورع) کاموں سے بچانے والے تھے، علامہ ابن حجر ہیثمی ”خیرات الحسان فی مناقب الامام ابی حنیفۃ النعمان“ صفحہ ۴۳ پر فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی تجارتی حصہ دار کے پاس کچھ سامان بھیجا، جن میں ایک عیب دار کپڑا بھی تھا، کہ یہ ان کو بیچ دے، اس نے وہ سامان بغیر اس عیب دار کپڑے کی وضاحت کیے بیچ دیا، اور وضاحت کرنا بھول گیا، جب کہ خریدار بھی اس عیب سے ناواقفی میں وہ کپڑا لے گیا، یہ صورت حال جب امام صاحب کو معلوم ہوئی تو امام صاحب نے اس سامان کی تمام قیمت صدقہ کردی جب کہ یہ سامان مبلغ ۳۰ ہزار درہم کا تھا، اور اس کے بعد اپنے اس حصہ دار کو بھی اپنے تجارتی حصہ داری سے الگ کر دیا۔

ابن عابد مقدسی کے ورع وتقویٰ کا ایک واقعہ

مندرجہ ذیل واقعہ ورع وتقویٰ کے ان واقعات میں سے ایک ہے جن سے ہمارے اسلاف کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ ابن العماد "شذرات الذہب" ۵/۴۰۶ امام شمس الدین محمد بن عبدالرحیم مقدسی حنبلی دمشقی متوفی ۶۸۸ھ کے حالات میں فرماتے ہیں: امام ذہبی کہتے ہیں کہ "یہ امام فقیہ محدث زاہد عابد نیکی میں کثرت کرنے والے تھے، ان کا قدم تقویٰ میں راسخ تھا، دنیا سے بہت تھوڑا لینے والے تھے۔

ان کے بارے میں مروی ہے کہ: ایک مرتبہ "جبل صالحیہ" میں اپنی بعض ضروریات کے لئے ایک جگہ کھود رہے تھے، کہ بیچ میں ایک دراہم سے بھرا ہوا مٹکا ملا، اس وقت ان کی بیوی بھی اس کھودنے کے کام میں مدد کر رہی تھیں، تو آپ نے اس (مٹکا نکلنے) کو اپنے لئے آزمائش سمجھتے ہوئے فوراً "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا، اور اس جگہ کو حسب سابق مٹی سے بند کر دیا۔ بیوی سے کہنے لگے: یہ بڑا امتحان وآزمائش ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ مٹکا کسی کے ملکیت ہے جس کو ہم نہیں پہچانتے، اور بیوی کو تاکید کی کہ کسی کو اس بات کا نہ بتلائے اور نہ ہی اس (مٹکے) سے تعرض کرے، بیوی بھی انہی کی طرح نیک تھیں چنانچہ دونوں چھوڑ کر آگئے۔ حالانکہ یہ لوگ اس وقت اس کے انتہائی محتاج اور فقر میں تھے، یہ ورع وترک دنیا کی انتہاء ہے۔

اور ہر اس کام کو جو یقینی طور پر (خیر) معلوم ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے۔[1]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جس کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ وہ حلال ہے اس کو لینا چاہئے، اور اختیار کرنا چاہئے۔ اور جب تمہیں کسی معاملے میں اشتباہ ہو جائے یا کوئی مسئلہ (حکم کے اعتبار سے) مخفی رہے، تو اس میں محض عقل سے فیصلہ نہ کرو۔ کیونکہ عقل کبھی ضعف کا شکار ہوتی ہے تو کبھی قوت سے متصف ہو جاتی ہے، اثر ڈالنے والے معاملات، اور مختلف قسم کے جذبات سے متاثر ہو جاتی ہے، اس کے بجائے شریعت سے فیصلہ مانگو کہ یہ تمہارے مطلوبہ اور مشتبہ معاملات میں سب سے بہتر راہنما ہے، بعض دانش مندوں کا یہ قول کس قدر (سچ پر مبنی) اور خوبصورت ہے جو میں نے بعض کتب کی پیشانی پر لکھا ہوا پایا

الشّرْعُ أعظَمُ مُرْشِدٍ فی ظُلْمَةِ الشُّبَةِ البَهِيْمَه
والعقل يَقْفُوهُ ولو لاهُ لكُنَّا كالبَهِيْمه
فاتْبَعْهُما ولِمَنْ لَحَا كَ عليهِمَا قُلْ! يا بَهِيْمَهْ

شریعت مخفی و مشتبہ معاملات میں سب سے بڑی راہنما ہے، اور عقل اس کے پیچھے چلنے والی (خوشہ چین) ہے، اگر شریعت (کی راہنمائی) نہ ہو تو ہم مثل چوپایوں کے (بے راہ) رہیں، لہٰذا ان دونوں کی تابعداری میں چلو اور اگر کوئی تمہیں اس پر ملامت کرے تو اس کو کہہ دو: "یا بهيمة"

شاعر نے اس لفظ میں "توریۃ" سے کام لیا ہے، کیونکہ دیکھنے میں یہ لفظ ایک (مکمل کلمہ) ہے لیکن درحقیقت یہ دو کلموں "بھی" (بمعنی خوبصورت) اور "مہ" (بمعنی ٹھہر جاؤ) سے مرکب ہے مطلب یہ ہے کہ جواب میں کہو: ارے مجھے شریعت ناصحہ، اور روشن عقل پر ملامت کرنے والے اس ملامت سے باز آ جاؤ۔ البتہ اس کو ایک کلمہ (ملا کر) ہی لکھا گیا ہے کہ مقصد اس سے لکھنے بولنے، اور ظرافت میں توریہ

ہی مقصد ہے۔ مصعب بن عبداللہ زبیری کہتے ہیں کہ والد صاحب نے فرمایا: پیارے بیٹے! ظرافت کی باتوں کو عقل مند لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس حکیم ودانا شاعر نے بھی اسی بات کو ثابت کیا کہ جسے علماء ثابت کرتے ہیں کہ ''شریعت عقل کی محافظ'' اور عقل شریعت کے لئے چراغ (راہ) ہے۔

عقل ہمیشہ سے شریعت کی محتاج ہے

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی دو کتابوں ''الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ'' اور ''تفصیل النشأتین وتحصیل السعادتین'' میں عقل وشریعت کی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: شریعت منتظم اور عقل تابع ہے، اور شریعت (کا رتبہ) عقل سے مقدم ہے عقل ہمیشہ کے لئے شریعت کی محتاج ہے۔ تو شرعیات کی مثال وہ غذائیں ہیں جو حفظان صحت کے لئے ہوا کرتی ہیں اور عقلیات کی مثال وہ دوائیں ہیں جو موجب صحت ہیں، عقل وشریعت دونوں جڑواں (بہنیں) ہیں ایک دوسری کے بغیر کامل نہیں، اور نہ ہی بے نیاز ہے، دونوں میں ربط وتعلق ہے دوری نہیں، دونوں میں موافقت (تطبیق دینے) کی ضرورت ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے: حسی لذات جیسا کہ پہننا، پینا، سننا، اور دیکھنا یہ حیوانی خواہشات کے تابع (اور ان سے میل کھاتی) ہیں، اور بنی آدم میں یہی صفات اپنے وجود کے لحاظ سے مقدم ہیں۔ لیکن انسان کے لئے ضروری ہے کہ عقل کے واسطہ سے ان لذات حسیہ کو دبائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ''حُفّتِ الجنّةُ بالمکارہ، وحُفّت النارُ بالشّھَواتِ'' ''جنت ناپسندیدہ، اور جہنم پسندیدہ چیزوں سے ڈھانپ دی گئی ہے'' کا یہی مطلب ہے۔ لوگوں میں سے ہر انسان کو فضیلت پانے کی قدرت حاصل ہے۔ (کہ ان خواہشات کو دبا کر صاحب فضل و تقویٰ بن جائے) اور اخروی لذتیں ایسی ہیں کہ ان کا ادراک (واحساس) اس دنیا

امام محاسبی نے فرمایا:

میں سمجھتا ہوں کہ دل کا بگاڑ (پورے) دین کا بگاڑ ہے کیا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف توجہ نہیں فرمائی ''انسانی جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ بن جائے تو تمام جسم کی اصلاح ہو جائے اور جب اس میں بگاڑ آ جائے تو سارے جسم میں بگاڑ آ جائے۔ سن لو! وہ دل ہے۔[1] اس حدیث میں جسم سے میں عقل سے نہیں ہوسکتا، کیونکہ عقل ان کی معرفت سے قاصر ہے، اللہ جل شانہ نے ان لذات اخرویہ کو اذہان سے قریب کرنے کے لئے ایسی لذات سے تشبیہ دی ہے کہ جن کا ادارک (احساس) دنیا میں ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ، وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ، وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ﴾

''اس جنت کی کیفیت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جو بگڑنے والا نہیں، اور کچھ دودھ کی نہریں جن کا مزہ کبھی نہیں بدلے گا، اور کچھ نہریں ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لئے خوش ذائقہ ہوگا، اور کچھ نہریں صاف شہد کی، اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہوں گے، اور اپنے رب کی بخشش۔''

(سورت محمد آیت: ۱۵)

اس سے قبل زیرِ عنوان ''عقل و علم میں تقابل'' میں عقل کی علم پر فضیلت سے متعلق کلام گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

[1] یہ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت کردہ حدیث (جس کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے) کا ایک ٹکڑا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''باب فضل من استبرأ

مراد دین ہے۔[۱] دل کا اصل بگاڑ یہ ہے کہ انسان اپنا محاسبہ کرنا چھوڑ دے، اور لمبی امید باندھ کر دھوکہ میں مبتلا رہے۔ اور اگر تم دل کی اصلاح چاہتے ہو تو اپنے ارادوں اور خیالات کی اطلاع رکھو، جو ارادے اور خیالات اللہ تعالیٰ کے (دین کے) موافق ہوں انہیں لے لو، اور جو ایسے نہ ہوں انہیں چھوڑ دو۔[۲]

موت کو یاد کر کے اپنی امیدیں کم کر لو۔[۳]

لدینہ" ۱/۱۲۶ اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب أخذالحلال و ترک الشبهات" ۱/۲۷ پر روایت کیا ہے۔

[۱] حدیث میں اس فساد سے جس کو جسم کی طرف منسوب کیا ہے مراد دین ہے۔

[۲] شیخ فقیہ صالح احمد بن رسلان شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ "متن الزبد" کے آخر میں فرماتے ہیں ۔

وَزِنْ بوزن الشَّرْعِ كُلَّ خاطِرِ
فإن يَكُنْ مأمورَه فبَادِرِ
وإن يكن مِمَّا نُهِيْتَ عنه
فهُو من الشَّيْطَان فَاحذَرَنْهُ

اپنے ہر خیال و (وسوسے) کو شریعت کی میزان سے پرکھ لو۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی ہو تو جلدی سے کر لو، اور اگر وہ ممنوعہ چیز ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے اس سے پرہیز رکھو۔ سید جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے قلب پر جب کوئی نکتہ وارد ہوتا ہے تو میں اس کو دو عادل گواہوں (کتاب و سنت) سے تقابل کے بعد قبول کرتا ہوں۔ یہی بات پہلے "خواطر" کی بحث میں گزر چکی ہے۔

[۳] عمر کا جلدی سے گزرنا اور زندگی کا اختتام

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے: روزانہ یہ اعلان ہوتا ہے کہ فلاں مر گیا،

اور فلاں گزر گیا، اور ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جس دن اعلان ہوگا عمر مر گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: جب تم موت سے پیٹھ پھیرے (بھولے ہوئے) ہوتے ہو تو موت تمہاری طرف متوجہ (ہو کر یاد کر رہی) ہوتی ہے، جلد ہی اس سے ملاقات ہونے والی ہے۔ (نہج البلاغۃ ۴/۸۷)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: اے انسان! تو تو صرف دنوں سے عبارت ہے، جب ایک دن گزر جاتا ہے تو تیرا ایک حصہ کم ہو جاتا ہے۔ از حالات حسن بصری "تاریخ اسلام" ذہبی ۴/۴، "کتاب الزہد" امام احمد صفحہ ۲۷۸۔

حضرت حسن بصری کے قول کے موافق شاعر کہتا ہے ؎

وما المرْءُ إلَّا راكِبًا ظَهْرَ عَمرِهِ

علي سَفَرٍ يُضْنِيْهِ باليومِ والشهْرِ

يَبِيْتُ ويُمْسِيْ كُلَّ يومٍ ولَيْلةٍ

بعِيْدًا عنِ الدنيا قريبًا من القبَرِ

انسان تو اپنی عمر کی سواری پر سوار ایسے سفر پر ہے جو اسے دنوں اور مہینوں میں کمزور کر رہی ہے۔ ہر دن صبح و شام دنیا سے دور اور اپنی موت و قبر سے قریب ہو رہا ہے۔ کہنے والا کس قدر سچ کہتا ہے: يسُرّ المرءً ما ذهب الليالي وكان ذَهابُهُنّ له ذَهابًا انسان کو رات دن کا گزرنا اچھا لگتا ہے جب کہ اس کی زندگی فناء ہو رہی ہے۔ عمر کے مختصر ہونے کے بارے میں قائل کا یہ قول بھی کس قدر لطیف ہے ؎

أذان المرءِ حين الطِّفلُ يأتي

وتاخير الصَّلاةِ إلى الْمَمَاتِ

دليلٌ أنّ محياَهُ يسيرٌ

كما بيْنَ الأذانِ إلى الصلاةِ

امام محاسبی نے فرمایا: فضول کام جن کا داعیہ قلب سے اٹھتا ہے، اعضاء، کان، آنکھ، زبان، اور غذا، لباس، رہائش پر ان کا ظہور ہوتا ہے۔ میں اصل میں فضول اس (دل) کو ہی سمجھتا ہوں، کانوں کی فضولیات سے سہو وغفلت پیدا ہوتی ہے۔ آنکھوں کے لایعنی کاموں سے غفلت وحیرانی جنم لیتی ہے۔ زبان کی بے ہودگی سے زیادتی کا شوق[1] اور نئی چیزوں کے حصول کا شوق پرورش پاتا ہے۔ غذا کی زیادتی تیزی اور

آتے ہوئے اذان ہوئی جاتے ہوئے نماز
اتنے قلیل وقت میں آئے اور چلے گئے

[1] کتاب کے بعض نسخوں میں لفظ ''تزید'' کے بجائے ''تزین'' ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ لوگوں کے سامنے اپنی خوبیوں اور اچھائیوں کا اظہار، اور یہ اظہار (خودنمائی) کا جذبہ، اور ''هل من مزيد'' (مزید طلب) کا شوق، اور فضول کلام انسان کو بہت سے گناہوں اور نافرمانیوں تک کھینچ لے جاتے ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباح کی فضول کلام سے بچنے کی تاکید

یعلی بن عبید کہتے ہیں: ہم محمد بن سوقہ (کوفہ کے عابد صالح محدث تابعی) کے پاس آئے، وہ فرمانے لگے: کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتلاؤں جو تمہیں مفید ہو؟ کیونکہ اس نے مجھے بہت نفع دیا ہے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح نے ہم سے فرمایا: تم سے پہلے لوگ فضول کلام کو سوائے قرأت قرآن، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، یا ایسی بات جو کہ معاشی ضرورت کے لئے ناگزیر ہو کو ناپسند کرتے تھے، کیا تم اس آیت کا انکار کر سکتے ہو کہ: ''ان عليكم لحافظين ۝ كرما كاتبين ۝'' ''تم پر یقیناً معزز لکھنے والے محافظ موجود ہیں'' ''عن اليمين وعن الشمال قعيد ۝ ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد ۝'' ''جو دائیں بائیں بیٹھے ہوئے ہیں۔

(برے کاموں) سے رغبت کا سبب بنتی ہے۔[1] لباس میں حد سے تجاوز تکبر وخویش نمائی

کوئی انسان کوئی بات نہیں کرتا مگر اس کے پاس ایک نگران تیار بیٹھا ہے'' کیا تم لوگ اس بات سے نہیں شرماتے کہ اس کے نامہ اعمال کو جب کھولا جائے تو اس میں اس نے ایسی باتوں کو بھر دیا ہو کہ جو نہ اس کے دین کے معاملہ سے متعلق ہیں اور نہ دنیا کے معاملہ سے۔

اسماعیل بن امیہ کہتے ہیں: حضرت عطاء طویل وقت تک خاموش رہتے، لیکن جب بولتے تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے۔

از ''الحلیۃ'' ۳/۳۱۴ ''سیر العلام النبلاء'' ۵/۸۳/۸۶۔ حالات تابعی جبل، مفتی حرم، عطاء ابن ابی رباح۔

[1] امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ غذا میں توسع، اور عیاشی انسان کو نرم و نازک بنا دیتی ہے، پھر اس سے غلط قسم کی رغبتیں، اور دین و بدن کے لئے موذی شہوتیں جنم لیتی ہیں، سمجھدار اور ہوشیار انسان کے لئے لازم ہے کہ اگر چہ غنی و مالدار ہو کھانے پینے میں اعتدال سے کام لے، کیونکہ اس میں حد سے تجاوز مضر، اور فضول خرچی نقصان دہ ہے۔ امام ابن الجوزی اپنی کتاب ''صید الخاطر'' صفحہ ۴۴۵ پر فرماتے ہیں: انسان کے لئے ضروری ہے کہ بدن کو ایسی مشقت میں نہ ڈالے جو اس کی طاقت سے باہر ہو، کیونکہ بدن کی مثال سواری کی سی ہے کہ اگر اس کے مناسب حال نرمی نہ کی جائے تو سوار کو نہیں پہنچا سکتی۔

اور وہ کھانا کہ جو بدن کو تکلیف دے اور اس کو اچھے کام سے محروم کر دے ضروری ہے کہ ایسے کھانے کو چھوڑ دیا جائے، یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ میں مرغوب چیزوں کے کھانے کی ترغیب دے رہا ہوں، اور نہ ہی زیادہ کھانے کی بلکہ میرا مقصد ہے کہ ایسی چیز کھائی جائے کہ جو بدن کی حفاظت کر سکے، اور میں ایسی چیزوں کی ممانعت کر رہا ہوں کہ جو بدن کے لئے تکلیف دہ ہوں۔ رہا کھانے میں زیادتی تو یہ کثرت نیند کا سبب ہے۔ اور پیٹ بھرنا دل کو اندھا کر دیتا ہے جب کہ بدن کو کمزور اور ضعیف کرتا

کا باعث بنتا ہے، اور رہائش میں بے جا اسراف، فضول خرچی اور تفاخر کا پیش خیمہ ہے۔[1]

امام محاسبی نے فرمایا:

[1] ہے، بہترین طریقہ اعتدال ہے۔ تلخیص بیان علامہ جوزی۔

"فضول" کی اقسام

مولف رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی وضاحت کے لئے فضول کی مزید اقسام بیان کی جاتی ہیں۔ فضول فی الکلام یہ ہے کہ جس بات کا آپ سے سوال نہ ہو آپ وہ بات ذکر کر دیں جب کہ حالات اس کے ذکر کے متقاضی بھی نہ ہوں، یا آپ ایسے کلام میں کود پڑیں جو آپ سے متعلق نہیں۔ کھانے پینے میں فضول یہ ہے کہ آپ سیرابی سے زائد کھائیں، یا انواع و اقسام کے کھانے تیار کروائیں۔ فضول فی النوم یہ ہے کہ آپ ضرورت سے زیادہ سوئیں۔ یا یہ ہے کہ بغیر ضرورت و فائدہ کے جاگیں۔ فضول لباس میں یہ ہے کہ سال کے موسموں اور شرعی ضرورت سے بڑھ کر لباس خریدے جائیں۔ رہائش میں فضول یہ ہے کہ ضرورت سے زائد فخر و نزاکت کو اختیار کیا جائے۔ فضول سامان یہ ہے کہ اپنے وسائل اور ضرورت سے بڑھ کر سامان اکٹھا کیا جائے۔

دیکھنے میں فضول یہ ہے کہ ایسی چیز کو دیکھا جائے جو نہ تو مقصد ہو اور نہ ہی مفید، شرعاً ممنوع چیز کو دیکھنا تو حرام ہی ہے۔ مل بیٹھنے میں فضول یہ ہے کہ آپ ہر جان پہچان والے کے پاس جا کر بیٹھیں۔ اس بات کا خیال نہ ہو کہ متقی و نیک و صالح کی صحبت اختیار کی جائے۔ خرچ میں فضول یہ ہے کہ غیر ضروری غیر نافع چیز میں مال کو خرچ کیا جائے۔ فضول علم یہ ہے کہ ایسی چیز کو حاصل کیا جائے جس کا نہ فی الحال فائدہ ہو اور نہ بعد میں۔ فضول کتابیں وہ ہیں کہ آپ ایسی کتابیں جمع کریں کہ جو غیر مفید ہوں اور ایسی جو آپ کو علمی میدان میں کام نہ آئیں۔

جان رکھو! اعضاء و جوارح کی (گناہوں سے) حفاظت فرض ہے۔ فضولیات کو چھوڑنا باعث فضیلت ہے، اوران (سب) سے پہلے توبہ کرنا ایک فریضہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض قرار دیا ہے چنانچہ اللہ جل ذکرہ کا ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (سورۃ تحریم: آیت ۸) ترجمہ: ”اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ۔ “نصوح” کے معنی ہیں کہ انسان نے جس کام سے توبہ کر لی ہو اس کو دوبارہ نہ کرے[۱]۔“

---

[۱] حضرت فضیل بن عیاض کی چوری اور ڈاکہ زنی سے توبہ

حضرت فضیل بن عیاض کا یکدم چور اور ڈاکو سے عابد و زاہد اور پھر محدث عالم بن جانے کا واقعہ آپ کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے جب انہوں نے کلام اللہ کو دل کے کانوں، اور عقل وخرد سے سنا تو ایک بڑے داعی بن گئے جن کا حال وقال دعوت تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”تہذیب التہذیب“ ۸/۲۹۴-۲۹۶ پر آپ کے حالات میں ہے: یہ عابد زاہد تمیمی یربوعی خراسانی ثم مکی (متوفی ۱۸۷ھ) تھے، ان کے شاگرد ابو عمار حسین بن حریث کہتے ہیں: میں نے فضل بن موسی کو کہتے ہوئے سنا: فضیل ایک شاطر ڈاکو تھے اور ابیورد و سرخس کے درمیان ڈاکہ زنی کرتے ان کی توبہ کا واقعہ اس طرح ہوا کہ یہ ایک لڑکی پر عاشق ہو گئے۔ (ایک مرتبہ یہ) اس لڑکی تک پہنچنے کے لئے ایک دیوار پھلانگ رہے تھے کہ ایک قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے کو سنا وہ آیت پڑھ رہا تھا:

﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ آمنوا أن تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِاللّٰهِ﴾

”کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سامنے عاجزی اختیار کریں۔“

انہوں نے جب یہ آیت سنی تو کہنے لگے: ”ہاں یارب وہ وقت آگیا ہے“ آپ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اے لوگو! مرنے سے پہلے (پہلے) اپنے رب تعالیٰ کے سامنے توبہ کرلو[۱] اور نیک اعمال سے اپنے رب کا قرب

لوٹے اور ایک ویران گھر میں رات گزارنے کے لئے پناہ لی۔ وہاں کچھ مسافر لوگ پڑے ہوئے تھے ان میں سے بعض لوگ کہنے لگے: ابھی چلتے ہیں، بعض نے کہا نہیں راستہ میں فضیل لوٹ لیں گے اسی لئے توقف کرکے چلیں گے۔ فضیل کہتے ہیں، میں سوچ میں پڑ گیا کہ میں رات میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں مگن رہتا ہوں، اور لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اپنے اعمال بد سے پھر کر توبہ کرلوں (دل ہی دل میں کہنے لگے) اے اللہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اور توبہ کے بعد بیت اللہ کی مجاورت کو پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ وہاں سے مکہ منتقل ہوگئے اور موت تک وہیں بیت اللہ کے مجاور بن کر رہے۔

حضرت فضیل کے خادم ابراہیم بن اشعث کہتے ہیں: میں نے کسی ایسے انسان کو نہیں دیکھا کہ فضیل کے دل سے زیادہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہو، جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہوتا یا قرآن پاک پڑھا جاتا تو ان پر خوف وحزن کے آثار ظاہر ہو جاتے، آنکھیں آنسوؤں سے بہہ پڑتیں، اور حاضرین کو ان پر رحم آنے لگتا۔ رباح بن خالد کہتے ہیں: مجھے عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: جب میں فضیل کو دیکھتا ہوں تو غم تازہ ہو جاتا ہے، اور میں اپنے نفس کو ملامت کرتا ہوں۔ اس کے بعد عبداللہ بن مبارک رو پڑے۔ ارے بھائی! سچی توبہ کے بعد ایسے سچے انوار کا ظہور ہوتا ہے۔

[۱] اس انسان کے لئے خوشخبری ہے کہ جو خود بھی مر گیا اور اس کے گناہ بھی

بندے کا مرنے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرلینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے، جب کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اپنے گناہوں سے توبہ کرنے سے پہلے

تلاش کرو اپنے مشغول (ومصروف) ہونے سے پہلے۔[۱]

ہی دنیا سے چلے جاتے ہیں جن کے گناہ باقی رہتے ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس انسان کے لئے خوشخبری ہے کہ جس کے گناہ اس کے مرنے سے پہلے مر جائیں، اور اس شخص کے واسطے بڑی لمبی ہلاکت ہے کہ جو خود تو دنیا سے کوچ کر جائے لیکن اس کے گناہ سو دو سو سال تک باقی رہیں، اور اس کو قبر میں عذاب ہوتا رہے۔ اور ان کے ختم ہونے تک اس سے پوچھ گچھ ہوتی رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَارَهُمْ" یعنی ہم ان کے وہ اعمال لکھ لیتے ہیں نیز ان گناہوں کے وہ آثار جو پیچھے رہ گئے وہ بھی لکھتے رہتے ہیں کہ جو طریقہ وہ پیچھے والوں کے واسطے بنا کے چھوڑ آئے ہیں کہ ان کے بعد وہ طریقہ مسلسل جاری ہے اسی کے مشابہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے: "يُنَبَّأُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ" یعنی اعمال کا وہ طریقہ جو وہ لوگ پیچھے چھوڑ کر آگئے کہ ان پر دوسرے لوگ عمل کر رہے ہیں۔

(احیاء العلوم ۲/۷۴ "کتاب آداب الکسب")

اور اس قسم میں سب لوگوں کے پیشوا وہ برے حکمران ہیں جو خلاف شریعت غلط قسم کے احکام رائج کر دیتے ہیں، اور الحاد سے بھری ہوئی گندی تصنیفات کے مصنف بدی کی طرف بلانے والے اور اس کو پھیلانے والے، مجنونہ طرز کے گانے والے، اور ان ہی جیسے لوگ ہیں کیونکہ یہ لوگ خود تو مر جاتے ہیں لیکن ان کے اعمال بدزندہ رہتے ہیں۔

[۱] یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ۱/۳۴۳ پر "باب فرض الجمعۃ" میں ذکر کیا ہے الفاظ یہ ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوْا إِلَى اللّٰهِ قَبْلَ أَنْ تَمُوْتُوْا، وَبَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَبْلَ أَنْ تُشْغَلُوْا ......﴾

اس حدیث کی سند میں ایک راوی "علی بن زید بن جدعان" ہیں جو بالاتفاق

امام محاسبی نے فرمایا:

توبہ چار باتوں سے صحیح ہوتی ہے۔

۱ اس کام کے دوبارہ کرنے پر دل کے اصرار کو روکنا۔

۲ ندامت سے توبہ واستغفار کرنا۔

۳ (کسی کے نقصان کی وجہ سے لازم ہونے والے) تاوان اور ظلماً دبائے ہوئے حقوق ومظالم کو لوٹا دینا۔[۱]

۴ حواس سبعۃ یعنی کان، آنکھ، زبان، ناک، ہاتھ پاؤں، اور دل کی حفاظت کرنا

ضعیف ہیں، ان سے روایت کرنے والے، عبداللہ بن محمد عدوی ہیں۔ امام ذہبی "میزان" ۶۸/۲ میں ان کے حالات میں فرماتے ہیں: امام بخاری فرماتے ہیں کہ "یہ منکر الحدیث ہیں۔" وکیع کہتے ہیں یہ حدیثیں (اپنی طرف سے) گھڑتے تھے۔ ابن حبان کہتے ہیں: ان کی حدیث ناقابل استدلال ہے۔ اس کے بعد امام ذہبی نے ان کی حدیث کے مذکورہ حصے کو ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر "تہذیب التہذیب" ۲۱/۶ میں ان کے حالات میں علامہ ذہبی کی مذکورہ جرح کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: امام ابن ماجہ نے "صلاة الجمعة" میں ان سے ایک حدیث ذکر کی ہے۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: حدیث کے علماء کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ "یہ حدیث عبداللہ بن محمد عدوی کی گھڑی ہوئی ہے، اور یہ ان کے ہاں "موسوم بالکذب" ہے لہٰذا حدیث موضوع ہے۔ اس لئے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کو چاہئے تھا کہ توبہ کے بارے حضرت اغر بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **يا أيها الناس توبوا إلى الله فإني أتوب إليه في اليوم مئة مرة.** "اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اس لئے کہ میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔" (رواہ مسلم فی صحیحہ ۲۷/۱۷)

[۱] اس کا مطلب ہے کہ اصحاب حقوق کو ان کے (ہر قسم کے) حقوق واپس کر دینا۔

(کہ گناہوں سے آلودہ نہ ہوں خصوصاً دل) کہ اسی سے پورے جسم کا فساد و تعمیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر عضو سے متعلق امر و نہی کے فریضے متعلق رکھے ہیں۔ اور ان دونوں (امر و نہی) کے درمیان کچھ گنجائش (اباحت) رکھی ہے جسے ترک کرنا بندے کے لئے فضیلت ہے۔ تو (ایمان و توبہ کے بعد) دل کا فریضہ (وحکم) کسی بھی عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرنا، اور جب کوئی مشتبہ امر پیش آجائے تو (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) حسن ظن رکھنا[1] اس کے وعدے پر بھروسہ، اس کے عذاب سے خوف، اور اس کے فضل کی امید رکھنا[2]

---

[1] شاید اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی نیک انسان کو مشتبہ حالت میں دیکھو تو اسے (بدظنی کے بجائے) حسن ظن رکھو، کیونکہ ہر مسلمان کے لئے اصلاً (ضروری ہے) کہ اپنے مسلمان بھائی سے حسن ظن رکھے (ایک معنی وہ بھی ہو سکتے ہیں جن کی طرف متن میں بین القوسین سے اشارہ کیا گیا ہے کہ کوئی مشکل مصیبت وغیرہ پیش آجائے تو اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھا جائے کہ اسی میں خیر ہوگی۔ جس کو "رضا بالقضاء" کہا جاتا ہے، بظاہر سیاق اسی معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ واللہ اعلم۔ از مترجم)۔

[2] اللہ تعالیٰ (کی تقدیر) سے اللہ تعالیٰ کی (تقدیر) کی طرف فرار

پیارے بھائی! جان رکھو جب تمہیں کسی سے خوف لاحق ہو تو اس سے تم (دور) بھاگتے ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ جب تمہیں ان سے خوف لاحق ہو تو تم لازماً اللہ تعالیٰ کی (پناہ لینے کے لئے) ان کی طرف بھاگ کر جاؤ گے، کیونکہ ڈر بھی اسی ذات سے ہے، اور جائے پناہ بھی وہی ذات ہے، تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنے رب سے (ڈر کر) اپنے رب کی طرف ہی بھاگتا ہے۔

﴿فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِنْهُ نَذِيْرٌ مُبِيْنٌ﴾

''اللہ ہی کی طرف بھاگو میں تمہیں ان سے ڈرا رہا ہوں۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء نیند کے وقت یہ تھی:

﴿لا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ﴾ (بخاری ۱۱/ ۹۸، مسلم ۱۷/ ۳۲)

ترجمہ: ''کوئی جائے پناہ ونجات آپ سے نہیں مگر آپ ہی کی طرف۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں سجدہ کے اندر یہ دعا پڑھتے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ﴾ (مسلم ۴/ ۲۰۳)

''اے اللہ میں آپ کی ناراضگی سے آپ کی رضا کی اور آپ کی سزا سے آپ کی معافی، اور آپ کی آپ سے پناہ چاہتا ہوں، مین آپ کی تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا جس طرح کہ آپ خود اپنی تعریف فرماسکتے ہیں۔''

(مسلم ۴/ ۲۰۳)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح صحیح مسلم ۴/ ۲۰۴ پر فرماتے ہیں: امام ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اس حدیث مبارک میں ایک باریک نکتہ ہے، وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی پناہ مانگی ہے اور آپ نے سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی سے اپنی رضا میں پناہ دے دیں اور اپنے عذاب سے اپنے مغفرت کی پناہ عنایت فرمادیں۔ جب کہ رضا وعدم رضا دونوں ایک دوسری کی ضد ومتقابل ہیں، اسی طرح مغفرت وعذاب۔ تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ذات کی طرف

امام محاسبی نے فرمایا:

دل کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعض مؤمن ایسے ہی ہیں کہ جن کے لئے میرا دل نرم ہو جاتا ہے۔[1] اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بے شک حق آتا ہے نور لے کر تم رجوع کیا کہ جس کی کوئی ضد نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے نہ کہ کسی اور کی۔ اس کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی تعریف کے حق واجب کی ادائیگی میں جو کمی کوتاہی ہوگئی ہو اس کی معافی و بخشش چاہنا۔

[1] اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں ۵/ ۲۶۷ پر ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موضوع حدیث کے طور پر نقل کیا ہے۔

اور حافظ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' ۱۰/ ۲۷۶ پر ذکر کر کے فرمایا ہے: اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال (نقل کرنے والے راویوں) کی توثیق کی گئی ہے، اور ان کے ہاں حضرت ابوامامہ کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

﴿قال: لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَخَذَ بِيَدِيْ ثم قال: "يا أبا أمامة! إِنَّ مِنَ المؤمنين من يَلِيْنُ له قَلْبِيْ"﴾

اور اس حدیث کے الفاظ ''مسند احمد'' میں اس طرح ہیں:

﴿قال ابو راشد الحُبْراني: أخذ أبوامامة الباهلي بيدي وقال: أَخذَ بِيَدِي رسولُ الله صلى الله عليه وسلم فقال: "يا أبا أمامة إن مِنَ المُؤمنين مَن يَّلِيْنُ لي قلبهُ"﴾

(اے ابوامامہ بعض مؤمنین ایسے ہیں کہ میرے لئے ان کا دل نرم ہے) لیکن حافظ ذہبی ''میزان الاعتدال'' ۱/ ۳۳۲ پر ''من يلين له قلبي'' کے الفاظ ہیں، حافظ

پرلازم ہے دل کی پوشیدہ (باتوں) کی حفاظت[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: دلوں میں خواہش اور آگے بڑھنے[2] (کی امنگ ہوتی) ہے اور بعض اوقات انقطاع اور پیچھے ہٹنے (کے جذبات ہوتے) ہیں تو خواہش وآگے بڑھنے کے وقت کوغنیمت سمجھو[3] اور انقطاع اور تاخر کے وقت کو چھوڑ دو (عمل نہ کرو) حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دل کی مثال آئینے کی سی ہے، زیادہ وقت کے لئے ہاتھ میں رہ جائے تو زنگ آلود ہو جائے[4] اور چوپائے کی طرح ہے کہ جب اس کا مالک غافل ہو جائے تو

ابن کثیر نے اپنی تفسیر ۱/۴۲۰ سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹ میں "مسند احمد" کے حوالہ سے "یلین له قلبي" کے الفاظ ہی ذکر فرمائے ہیں۔ ممکن ہے کہ "مسند احمد" کے مطبوعہ نسخہ میں قلب واقع ہو کہ اسناد (نسبت) دل کی طرف ہوگئی ہو۔

[1] حدیث کے تمام مراجع کی طرف رجوع کے باوجود مجھے یہ حدیث نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم بثبوتہ۔

[2] اصل نسخہ میں اور ابونعیم کی "حلیۃ" ۱/۱۳۱ اور "روضۃ العقلاء" ابن حبان ۱۷، ۱۸ یعنی سب کے ہاں یہی لفظ (شهوة و اقبال) ہے جس کے معنی واضح ہیں۔ اگر اس طرح کہا جائے کہ یہ الفاظ "شرةٌ و اقبال" (چستی ورغبت) سے بدل گئے ہیں تو بھی کچھ بعید نہیں۔ واللہ اعلم۔

[3] اصل نسخہ میں (فاكرموها عند شهوتها) کے الفظ ہیں جو کہ (فالزموها) سے بدل چکے ہیں، ایک اور نسخہ میں بھی اسی طرح ہے۔ اور "حلیۃ" میں بھی ایسے ہی ہیں۔

[4] اکثر نسخوں میں ایسا ہی ہے (اذا طال مكثها في اليد صدأت) لیکن ایک نسخہ میں (اذا طال مكثها في اللبث) ہے اور ایک اور نسخہ میں (اذا طال مكثها في الكيس) کے الفاظ ہیں، تبدیلی نسخوں نے اس کلمہ کی اصلیت میں شک ڈال دیا

ضعف دکھائے۔[۱]

ہے، مطلب یہ ہے کہ جب آئینہ کسی ہاتھ میں بغیر احتیاط کے طویل مدت تک رہے تو زنگ آلود ہو جاتا ہے۔

[۱] ایک نسخہ میں یہی الفاظ "ھزلت" ہیں جس کے معنی "ضعفت" کے ہیں اور دوسرے نسخوں میں "عدلت" کے الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چوپایہ سوار کی غفلت سے مقصد والے راستہ سے ہٹ جائے۔

"لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی"

دل کی بعض غفلتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو انسان کو مختلف مشقتیں اور ہولناک قسم کے احوال کا سامنا کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں اور مقصد سے صدیوں کی مسافت تک دور پھینک دیتی ہیں۔ شاعر اسلام محمد اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ کے اشعار جو "اسرار و رموز" ۱۴۶ میں ہیں کس قدر حقیقت پر مبنی ہیں: اے دوست ایک لمحہ کی غفلت تجھے اپنی منزل سے ہزاروں میل دور کر دیتی ہے۔ جیسا کہ صحرا میں بھٹکا ہوا انسان جب دور کسی نشان آدم کو دیکھ لے اور پھر پاؤں میں چبھے ہوئے کانٹے کو نکالنے لگے تو وہ نشان بھی اس سے گم ہو جائے۔

اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں

لحظۃً یا صاحبی إن تغفلِ
ألفَ میلٍ زادَ بُعْدُ المنزلِ!
رامَ نقشَ الشَّوْكِ حینًا رجُلُ
فاختفٰی عن ناظرَیْهِ المَحمِلُ

کہ ایک انسان پیدل چلتے ہوئے کسی جنگل بیابان میں راستہ سے بھٹک گیا پھر اس نے دور ایک سوار کے کجاوہ کو دیکھا تو اس میں اپنی نجات و کامیابی کے آثار کو دیکھنے

امام محاسبی نے فرمایا:

بعض حکماء کا قول ہے کہ دل کی مثال اس گھر کی سی ہے جس کے چھ دروازے ہوں پھر اس (کی حفاظت) کے لئے آپ سے کہا جائے: خیال رکھنا کہ ان دروازوں میں سے کسی دروازے سے کوئی داخل نہ ہو جائے جس کی وجہ سے گھر سارا خراب ہو جائے تو دل ہی گھر ہے، اور اس کے دروازے، زبان، آنکھ، کان، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں ہیں، جب بھی ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ لاعلمی میں کھلا رہ گیا تو گھر خراب ہو جائے گا۔

زبان کا کام غصہ اور خوشی میں سچائی اختیار کرنا، ظاہر و باطن میں دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے باز رہنا، اچھائی اور برائی میں لوگوں کے سامنے لیپا پوتی سے بچنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو مجھے جبڑوں اور رانوں کے درمیان موجود چیزوں (زبان و شرم گاہ) کی (حفاظت) کی ضمانت دے دے میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ بن

لگا، لہٰذا جلدی سے دوڑنے لگا اسی اثناء میں اس کو پاؤں میں کانٹا چبھ گیا تو اس نے کانٹے نکالنے کے لئے نظر کو نیچے کی طرف کیا تو وہ کجاوہ اور انسانی آثار اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اس طرح اس کی امید ٹوٹ گئی اور حسرتوں نے اسے گھیر لیا، صحیح یہی ہے کہ جو کسی چیز کو طلب کرتا ہے اور بغیر کسی توقف کے لگا رہتا ہے تو اس کو پا لیتا ہے اگرچہ راستہ میں کتنے شدائد و تکالیف آئیں۔

[1] امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی صحیح ۲۶۴/۱۱ کتاب الرقاق باب حفظ اللسان میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تخریج فرماتے ہیں الفاظ یہ ہیں "من يَّضْمَنُ لی ما بَيْنَ لِحْيَيْه وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنُ له الْجَنَّة" حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں: "لحیان" منہ کی دونوں طرف کی ہڈیاں ہیں، ان دونوں کے درمیان سے مراد "زبان" ہے۔ اور "رانوں کے درمیان" سے مراد "شرم گاہ"

جبل سے فرمان ہے: ''لوگ صرف اپنی زبان کی کٹی ہوئی کھیتیوں کی وجہ سے جہنم میں سروں کے بل گر رہے ہیں[1]۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں فضول گوئی سے ڈراتا ہوں بس تم کو اتنا کلام کافی ہے جو ضرورت کو پورا کر دے، کیونکہ (قیامت کے روز) انسان سے جس طرح فضول مال سے متعلق سوال ہوگا اسی طرح فضول کلام کے متعلق بھی پوچھا جائے گا[2]۔

ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں: حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ دنیا میں انسان کے لئے سب سے بڑی مصیبت زبان اور شرم گاہ ہیں، اور جو ان کے شر سے محفوظ رہا وہ ایک بڑے شر سے محفوظ رہا۔

[1] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد، نسائی، ابن ماجہ، اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

حافظ ابن رجب ''جامع العلوم والحکم'' صفحہ ۲۴۱ پر فرماتے ہیں: ''زبان کی کٹی ہوئی کھیتیوں'' سے مراد ناجائز (وحرام) باتوں کی سزا اور ان کی عقوبت ہے، کیونکہ انسان اپنے قول و فعل سے اچھی اور بری کھیتیاں اگاتے ہیں، پھر ان کو قیامت کے دن کاٹیں گے، لہٰذا جس نے اچھی کھیتی کاشت کی اچھے قول و فعل کے ذریعہ سے تو وہ عزت و کرامت کی کھیتی کاٹے گا، اور جس نے برے قول و فعل کو کاشت کیا تو وہ ندامت (و یاس) کو چنے گا۔

[2] یہ حدیث نہیں ہے بلکہ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات ہیں۔ جو آپ کی طرف امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''احیاء'' ۸/۲۱۲ میں منسوب کئے ہیں الفاظ یہ ہیں: ''قال ابن مسعود: انذرتکم فضول کلامکم حسب امریءٍ من الکلام ما بلغ به حاجته''۔ شارح احیاء علامہ زبیدی

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر بولنے والے کی زبان کے (بالکل) قریب ہیں۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرا کہ جس نے اپنی کہی ہوئی بات کو جان

اپنی شرح ۲۶۶/۷ پر کہتے ہیں: ان کی تخریج ابن ابی الدنیا نے ''کتاب الصمت'' میں کی ہے اور فرمایا ہے: ہمارے والد نے ہم سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن علیہ نے لیث سے خبر دی کہ ابن مسعود نے فرمایا: ''انذرتکم فضول الکلام، بحسب احد کم ما بلغ حاجته'' انتھی.

تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فضول کلام یعنی ضرورت سے زائد کلام کو ایسا گناہ قرار دیا ہے کہ جو مستحق عقوبت ہے اسی لئے آپ نے اس سے ڈرایا اور بچایا ہے۔ شیخ ابو علی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فضول کلام سے ایک اور اسلوب سے ڈرایا ہے۔ جس کو اہل دنیا محسوس کر سکتے ہیں جو لوگ کہ دنیا کا مال جمع کرنے میں منہمک اور اس پر حریص ہیں۔ آپ کہتے ہیں: اگر تمہیں کراماً کاتبین کے لکھنے کے لئے کاغذ خریدنا پڑ جائے تو تم بہت سی باتوں سے پرہیز کرنے لگ جاؤ (تاکہ کاغذ خریدنا نہ پڑے اور مال ضائع نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تم فضول کلام نہیں چھوڑتے)۔

(شرح الاربعین امام نووی بحث پندرھویں حدیث)

حق بات کہنے سے خاموشی اختیار کرنے والا گونگا شیطان ہے

ابو علی دقاق فرماتے ہیں: حق بات کہنے سے خاموشی اختیار کرنے والا گونگا شیطان ہے۔ ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اپنے وقت میں خاموش رہنا مردوں کی (اعلیٰ) صفات میں سے ہے۔ کیا ہی خوب کسی نے کہا ہے ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَمْتِیْ فِکْرًا وَنُطْقِیْ ذِکْرًا'' اے اللہ میری خاموشی کو فکر اور بولنے کو ذکر بنا دیجئے۔ یعنی کلام ایسا ہو کہ جس سے آپ راضی ہوں اور مجھے اس پر بدلہ ملے۔

لیا (کہ وہ کیا کہہ رہا ہے)۔[1]

نظر کے لئے ضروری ہے کہ غیر محرم عورتوں کے سامنے جھک جائے اور جن چیزوں کے چھپانے و پردہ میں رکھنے کا حکم ہے ان کو جھانکنے سے پرہیز کیا جائے۔[2]

---

[1] اس حدیث کو ابو نعیم نے "حلیۃ" ۸/۱۶۰ پر حضرت ابن عمر سے، اور حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول" میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے (جو امام سیوطی کی "جامع صغیر" کی شرح "مناوی" میں ہے) اور امام مناوی نے حدیث کے ضعف (سند میں ایک ایسے راوی ہونے کی وجہ سے جو ساقط الاعتبار ہے) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس حدیث میں "فاتقی اللّٰه امرؤ" کے معنی ہیں "فلیتق اللّٰه امرؤ" یعنی ماضی بمعنی امر ہے (معنی ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ از مترجم)۔

[2] شیطان کا انسان کے سامنے محرمات کو مزین کر کے پیش کرنا

ابن المقفع اپنی کتاب "الادب الکبیر" صفحہ ۹۹ انسان کی نامحرم عورتوں کے بارے میں بیان کرتے ہوئے ان سے تعلق رکھنے سے ڈراتے ہوئے فرماتے ہیں: آنکھ اور دل میں اپنی عورتوں کے بجائے دوسری عورتوں کا مزین ہونا دھوکہ اور فریب ہے، بلکہ اکثر لوگ اپنے پاس موجود (عورت) سے اعراض کرتے ہیں جب کہ یہ موجود ان کی مرغوب و پسندیدہ عورتوں سے افضل و بہتر ہوتی ہیں۔

امام ابن مفلح حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "الفروع" ۵/۱۵۱-۱۵۵، اور ۱۵۸ میں فرماتے ہیں: عقل مند کو چاہئے کہ نظر کو آزاد چھوڑنے سے بچے، اس لئے کہ آنکھ ایسے انسان کو دیکھتی ہے کہ جس پر اس کو شرعاً قدرت نہیں ایسے انسان کو چھوڑ کر جس پر

اس کو (شرعاً) قدرت ہے کہ وہ اس کو حسین منظر، لطیف کلام، موافق دوست، اچھے ذوق و انسیت والا سمجھتا ہے اس ساتھی (بیوی) پر ترجیح دیتا ہے کہ جو اس کے لئے حلال طیب، خوبصورت و لطیف عذر خواہی کرنے والا ساتھی ہے۔ اور یہ سارا کچھ شیطان کی تلبیس و تزئین سے ہوتا ہے، تاکہ یہ (اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کریں) انسان کو اپنی تلبیس و تزئین سے حلال طاہر سے پھیر کر حرام خبیث کی طرف لے جائے، یا یہ کہ وہ حلال جو اس کے پاس موجود ہے اس کو اس سے متنفر کر کے اس حرام کو پسندیدہ بنا دے جو اس کے لئے حرام ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ انسانی نفس معروف کی طرف مائل نہیں ہوتا اور غیر معروف کا مطالبہ کرتا ہے، اور نئی چیز میں ایسی خصوصیات و فضائل دکھلاتا ہے کہ جو اس کے پاس موجود شیء میں معدوم نظر آتے ہیں، کیونکہ شیطان اپنے فساد و افساد کی وجہ سے تجھے باور کراتا ہے کہ جو تیرے پاس نہیں وہ تیرے پاس موجود سے افضل و برتر ہے کبھی تو یہ چیز انسان کو عشق میں مبتلا کر دیتی ہے جو بدنی و دینی ہلاکت کا باعث بنتی ہے، بہت سی نظریں ایسی ہوتی ہیں کہ جو صاحب نظر کے دل میں خدشات کو جنم دیتی ہیں، بہت سی نظریں خنجر ہوتی ہیں کہ جو دل کو زخموں سے چور کر دیتی ہیں۔ حاکم اپنی تاریخ میں ابن عیینہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن مبارک نے (عاقل و دانا) بعض شامی شیوخ سے روایت کیا: جس نے ابتداءً اپنے نفس کو اسباب فتنہ مہیا کر دیئے اگرچہ وہ مجاہدہ بھی کرتا رہے وہ کبھی ان سے چھٹکارا نہیں پا سکتا (مابین القوسین کی زیادتی کے ساتھ ابن مفلح کا کلام مکمل ہو گیا ہے)۔

ہند بنت الخس کا اپنے غلام کے ساتھ اختلاط سے زناء میں مبتلا ہو جانا

جی ہاں اس سے بڑھ کر نظر کی آزادی اور ممنوع اختلاط ایسی ہلاکت آفرینیوں

تک پہنچا دیتی ہے جو انسان کو ایسی ذلت و رسوائی اور عار تک کھینچ لاتی ہیں جو کبھی مٹائے نہیں مٹتیں۔ ہند بنت الخس ایادیہ (جو عرب شاہزادیوں، دانائی، عقل وفراست، فصاحت وحکمت میں عرب کی مشہور عورتوں میں سے ہوتے ہوئے اپنے غلام سے زناء کی مرتکب ہوگئی) سے کسی نے پوچھا! تم اپنی قوم کی سردار ہوکر بھی اپنے غلام سے زناء کی مرتکب کیونکر ہوگئی؟ اور تم نے کسی آزاد انسان سے ایسا اختلاط کیوں نہ کرلیا؟ سو اس کا باعث کیا بنا؟ اس نے جواب دیا "قرب الوساد وطول السّواد" تکیہ کی سی قربت اور اختلاط کا دوام اس کا سبب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زناء اور وہ بھی غلام سے اس کا سبب دو امر ہیں: ایک تو میل جول کی کثرت اور جائے نوم (خواب گاہ) کا قریب ہونا، اور دوسرے تنہائی میں طویل مجالست وسرگوشیاں، یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ جنہوں نے تدریجاً غلام کے دل سے اس کا ڈر اور رعب وسرداری وشرافت کو نکال پھینکا حتیٰ کہ وہ زناء جیسے قابل ملامت فعل میں آلودہ ہوگئی۔ اس نے اس کی حکمت یہی بتلائی۔ سوال یہ ہے کہ اس نے اپنی عقل وفہم، فطانت وذکاوت سے کیوں کام نہ لیا؟ اور باوجود اس فعل کو قابل عار وقباحت، بدسیرتی وبدنامی سمجھتے ہوئے بھی اس میں گرنا قبول کرلیا۔ بس یہ اس وجہ سے ہوا کہ قرب واختلاط وکلام بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ عافیت میں رکھیں۔ آمین۔

اہل عرب نے اس کے فعل "آزاد ہوکر غلام سے زناء" کو بہت برا خیال کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب میں آزاد عورتیں اپنے آپ کو زناء سے بچا کر رکھتی تھیں (اس کی دلیل یہ ہے کہ) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے آیت بیعت کی تلاوت فرمائی اور آپ اس جگہ پہنچے "ولا یزنین" (وہ مسلمانوں عورتیں زناء نہ کریں گی) تو ہندہ (حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیوی وحضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ) نے (تعجب سے) عرض کیا: یا رسول اللہ!

کیا آزاد عورت بھی زناء کر سکتی ہے؟ ہم تو زمانہ جاہلیت میں اس سے شرماتی (بچتی) تھیں جب کہ اب تو اسلام آچکا ہے۔ اس روایت کو سعید بن منصور اور ابن سعد نے ۸/۹، اور ۲۴۷ میں حضرت شعبی سے مرسلاً روایت کیا جس کو علامہ ابن حجر نے ''الاصابۃ'' ۴/۴۲۵ پر بھی ذکر کیا ہے۔

اہل عرب نے ہند کے اپنے غلام سے زناء کو قابل نکیر اس لئے سمجھا کہ غلام بازاروں میں بکتا، اس سے خدمت لی جاتی، اور اس کی توہین کی جاتی تو اس سے زناء کروانا تو اور بھی قبیح اور قابل ذلت تھا۔ یہ ساری نوبت اس لئے آئی کہ اس کی بصارت وبصیرت کو (چو کنا رہنے سے) ''قرب وساد وطول سواد'' نے ڈھانپ لیا۔

امام جاحظ اپنی کتاب ''الحیوان'' ۱/۱۶۹ پر ''قرب ومعرفت وطویل کلام کے ساتھ ساتھ تکرار نظر سے انسانی طبیعت میں اثر'' کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک اور سبب ہے جو انسان کو فساد کی طرف داعی ہے وہ اس انسان پر مسلسل نظریں گاڑھنا کہ جس کی طبیعت میں کچھ قابلیت (ورغبت)، اور اس جیسے انسان کے سامنے کچھ حرکت (وکشش) ہو۔ طویل قرابت وکثرت رؤیت یہ دونوں چیزیں اصل مصیبت ہیں، جب بنت الخس سے پوچھا گیا کہ تو نے اپنے ہی غلام سے زناء کیوں کرلیا؟ آزاد سے کیوں نہ کروالیا؟ اور اس کا داعی کیا ہوا؟ تو اس نے جواب دیا: ''قرب وساد وطول سواد'' نے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔ فرماتے ہیں: اول اس انسان کا حسن جس کی تم کو پہچان نہیں یعنی تمہارے اور اس کے درمیان کوئی تعلق واسطہ نہیں، تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ جب تم نے اس کو دیکھا جسے تمہاری طبیعت ٹوٹنے لگی لیکن تمہیں معلوم ہے کہ تم اس کو کسی واسطہ خط قاصد وغیرہ سے رابطہ نہیں کر سکتے۔ تو یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے تم نے خواب دیکھا یا جیسے کسی چیز کی تمنا کی۔ جب اس کا تصور ختم ہو گیا اور تمہارا جی اپنی جگہ لوٹ آیا تو اس کے نہ پانے سے سوائے اتنے غم کے نہیں ہوگا کہ جتنا خواب میں دیکھی

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس نے خوف الٰہی کی وجہ سے (غیر محرم کو) دیکھنے سے پرہیز کیا اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان عطاء فرمائیں گے جس کی حلاوت (ولذت) وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔[1]

ہوئی چیز کے نہ پانے سے ہوتا ہے۔ یا اس چیز کے نہ پانے سے ہوتا ہے جس کی تمنا تم کر چکے ہو۔ بخلاف اس عورت کے جس کا لینا بالکل قریب ہو کیونکہ یہاں فتنہ قوی ہے اور شیطان کا غلبہ جلد ہوسکتا ہے تو عاقل وہی ہے کہ جو فتنہ کے اسباب سے دور بھاگے، اور اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامتی کا طالب ہو، کہنے والے عقل مند نے کیا خوب کہا ہے ؎

إن السلامة من سلمی وجارتها
أن لا تمر علی حال بواديها

ترجمہ: "سلمیٰ اور اس کی سہیلی سے سلامتی کا یہی راستہ ہے کہ اس کی وادی سے کسی حال میں نہ گزرو۔"

"طول السواد" کی تحقیق

عربی میں "سَاوَدَ الرَّجُلُ سِوَادًا" اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب مرد وعورت سرگوشی کریں، یعنی اپنے جسم کو اس کے جسم سے قریب کر دے، ابن منظور (افریقی) نے "سوذ" کے مادہ میں اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں، "از لسان العرب" یہ واقعہ کحالۃ کی کتاب "اعلام النساء" ۵/۲۳۱، ۲۳۴ میں ہے۔

[1] اس حدیث کو امام حاکم نے "مستدرک" ۴/۳۱۴ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے۔ جب کہ حافظ نے اس کو رد کر دیا ہے کہ اس میں ایک راوی بالکل ناقابل اعتبار اور دوسرا ضعیف ہے۔ اور اس حدیث کو امام

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جس نے غیر محرم کو دیکھنے کے بجائے نظر نیچی کر لی اللہ تعالیٰ اس کو اس کی پسندیدہ "حورعین" سے بیاہ دیں گے اور جو کسی کے گھر میں جھانکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

حضرت داؤد طائی نے ایک آدمی سے کہا (جب وہ کسی کو گہری نظر سے دیکھ رہا تھا): ارے اپنی نظریں پھیر لو۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ انسان سے اس کی فضول نظر کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا جس طرح کہ اس سے اس کے فضول عمل[1] کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور کہا جاتا ہے "کہ تمہیں پہلی نظر کا اختیار (یعنی معافی) ہے لیکن دوسری نظر کی معافی نہیں ہے۔[2]" یعنی جو نظر اچانک پڑ جائے وہ نظر بندے کو

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ حافظ منذری نے "الترغیب والترہیب" ۳/ ۳۱۷ میں فرمایا ہے "اس کی سند واہی (نا قابل اعتبار) ہے" کتاب میں مذکور الفاظ سے قریب تر الفاظ حاکم کے ہیں وہ اس طرح ہیں: "اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِسْ مَسْمُوْمَةٌ فَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ خَوْفِ اللّٰهِ أَثَابَهُ اللّٰهُ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِيْ قَلْبِهٖ"

[1] اصل نسخہ میں "علم" کے الفاظ ہیں جب کہ دوسرے میں "مالہ" کے الفاظ ہیں۔

[2] یہ مرفوع حدیث ہے جسے حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، امام احمد، ابوداؤد، اور ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کے بارے میں فرمایا "یہ حدیث غریب" ہے الفاظ سب کے یہ ہیں "قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا علیُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ. اِنَّمَا لَكَ الْأُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الآخِرَةُ"

آپ کے ارشاد "لك الاولى" کا مطلب ہے کہ بغیر قصد کے اچانک نظر پڑ

معاف ہے لیکن جس نظر میں جان بوجھ کر تسلسل ہو تو بندے سے اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔[۱]

کانوں کا معاملہ کلام و نظر کے تابع ہے، لہٰذا جس چیز کا آپ کے لئے بولنا اور دیکھنا جائز نہیں اس کا سننا اور لذت حاصل کرنا بھی جائز نہیں جس بات کو آپ سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اس کے درپے ہونا تجسس[۲] ہے۔ کھیل (تماشے) گانا سننا، اور مسلمانوں کو ایذاء والی باتیں سننا ایسے ہی حرام ہے جس طرح مردار اور خون حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ہمیں غیبت کرنے اور سننے سے چغلی کھانے اور سننے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت قاسم بن محمد[۳] رحمہ اللہ تعالیٰ سے گانا (سننے) کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جس وقت اللہ تعالیٰ روز قیامت حق کو باطل سے جدا کریں گے تو گانے کا انجام کیا ہوگا؟ جواب ملا، باطل کے پلڑے میں، تو آپ نے کہا: اب اپنے آپ سے پوچھ لو۔[۴]

جائے اور "ولیست لك الآخرة" کا مطلب ہے کہ یہ نظر قصد و اختیار سے ہوگی لہٰذا اس کا وبال تمہارے اوپر ہوگا۔

۱؎ یعنی جس طرف نظر قصد و ارادہ سے ڈالی تو بندے سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

۲؎ ایک نسخہ میں "تجسیس" کے الفاظ ہیں جو غلط ہیں۔

۳؎ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین کے سردار اور مدینہ کے فقہاء سبعۃ میں سے تھے، آپ کی پیدائش ۳۷ھ اور وفات ۱۰۶ھ ہے۔

۴؎ آلات لہو کے سننے کی حرمت اور ان پر ہونے والے غضب

ان الفاظ کو ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "ذم الملاہی" میں روایت کیا ہے، اور

ان ہی کے طریق سے امام بیہقی نے "السنن الکبری" ۲۲۴/۱۰ پر روایت کیا ہے۔ آپ کے سامنے "آلات غنا" باجے وغیرہ کی حرمت کی تفصیل بیان کی جاتی ہے، صحیح بخاری "کتاب الاشربۃ" "(باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیه بغیر إسمه)" میں حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری سے روایت ہے کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو مالک اشعری نے بیان کیا (اور خدا کی قسم انہوں نے جھوٹ نہیں بولا) انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "لیکُونَنَّ من أُمَّتِي أقوامٌ یستحِلُّونَ الحِرَ. یعني: الزِّنَی. والحرِیْرَ، والخَمْرَ والمعازفَ" "میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے کہ جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال جانیں گے۔"

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ان فواحش کے درمیان بہت قوی ربط ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اختیار کرنے کا تقاضا کرتی ہے زنا ریشم کو حلال کر کے پہن کر زینت اختیار کرنے کو متقاضی ہوتا ہے جب کہ یہ مردوں کے لئے حرام ہے، اسی طرح یہ شراب پینے اور آلات لہو کو حلال کر کے استعمال کرنے کا متقاضی ہے کہ اس سے زنا کرنے والوں میں فساد کی تیزی میں اضافہ ہو جائے جب زناء میں مشغول ہوں تو (ان چیزوں سے) اس کی تپش میں اضافہ ہو، اللہ تعالیٰ سے سلامتی و عافیت کو طلب کرنا چاہئے۔

امام ابو الفرج ابن الجوزی کہتے ہیں: خوب سمجھ لو! گانا سننے سے دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں، ایک یہ کہ (یہ گانا) دل کو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے کی فکر سے غافل کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ فوری لذات کی طرف میلان اور تمام شہوات حسیہ جن میں سب سے بڑی زنا ہے کی طرف داعی ہے، اور لذت پورے طور سے حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اس میں جدت نہ ہو، اور جدت بغیر (عام) حلال ہونے کے حاصل نہیں ہوسکتی، اسی لئے یہ گانا زناء پر ابھارتا ہے تو زنا اور گانے میں

امام محاسبی نے فرمایا:

انسان کے لئے زبان کے بعد سب سے زیادہ ضرر رساں عنصر کان ہیں، کیونکہ یہ دل کے سب سے تیز قاصد، اور فتنے میں مبتلا ہونے کے اعتبار سے سب سے قریب ہیں۔ حضرت وکیع بن الجراحؒ کا قول منقول ہے۔ میں نے ایک بدعتی سے بیس سال

ایک طرح کی مناسبت ہے کہ گانا روح کی لذت ہے، اور زناء بدن کی سب سے بڑی لذت ہے۔ (''رسالۃ فی السماع والرقص'' علامہ ابن تیمیہ ۲/۱۱۱ (من مجموعۃ رسائل الکبری لہ)

؎ زاہد عراق حضرت وکیع بن الجراح کا تعارف

یہ امام حافظ ثقہ عراق کے محدث ابوسفیان وکیع ابن الجراح رواسی کوفی ہیں، جو آئمہ کبار میں سے ہیں، ۱۲۹ھ کوفہ میں پیدا ہوئے اور ''فید'' میں (جو مکہ اور کوفہ کے نصف میں واقع ہے) حج سے واپسی میں ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ۔ دین میں تفقہ پیدا کیا، حافظ حدیث بنے، اور علم میں شہرت پائی حتی کہ اپنے زمانے کے کبار علماء میں شریک ہوئے، ان کے بارے میں امام اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: ان کا (بے مثال) حافظہ طبعی تھا جب کہ ہمارا حفظ تکلف سے ہوتا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: میں نے علم کا جامع اور حدیث کا حافظ وکیع سے بڑھ کر نہیں دیکھا، فقہ کا مذاکرہ فرماتے تو تقویٰ و اجتہاد کے ساتھ خوب فرماتے، لیکن کسی (کی ذات) کے بارے میں کلام نہ فرماتے۔ وکیع امام المسلمین تھے۔ انتہی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو قاضی بنانا چاہا تو یہ اپنی احتیاط کی وجہ سے رک گئے۔ امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: وکیع اپنے وقت کے اوزاعی ہیں میں نے ان سے برتر کسی کو نہیں دیکھا، قائم اللیل اور صائم النہار تھے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتوی دیتے۔ امام ابن المبارک کہتے ہیں: وکیع بن الجراح آج کے کوفہ و بصرہ کے امام ہیں۔ سلم بن جنادہ کہتے ہیں: میں وکیع کے ساتھ ستر سال تک رہا میں نے آپ کو تھوکتے، اور کنکروں سے کھیلتے نہیں دیکھا، اور نہ کبھی

پہلے ایک بات سنی تھی ابھی تک اس کو اپنے کانوں سے نہیں نکال سکا۔ اور امام طاؤسؒ[1]

بلاوجہ بیٹھے ملتے ہوئے۔ قبلہ رخ ہو کر بیٹھتے اور میں نے ان کو نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی ہو۔ سعید بن منصور کہتے ہیں: حضرت وکیع مکہ میں آئے تو ان سے فضیل بن عیاض نے کہا: آپ تو راہب عراق ہیں تو یہ موٹاپا کیسا؟ (وکیع جسامت کے اعتبار سے موٹے تھے) آپ نے جواب دیا: مجھے اپنے مسلمان ہونے کی اتنی خوشی ہے کہ اس خوشی میں پھولے نہیں سما رہا، اس طرح فضیل کو آپ نے خاموش کرا دیا۔ ایک مرتبہ کسی آدمی کی سیاہی سے آپ نے لکھ لیا۔ تو اس کے عوض میں دنانیر کی پوری تھیلی بھیج دی اور ساتھ میں کہلا بھیجا میرے پاس اس کے علاوہ اور نہیں ہیں (ورنہ مزید دیتا)۔ رحمۃ اللہ علیہ، از تذکرۃ الحفاظ ذہبی ۱/۳۰۶، ۳۰۹، تہذیب التہذیب ۱۱/۱۲۳، ۱۳۰۔

[1] "اہل یمن کی برکت" حضرت طاؤس بن کیسان یمنی کا تعارف

جلیل القدر امام ابوعبدالرحمٰن طاؤس بن کیسان یمانی، جندی، تفقہ فی الدین، روایت حدیث، فرمانبرداری میں کوشش، دین میں عبادت گزاری، دنیا سے بے رغبتی، سامان عیش سے بے رخی، سلوک میں برتری، خلفاء و امراء کو نصیحت کرنے میں جری ہونے کے اعتبار سے تابعین کے بڑے طبقے میں ہیں۔

یمن کے شہر "جند" میں ۳۳ھ میں پیدا ہوئے، علم و عمل میں سردار تھے۔ لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں: طاؤس حدیث کو حرفاً حرفاً شمار کرتے تھے۔ ابن حبان کہتے ہیں: طاؤس یمن کے عابدوں، اور تابعین کے سرداروں میں سے تھے۔ چالیس حج کیے، مستجاب الدعوات تھے۔ ان کے بارے میں جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: میرا یقین ہے کہ طاؤس اہل جنت میں سے ہیں۔ قیس بن سعد کہتے

ہیں: طاؤس کا اہل یمن میں وہی مرتبہ ہے جو اہل بصرہ میں ابن سیرین کا تھا۔ ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں: میں نے سوائے طاؤس کے کسی ایسے انسان کو نہیں دیکھا کہ جس کے سامنے عزیز و فقیر یکساں ہوں۔ سفیان بن عیینہ کا قول ہے: بادشاہوں سے کنارہ کش (صرف) تین انسان ہیں: ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے وقت میں، طاؤس اپنے زمانہ میں، اور سفیان ثوری اپنے عہد میں۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں: "طاؤس اہل یمن کے شیخ، ان کی برکت، اور مفتی تھے۔ آپ کا رعب و دبدبہ تھا، کثرت سے حج کرتے، آپ کی وفات اتفاقیہ یوم الترویۃ یعنی منی جانے سے ایک دن پہلے ۱۰۶ھ میں ہوئی، لوگوں کے کثرت ازدہام کے سبب آپ کی نماز جنازہ پڑھنا ممکن نہ رہا تو امیر مکہ ابراہیم بن ہشام نے اپنے محافظ بھیجے۔ ان کے جنازہ کو اٹھانے والوں میں عبداللہ بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ آپ نے ان کی چارپائی کو کندھا دیا ہوا تھا۔ آپ کے سر کی ٹوپی گر پڑی، اور آپ کی چادر پیچھے سے پھٹ گئی، ان کی نماز جنازہ ہشام بن عبدالملک خلیفہ وقت نے پڑھائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

طاؤس و منصور کے درمیان جھوٹے قصہ کا بیان: تتمہ مفیدہ

جس قصہ کو ابن خلکان نے طاؤس کے حالات میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے امام مالک کی موجودگی میں ابو جعفر منصور کو نصیحت کی اور اس میں سخت الفاظ استعمال کئے۔ وہ ایک باطل (جھوٹا) واقعہ ہے جس کا وقوع نہ آپ سے اور نہ ہی آپ کے بیٹے عبداللہ سے ہوا کیونکہ ان کی وفات ۱۰۶ھ کی ہے جب کہ امام مالک بن انس کی پیدائش ۹۳ھ اور ابو جعفر منصور ۹۵ھ کی ہے گویا یہ دونوں طاؤس کی وفات کے وقت بچے تھے، اس کے جھوٹا ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ابو جعفر منصور کی خلافت اس کے بھائی سفاح کی وفات ۱۳۶ھ کے بعد قائم ہوئی تو اب اس کے پاس طاؤس جن کی وفات ۳۰ سال پہلے ہو چکی کیسے آسکتے ہیں اسی طرح ان کے بیٹے عبداللہ کے

کے پاس جب کوئی بدعتی آتا تو اپنے کان بند کر لیتے کہ اس کی بات نہ سن سکیں۔[۱]

بارے میں یہ واقعہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کی وفات (''تہذیب التہذیب'' میں ان کے حالات کے مطابق) ۱۳۲ھ کی ہے جو ابو جعفر کی خلافت سے چار سال پہلے ہے لہذا یہ واقعہ جھوٹا اور من گھڑت ہے۔

۱ سلف صالحین کے اہل بدعت سے بچنے کے چند نمونے

امام مالک کہتے ہیں: یہ بات مشہور ہے ''کج دل انسان کو اپنے کانوں پر قدرت نہ دو'' کچھ معلوم نہیں اس سے تمہارا دل کیا اخذ کر لے۔ اہل مدینہ کے انصار میں سے ایک آدمی نے قدریہ (اہل بدعت کا ایک گروہ) سے کوئی بات سنی (جوان کے دل میں اتر گئی) وہ اپنے دوسرے دوستوں کے پاس آئے تو وہ لوگ ان کو نصیحت کرتے اور اس سے منع کرتے، یہ ان کو جواب دیتے: (اگر یہ لوگ غلط ہوتے تو) ان کی بات میرے دل میں کیوں گھر کرتی، اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے راضی ہوں گے کہ میں اس منارے پر چڑھ کر چھلانگ لگا دوں تو میں لگا دوں گا۔ (یعنی وہ قدری بن گئے) از کتاب ''الجامع'' امام ابوزید قیروانی ۱۲۰۔

حافظ احمد بن عبداللہ رازی صنعانی اور حافظ ابن جوزی اپنی سند متصل سے امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالرزاق نے اور ان سے معمر نے بیان کیا کہ طاؤس بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس ان کے بیٹے بھی تھے ایک معتزلی آ کر کسی بارے میں بات کرنے لگا حضرت طاؤس نے اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں ڈال دیں اور اپنے بیٹے سے بھی کہا کہ بیٹا اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لو کہ تم اس کی بات نہ سن سکو کیونکہ دل بہت کمزور ہے، پھر بیٹے سے مسلسل کہتے رہے، بیٹا سیدھے راستہ پر قائم رہنا، بیٹا سیدھے راستہ پر قائم رہنا، حتیٰ کہ وہ معتزلی اٹھ کر چلا گیا۔ از ''تاریخ مدینۃ صنعاء الیمن'' صفحہ ۳۲۸ ''تلبیس ابلیس'' صفحہ ۱۲۔

امام محاسبی نے فرمایا:

ناک آنکھ اور کان کے تابع ہے ہر وہ چیز جس کا سننا اور دیکھنا آپ کے لئے جائز ہے اس کا سونگھنا بھی جائز ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ ان کے پاس مشک لائی گئی تو آپ نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا، آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ اس کی تو صرف خوشبو سے ہی انتفاع ہو سکتا ہے۔[ل۱]

ہاتھ اور پاؤں کا فریضہ یہ ہے کہ ممنوع چیز کی طرف نہ بڑھیں، حق سے نہ رکیں، حضرت مسروق فرماتے ہیں: کوئی بندہ قدم نہیں اٹھاتا کہ اس کی نیکی یا گناہ لکھا جاتا

امام کبیر، تابعی، فقیہ جلیل محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں ہے: ابن عون کہتے ہیں ایک آدمی محمد بن سیرین کے پاس آیا اور قدریہ کے عقائد میں سے کچھ کلام کیا محمد بن سیرین نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

ابن سیرین نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں اور فرمایا: یا تم یہاں سے چلے جاؤ اور یا میں یہاں سے اٹھ جاتا ہوں، تو وہ آدمی چلا گیا، آپ نے فرمایا: میرا دل میری قدرت سے باہر ہے مجھے خطرہ ہوا کہ کوئی ایسی بات میرے دل میں پہنچ جائے کہ اس کا نکالنا مشکل ہو جائے تو بہتر یہی ہے کہ میں اس کی بات ہی نہ سنوں۔

(از "طبقات الکبریٰ" ابن سعد ۷/۱۹۷)

ل۱ بظاہر یہ ہے کہ یہ مشک بیت المال کی ملکیت ہوگی خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تقویٰ و احتیاط کی بنیاد پر اس کے سونگھنے سے پرہیز کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ہے۔ سلیمان[۱] بن عبدالملک کی بیٹی نے عبدۃ بنت خالد بن معدان[۲] کو لکھا! کبھی ہمارے پاس آیئے۔ عبدۃ نے جواب میں لکھا: اما بعد! میرے والد رحمہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ایسے راستہ میں چلیں کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی (حفاظت) ضمانت نہ ہو، یا ایسا کھانا کھائیں کہ جب قیامت میں اس کے متعلق پوچھا جائے تو کوئی جواب نہ ہو، اور میں بھی اس بات کو ناپسند کرتی ہوں جس کو میرے والد ناپسند کرتے تھے۔ والسلام علیک۔

اگر کوئی کہے کہ اس طرح عمل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آئمہ متقین کے راستہ کو لازم پکڑا جائے، اور راہ ہدایت پانے والوں کے آداب کو دیکھا جائے کہ قدم اٹھانے کی پہچان ہو[۳] اور احتساب نفس بیداری و چستی سے کیا جائے[۴]۔

۱ھ سلیمان بن عبدالملک اموی ایک بہترین خلیفہ تھے۔ دمشق میں پیدا ہوئے اور وہیں ۹۹ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان کی بیٹی کے حالات مجھے نہیں ملے، ان کی اجمالاً تعارف کے لئے یہ کلمات لکھ دیئے گئے۔

۲ھ یہ تابعی راوی حدیث ثقہ ہیں، عابد و شاغل تھے، اصلاً یمنی تھے شام کے اندر حمص میں قیام پذیر ہو گئے تھے بڑے بہادر، مجاہد، کثرت سے ذکر و تسبیح کرنے والے تھے، ان کی فات ۱۰۳ھ میں ہوئی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ان کا تعارف اس لئے کرا دیا کہ ان کی بیٹی کے حالات نہیں مل سکے، اس میں اس کا بھی تعارف آگیا، ان کے حالات ''تہذیب التہذیب'' میں بیٹی کی ان سے ایک روایت مذکور ہے ۱۱۹/۳ جسے آپ ''تفسیر ابن ابی حاتم'' کے خطی نسخہ محفوظ دارالکتب المصریۃ پہلے پارہ کے چھٹے صفحہ پر آیت ''اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً'' کے تحت دیکھ سکتے ہیں۔

۳ھ یعنی صحیح راہ پر چلنے کی معرفت و پہچان حاصل ہو۔

۴ھ سلف صالحین کے احتساب نفس میں چستی و بیداری کے چھ نمونے

اس تیقظ و بیداری و چستی کا اہتمام وہی لوگ کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام

کو اپنے دلوں میں خوشی وغمی، تنگی وکشادگی، کے وقت جگہ دیتے ہیں، اور جو موفق من اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق یافتہ) ہوتے ہیں، آپ کے سامنے ان موفقین کے تیقظ واحتساب نفس کے چھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں جن سے احتساب نفس کی صحیح صورت ومعنی سامنے آجائیں گے، آپ کے ذہن میں وہ واقعہ بھی رہنا چاہئے جو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ابھی گزرا ہے کہ آپ نے اپنی ناک کو بیت المال کی خوشبو سونگھنے سے بچا کر رکھا، آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اس کی تو خوشبو ہی ایسی چیز ہے جس کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ تیقظ واحتساب نفس کا اعلیٰ درجہ ہے۔

① حضرت عمر کا اپنی اہلیہ کو بیت المال کی مشک کو ہاتھ لگانے اور وزن کرنے سے تقویٰ کی بنیاد پر روکنا

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت سعد بن ابی وقاص سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بحرین سے مشک وعنبر لائی گئی تو حضرت نے فرمایا مجھے ایسی عورت کی ضرورت ہے کہ جو اچھی طرح وزن کر سکے تاکہ میں اس خوشبو کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرسکوں، آپ کی اہلیہ عاتکہ نے کہا میں اچھی طرح وزن کرسکتی ہوں، آپ نے منع فرما دیا۔ اہلیہ نے پوچھا کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ جب تم اس کا وزن کروگی تو ہاتھوں سے اس کو پکڑوگی پھر وہ ہاتھ تم کانوں میں داخل کروگی، اور گردن پر ملوگی، تو تمہیں عام مسلمانوں سے زیادہ حصہ ملے گا (جو ناانصافی ہے)۔

② حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بات کرنے والے کو تنبیہ کرنا کہ دوران گفتگو دائیں ہاتھ سے اشارہ کرے

خلفیہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں ہے کہ انہوں

نے ایک آدمی کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے اشارہ کر کے باتیں کر رہا ہے تو آپ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ جب کلام کرو تو بائیں ہاتھ سے اشارہ نہ کرو بلکہ دائیں ہاتھ سے اشارہ کرو۔ اس آدمی نے (دوبارہ کلام کرتے ہوئے) کہا: میں نے آج کے دن کا سا منظر نہیں دیکھا کہ ایک آدمی نے اپنے عزیز ترین رشتہ دار کو دفن کیا، وہ اس کا بالکل نوجوان، عابد وزاہد بیٹا عبدالملک تھا، پھر بھی اس کو میرے دائیں اور بائیں کی فکر ہے (یہ عبدالملک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے صاحبزادے تھے جواں سالی میں فوت ہو گئے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کو انتہائی سخت صدمہ پہنچا لیکن ایسے وقت میں بھی حضرت کو دین کی اتنی چھوٹی بات کی اصلاح کی فکر تھی) حضرت عمر نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو تم سے چھین لیں تو تم اس کی فکر چھوڑ دو اور اپنے افکار کو اس کے غم سے پرگندہ نہ کرو (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو چھین لیا ہے تو اب اس کی فکر میں ایسے منہمک نہ ہوں کہ دین کی فکر بھی نہ رہے) اس آدمی نے (آپ کے شکریہ کے طور پر) کہا: "جزاك الله عن الاسلام خيرًا" "اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام کی طرف جزائے خیر عطاء فرمائیں" حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سے فرمایا: ایسا مت کہو بلکہ اس طرح کہو "جزى الله عني الاسلام خيرًا" کہ اللہ تعالیٰ میری طرف سے اسلام کو جزائے خیر عطا فرمائیں، کہ اس کی وجہ سے ہمیں ایسی سمجھ عطاء ہوئی ہے۔ (از "الحلیۃ" حافظ ابونعیم ۵/۳۲۶، امام احمد، کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۱/۲۸۱، کتاب الزہد صفحہ ۳۰۰)

(اسی واقعہ کی اقتداء میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کی اصلاح کی کہ جب اس نے کوئی بات پوچھی تو آپ نے جواب عنایت فرمایا اس نے آپ کو یہی الفاظ کہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسے کہو کہ اللہ تعالیٰ میری طرف سے اسلام کو جزائے خیر عطا فرمائیں، میں کون ہوں؟ اور کیا ہوں؟ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں۔ (از ابن الجوزی مناقب امام احمد بن حنبل صفحہ ۲۷۵)

۳ حافظ منذری راستہ میں چت لیٹ جاتے ہیں لیکن (بغیر اجازت) دکان کے چبوترے کو استعمال نہیں کرتے

شیخ تاج الدین سبکی، حافظ ذکی امام، متقی، زاہد، صالح، صاحب کتاب، ''الترغیب والترہیب'' حافظ عبدالعظیم منذری کے حالات میں لکھتے ہیں: میں نے اپنے والد سے سنا کہ وہ حافظ دمیاطی سے بیان کر رہے تھے کہ شیخ منذری ایک مرتبہ حمام سے نکلے، سخت گرمی نے نڈھال کر رکھا تھا تو چل نہ سکے، ایک بند دکان کے کنارے پر راستہ میں چت لیٹ گئے، حافظ دمیاطی نے ان سے عرض کیا ''اٹھئے آپ کو دکان کے چبوترے پر لٹا دوں'' تو تکلیف کی اس شدت میں کہنے لگے: مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کب ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ (''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' ۱۰۹/۵)

۴ تقی الدین سبکی اپنے بیٹے کو کتے کی تحقیر سے ڈانٹنے سے روکتے ہیں

شیخ مرتضیٰ زبیدی ''غیبت فاسق کے جواز کی بحث'' میں لکھتے ہیں: فاسق کے فسق و عیوب کا تذکرہ کہ لوگ اس سے بچیں یہ احتساب و ارادہ نصیحت سے کہ لوگ اس کے دھوکے سے محفوظ رہیں اس شرط کے ساتھ جائز ہے۔ سو جس نے ایسی قوم کا تذکرہ اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے یا اپنا انتقام لینے، یا اس قسم کے دوسرے نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا تو وہ گناہ گار ہے، تاج الدین سبکی نے اپنے والد تقی الدین سبکی سے اس کی صراحت کی ہے، تاج الدین کہتے ہیں: میں اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کتا ہماری طرف آیا تو میں نے دھتکارا اور کہا ''کتے کے بچے دور ہو جاؤ'' تو والد صاحب نے مجھے گھر کے اندر سے جھڑکا۔ تو میں نے کہا۔ کیا یہ کتے کا بچہ نہیں

ہے؟ والد صاحب نے جواب دیا: ایسا کہنا جائز ہے جب کہ تحقیر کی نیت نہ ہو۔ میں نے کہا کہ یہ تو بڑے فائدے کی بات ہے۔

⑤ ہارون الرشید کے قاضی، ابو یوسف وفات کے وقت اپنا محاسبہ کرتے ہیں

علامہ علاء الدین حصنی روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہارون الرشید کے زمانہ کے چیف جسٹس، امام ابو یوسف سے خلیفہ وقت ہارون الرشید اور ایک نصرانی نے آپ کے سامنے ایک قضیہ کا مرافعہ کیا، آپ نے نصرانی کے حق اور خلیفہ وقت ہارون الرشید کے خلاف فیصلہ دیا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو کہنے لگے: اے اللہ! آپ خوب جانتے ہیں کہ یہ معاملہ (جج بننا) میرے سپرد کیا گیا، اور میں دلی طور سے کبھی دو فریقوں میں سے کسی فریق کی طرف مائل نہیں ہوا سوائے اس قضیہ کے جو کہ نصرانی اور ہارون الرشید کے درمیان تھا کہ میں ان دونوں کے درمیان برابری نہ کر سکا بایں طور کہ میرے دل میں چاہت تھی کہ فیصلہ ہارون الرشید کے حق میں ہو۔ جب کہ میں نے فیصلہ ہارون الرشید کے خلاف اور نصرانی کے حق میں کیا۔ پھر اس کے بعد آپ رو پڑے۔

(از کتاب "در المختار" مع حاشیہ "رد المختار" ۴/۳۱۳ بحوالہ "القضاء فی الاسلام" صفحہ ۱۲۵ استاذ عارف نکدی)

⑥ ابن حامد وراق موت کے وقت پانی پینے سے رک گئے کہ اس کی اصلیت معلوم کر سکیں

قاضی ابن ابی یعلی حنبلی ان کے حالات میں رقم طراز ہیں: یہ کتابیں ہاتھ سے لکھتے اور ان کی اجرت سے اپنی روزی حاصل کرتے اس لئے ان کا نام ابن حامد الوراق پڑ گیا جب کہ ان کا نام عبداللہ بن الحسن بن حامد بغدادی تھا۔ حج بہت کرتے

لوگوں کی طرف سے ناراضگی کا اظہار ہوا کہ بڑھاپے کے باوجود کثرت سے سفر کرتے ہیں تو کہنے لگے: شاید کہ کھوٹا درہم، کھرے درہموں کی تہہ میں نکل جائے۔ (یعنی حج میں نیک لوگوں کے ساتھ مجھ جیسے کھوٹے انسان کی بھی شاید مغفرت ہو جائے) قاضی کہتے ہیں: آپ ۴۰۳ھ میں حج کے لئے گئے۔ راستہ میں سخت پیاس لگی، تو حاجیوں میں سے ایک تھوڑا سا پانی لے کر آ گیا، آپ ایک پتھر سے ٹیک لگائے موت کے کنارے پر تھے، تو ابن حامد نے پانی لانے والے کو اشارے سے کہا کہ یہ پانی کہاں سے لائے؟ اور کس طرح لائے؟ پانی لانے والے نے کہا کہ یہ ان باتوں کے پوچھنے کا وقت ہے، تو اشارے سے جواب دیا کہ ہاں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی گھڑی ہے اور میں اس بات کے پوچھنے کا زیادہ محتاج ہوں چنانچہ آپ مکہ مکرمہ سے لوٹتے ہوئے ۴۰۳ھ راستہ ہی میں راہی عدم ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(طبقات الحنابلة ۲/۱۷۷)

(اللہ تعالیٰ پ کے ساتھ رعایت کا معاملہ فرمائیں) دیکھئے کس طرح یہ جلیل القدر آئمہ اپنے محاسبۂ نفس میں بیدار و متیقظ تھے۔ خلفیۃ المسلمین فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندیشہ کر رہے ہیں کہ مشک کا غبار جوان کی اہلیہ کے ہاتھوں سے لگ جائے اس کی وجہ سے ان کے گھر میں عام مسلمانوں سے زائد مشک آ جائے گی تو اپنی اہلیہ کو اس کا وزن کرنے سے روک دیا۔

اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو جوان سال بیٹے کی مرگ نے کہ آپ اسی دن اس کو دفن کر کے آ رہے تھے جوان کا بچہ، اور جگر کا ٹکڑا تھا اس آدمی کی دینی خطا کی اصلاح سے نہیں روکا، آپ نے مناسب نہیں سمجھا کہ اپنی رعیت کے ایک فرد کی مخالفت دینی پر خاموش رہیں اور وہ محض یہی تھی کہ وہ بائیں ہاتھ سے اشارہ کر رہا تھا تو آپ نے اس آدمی کی راہنمائی فرمائی اور اس کو اسلام کی سنت بتلائی کہ دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا

جائے حالانکہ آپ غم واندوہ کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور پھر جب اس نے آپ کی تعریف کی اور آپ کی فضیلت علی الاسلام کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے اس کو رد فرما دیا، اور اس کو تنبیہ کی کہ فضیلت صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے ہمیں آداب و اخلاق کی قدریں سکھلائیں اور اسلام ہی ہے کہ جو اہل اسلام کے دلوں میں عجیب وغریب قسم کے اعمال وفضائل پیدا کرتا ہے۔

اور حافظ منذری گرمی کی شدت کی وجہ سے چل نہیں سکتے تو شدت ضعف و اضمحلال اعضاء سے راستہ میں چت لیٹ جاتے ہیں، ساتھی کہتا ہے کہ میں آپ کو دکان کے چبوترہ پر لٹاتا ہوں، دکان بند تھی، اگر اس کے سامنے کوئی بیٹھ جاتا تو اس کو کچھ نقصان نہ ہوتا لیکن شیخ باوجود تھکاوٹ و کمزوری کے کہتے ہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر کیسے بیٹھا جا سکتا ہے؟ چنانچہ وہاں پناہ لینے پر راضی نہ ہوئے بلکہ وہاں کے بجائے راستہ میں بیٹھنے کو ترجیح دی جب کہ اپنے وقت کے علم وعمل مقام ومرتبہ کے لحاظ سے شیخ المشائخ تھے۔

امام تقی الدین سبکی نے دیکھا کہ ان کے بیٹے نے کتے کو تنقیص وتحقیر کے انداز سے دھتکارا ہے تو اس کو بتلایا کہ یہ انداز اگرچہ جانور کے ساتھ ہو صحیح نہیں ہے۔

فقیہ ابن حامد حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ اخیر کی سانسوں میں ہیں، پیاس شدید لگی ہے لیکن ایسے پانی کو اپنے پیٹ میں داخل نہیں کیا کہ جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں تھا کہ لانے والا کہاں سے لایا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ظاہر و باطن کے لحاظ سے پاک وصاف ہو کر ملنا چاہتے تھے کہ ایسی حالت میں نہ جائیں جس کا سوال ہو جائے۔ یہ لوگ کس قدر عظیم ہیں۔

کہنے والے نے سچ کہا ہے ؎

هُمُ الرِّجَالُ وَعَيْبٌ أَنْ يُّقَالَ لِمَنْ

اور انصاف کے ساتھ عمل و تکلیف دہ چیزوں سے پرہیز کے ساتھ اپنے آپ کو آراستہ کیا جائے۔

اور زائد (از حاجت) چیزوں کو خرچ کرنا بغیر احسان جتلانے کے، اہل خیر کی سمت کو مقصود بنا لینا بغیر کسی حسد کے، تھوڑے پر صبر کر لینا گمنامی کو چاہتے ہوئے۔ اور زبان و کان کو محفوظ رکھنے کے لئے[1] مکمل خاموشی اختیار کرنا، مخلوق خدا سے وحشت کے بغیر تواضع[2] سے پیش آنا۔ تنہائی میں ذکر سے دل لگانا، قلب کو خدمت کے لئے خالی کر

لَمْ يَتَّصِفْ بِمَعَانِيْ وَصْفِهِمْ رَجُلٌ

ترجمہ: "یہ لوگ مرد کہلانے کے قابل ہیں، اور جو ان کی صفات سے متصف نہ ہو اس کو مرد کہنا عیب ہے۔"

---

۱ جب تم کسی مجلس میں بیٹھو اور وہ دراز ہو جائے پھر تمہیں اس میں خیر کی کوئی بات بھی نظر نہ آئے تو اپنی سلامتی و عافیت کی غرض سے اس سے نکل جاؤ، مزید مت بیٹھو تابعی جلیل ابن شہاب زہری فرماتے ہیں: جب کوئی مجلس لمبی ہو جاتی ہے تو اس میں شیطان کا حصہ ضرور نکلتا ہے۔

(از حالات ابن شہاب، تاریخ ابن عساکر صفحہ ۱۵۲، مقدمۃ ابن الصلاح صفحہ ۲۱۱، قسم نمبر ۱۸)

۲ علماء کے درمیان تواضع کی مراد متعین کرنے میں بہت اختلاف ہوا ہے۔ اس کی بہترین تفسیر حضرت حسن بصری سے منقول ہے جو ان کے حالات "کتاب الزہد" میں ۲۷۹ پر ہے: ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت حسن بصری کے سامنے تواضع کا ذکر کیا لیکن آپ خاموش رہے، جب بہت زیادہ قیل وقال ہوگئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت زیادہ تواضع میں اختلاف کر رہے ہو، لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ تواضع کس چیز کا نام ہے؟ تو آپ نے فرمایا: انسان گھر سے باہر نکلے اور ہر ملنے والے مسلمان (اچھے برے، چھوٹے بڑے، عالم جاہل) کو اپنے آپ سے اچھا گمان کرے۔

دینا، مراقبہ کے ذریعہ اپنے خیالات کو مجتمع کر لینا استقامت کے ساتھ نجات کو طلب کرنا۔

اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝﴾ (الاحقاف الآیۃ ۱۳) ''جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

سفیان بن عبداللہ ثقفی فرماتے ہیں: یا رسول اللہ مجھے ایسی نصیحت فرمائیے کہ جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلے یوں کہو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر اس پر ثابت قدم رہو۔[1] حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ثابت قدم رہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر، لومڑی کی طرح دائیں بائیں مت جاؤ۔ ابو العالیہ رباحی کہتے ہیں: ثابت قدم رہو یعنی دین، اس کی دعوت، اور اس پر عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کر لو، اصل ثابت قدمی تین چیزوں میں ہے، کتاب وسنت کی اتباع اور جماعت کو لازم پکڑنے میں۔[2]

---

[1] اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح ۲/۹ پر روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''قُل لِّي فِي الإِسْلامِ قولًا لا أَسْأَلُ عنه أحدًا غَيْرَكَ قَالَ: قُلْ ......'' ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ''لا أَسْأَل عنه أحداً بعدَكَ'' امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی ''شرح صحیح مسلم'' میں فرماتے ہیں: قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''جوامع الکلم'' میں سے ہیں اور یہ اس آیت کے ہم معنی ہے: ''إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا'' یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک جان کر اس کو مانے پھر اس پر ثابت قدم رہے اور توحید سے نہ ہٹے اور موت تک اللہ جل شانہ کی اطاعت کا التزام رکھے۔

[2] **انسان کے لئے کس جماعت کو لازم پکڑنا ضروری ہے**

التزام جماعت کا مطلب ہے کہ حق اور اہل حق کو باوجود قلت کے لازم پکڑ لینا۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اکثریت کی پیروی کرنا، یہیں پر انسان کے فہم میں غلطی واقع ہو سکتی ہے، اس لئے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ امام ابن حزم اپنی کتاب "الاِحکام فی اصول الأحکام" ۵/۸۷ پر "باب مبحث الشذوذ والجماعة" میں فرماتے ہیں: جماعت اور مجموعۃ سے مراد اہل حق ہیں اگرچہ پوری دنیا میں صرف ایک انسان ہی ہو تو یہی جماعت ہے۔ جب تک کہ صرف حضرت ابوبکر و حضرت خدیجہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایمان لائی تھیں تو یہ دونوں اہل حق تھے اور انہی کا نام جماعت تھا، اور ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام اہل ارض شذوذ اور فرقہ تھے۔ اس بات میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے۔

امام ابن القیم جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ "اغاثة اللهفان من مصايد الشيطان" ۱/۶۹ پر فرماتے ہیں: ابوشامۃ نے کتاب "الحوادث والبدع" میں کتنی عمدہ بات فرمائی ہے: جہاں پر التزام جماعت کا حکم ہے تو اس کا مطلب حق اور اس کے اتباع کا التزام ہے، اگرچہ اس پر عمل کرنے والے کم ہی کیوں نہ ہوں، اور مخالفین کثرت میں کیوں نہ ہوں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں وہی لوگ جماعت کا مصداق تھے (جب کہ یہ حضرات قلت میں تھے) اہل بدعت کی اکثریت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ عمرو بن میمون اودی کہتے ہیں: میں یمن میں حضرت معاذ بن جبل کے ساتھ رہا اور شام میں ان کی وفات تک ساتھ رہا، حتی کہ ان کو مٹی میں چھپا دیا (دفن کر دیا) پھر اس کے بعد میں تمام لوگوں سے بڑھ کر فقیہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ رہا میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا! تم جماعت کو لازم پکڑ لو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ پھر میں نے ایک دن ان کو کہتے ہوئے سنا: عنقریب تمہارے ایسے حکمران ہونے والے ہیں کہ جو نماز کو اپنے وقت سے موخر کر دیں گے تمام نمازوں کو ان کے اوقات میں پڑھ لینا کیونکہ یہی

فرض ہے اور پھر ان کے ساتھ بھی پڑھ لینا کہ یہ نماز تمہارے لئے نفل بن جائے گی۔ میں نے عرض کیا اے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ لوگ ہم سے کیا بیان کرتے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا ہو گیا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ لوگ ہمیں "جماعت" کے التزام کا بھی حکم دیتے ہیں، اور اس کی ترغیب دیتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اکیلے نماز پڑھ لو کہ یہ فرض ہے۔ اور جماعت سے پڑھ لو کہ وہ نفل ہے؟ حضرت نے فرمایا: عمرو بن میمون! ہم تو تمہیں اس پوری بستی میں سب سے بڑھ کر فقیہ سمجھتے تھے، کیا تمہیں معلوم ہے کہ جماعت کیا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ تو آپ نے فرمایا: جماعت وہی ہے کہ جو حق پر ہو اگر چہ اکیلے ہی ہو۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے میری ران پر زور سے مارا اور فرمایا: تعجب ہے تم پر! اکثر لوگوں نے بھی جماعت کو چھوڑ دیا ہو تو (کوئی بات نہیں) جماعت وہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے موافق ہو۔

حضرت نعیم بن حماد کہتے ہیں: جب جماعت میں فساد آ جائے تو تمہارے لئے لازم ہے کہ اس سے پہلے والے (فساد سے پہلے والے) موقف کو اختیار کرو کیونکہ ایسی صورت میں جماعت تمہارا نام ہوگا، اگر چہ تم اکیلے رہ جاؤ۔ از بیہقی وغیرہ۔

حافظ لالکائی نے بھی اسی سے ملتے جلتے الفاظ نقل کئے ہیں بحوالہ "کتاب السنۃ" ۱/۱۰۹ مطبوعہ بنام "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ"۔

خطیب بغدادی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جماعت کتاب وسنت کا نام ہے اگر چہ اس پر عمل کرنے والے تم اکیلے ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جماعت اہل حق کا نام ہے اگر چہ تم اکیلے ہو۔ حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں: جماعت حق کا نام ہے اگر چہ تم اکیلے ہی ہو۔ از "الفقہ والمتفقہ" ۲/۱۹۱۔

امام محاسبی نے فرمایا:

خوب جان لو! بندے کے لئے سب سے بڑھ کر نجات کا راستہ علم پر عمل، خوف (الٰہی) سے (گناہوں سے) بچنا، اور اللہ تعالیٰ (پر امید) کر کے بے نیاز ہو جانا ہے۔ لہٰذا اپنے حال کی اصلاح میں مشغول رہو، اپنے رب کی طرف احتیاج رکھو، اور شبہات سے بچو۔[1]

علامہ ابن القیم بھی یہی فرماتے ہیں لیکن اس کے بعد مزید اضافہ ہے۔ "بعض لوگوں نے سنت کو بدعت اور معروف کو منکر بنا دیا ہے اس لئے کہ سنت پر عمل کرنے والے کم اور اکیلے رہ گئے اور دلیل میں کہتے ہیں "مَنْ شَذَّ شُذَّ فی النار" جو تنہا رہ گیا وہ آگ میں گر گیا" لیکن انہیں معلوم نہیں کہ "شاذ" (تنہا) وہی ہے کہ جو حق کا مخالف ہو، اگر ایک کے سوا سب لوگ بھی حق کی مخالفت کریں گے تو شاذ وہی ہوں گے۔ اور وہ اکیلا انسان جماعت کے حکم میں ہوگا۔

حضرت امام احمد بن حنبل کے زمانہ میں چند کے سوا اکثر لوگوں نے شذوذ اختیار کیا لیکن اس کے باوجود تھوڑے لوگ ہی جماعت کے حکم میں تھے۔ جب کہ تمام وقت کے قاضی اور فتنہ کی لپیٹ میں آنے والے خلیفہ اور اس کے متبعین وہی لوگ شاذ کے حکم میں تھے جب کہ صرف امام احمد بن حنبل ہی جماعت کے حکم میں تھے۔ چونکہ لوگوں کی عقلیں اس بات تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں اس لئے خلیفہ سے کہنے لگے: امیر المؤمنین کیا آپ اور آپ کے تمام قاضی، اور گورنر و فقہاء باطل پر ہیں اور اکیلے (امام) احمد حق پر ہیں؟ خلیفہ کا علم بھی اس بات کو نہ سمجھ سکا، تو آپ کو کوڑوں اور حبس طویل کی سزا دی" لیکن اس کے بعد بھی حق و اہل حق غالب آ گئے اور ان لوگوں کا دعویٰ باطل ٹھہرا جیسا کہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔

[1] شبہ کی تعریف، اس کا دل پر اثر، اور اس کے ساتھ نرمی کی ممانعت

شیخ امام ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: شبہ دل میں پیدا ہوتا ہے اور دل اور

حق سمجھنے کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے، بعض لوگ شبہ پیدا ہوتے ہی شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ ان کے قلت علم، وفقدان بصیرت کی دلیل ہے کہ جیسے ہی ان کو شبہ پیدا ہوا وہ شک وریب میں پڑ گئے، بخلاف ان لوگوں کے کہ جن کا علم راسخ و پختہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے دل میں سمندر کی موجوں کی طرح بھی شبہات متلاطم ہو جائیں تو ان کے یقین کو زائل نہیں کر سکتے، نہ اس میں شک کی دراڑ ڈال سکتے ہیں کیونکہ ان کا علم پختہ ہو چکا ہے جس کو شبہات مضطرب نہیں کر سکتے بلکہ جب ایسے لوگوں کے دلوں میں شبہات وارد ہوتے ہیں تو علم کے پہریدار ان کو اس طرح سے دھکیل دیتے ہیں کہ ان کے لشکر مغلوب ومقہور ہو جاتے ہیں۔ جب دل میں حقیقت علم راسخ ہو جائے تو یہ شبہات اس میں اثر نہیں کر سکتے بلکہ ان کا علم و یقین ان کو رد کر کے ان کے بطلان کی وضاحت کے بعد مزید پختہ ہو جاتا ہے۔

لیکن جب قلب میں حقیقت علم راسخ نہ ہو تو شک ابتداء ہی سے پیدا ہو جائے گا اگر اس کا تدارک کر لیا تو ٹھیک ورنہ قلب میں اس کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہوگا اور یہ شک ظن غالب میں تبدیل ہو کر واقعی مشکوک بنا دے گا۔

دل پر باطل کے دو طرح کے حملے ہوتے ہیں (۱) گمراہ کن خواہشات کا حملہ (۲) باطل قسم کے شبہات کا حملہ، جو دل ان کی طرف میلان رکھے اور سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہو جائے وہ ان سے بھر جاتا ہے تو اس کی آمیزش شبہات سے ہو جاتی ہے تب زبان اور اعضاء اس کے مقتضی سے چھلکتے ہیں۔ اگر اس دل میں باطل شبہات کی آویزش ہو تو زبان سے شکوک وشبہات واعتراضات جاری ہونے لگتے ہیں جاہل اس کو وسعت علم سمجھتا ہے جو درحقیقت عدم علم و یقین ہے۔

جب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مسلسل اعتراضات کرتا تو آپ فرماتے: اپنے دل کو شبہات واعتراضات کے لئے نرم بادل نہ بنالو کہ یہ ان سے

امام محاسبی نے فرمایا:

بھر جائے پھر اس سے انہی کے قطرات ٹپکنے لگیں، ہاں اس (دل) کو چاروں طرف بند شیشہ کا برتن بنالو کہ شبہات اس کے باہر سے گزر جائیں، اس پر ٹھہر بھی نہ سکیں۔ (اس طرح ہو جائے کہ) اپنی صفائی (وچکناہٹ) کی وجہ سے ان کو دور کر دے ورنہ اگر کوئی شبہ تمہارے دل سے گزرتے ہوئے وہاں قرار پکڑ لے تو یہ شبہات کا منبع بن جائے گا۔ یہ یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی، میں نہیں سمجھتا کہ ان کی نصیحت سے میری طرح کسی نے فائدہ اٹھایا ہوگا۔

شبہ کو شبہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں حق و باطل کا اشتباہ ہو جاتا ہے کہ یہ باطل کو حق کا لباس پہنا کر مشکوک بنا دیتا ہے جب کہ اکثر لوگ بھی حسن ظاہر پر مر مٹنے والے ہوتے ہیں لہٰذا وہ اس شبہ کے ظاہری لباس کو ہی دیکھتے ہوئے اس کی صحت کا اقرار کر لیتے ہیں، لیکن علم و یقین والے لوگ اس سے دھوکہ نہیں کھاتے بلکہ وہ اس کے ظاہر سے نظر ہٹا کر اس کے باطن کو دیکھتے ہیں، جسم کے بجائے اس کے لباس میں چھپے ہوئے اندر کو پرکھتے ہیں تو ان پر اس کی حقیقت منکشف ہو کر ظاہر ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کھوٹا درہم (سکہ) کہ ناواقف اس کے ظاہری چاندی جیسے رنگ کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتا ہے لیکن جو صحیح پرکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ ظاہری رنگت سے آگے بڑھ کر اس کے اندر کو دیکھ لیتا ہے تو وہ حقیقت تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے کھوٹا ہونے کو پہچان لیتا ہے۔ شبہات کے الفاظ کا حسن، ان کی فصاحت یہ شبہات کا لباس ہے جیسا کہ کھوٹے سکے کا رنگ، اور اس عبارت کے معنی کی مثال اس تانبے کی سی ہے کہ جو رنگ سے چھپا ہوا ہے۔ اس دھوکے نے کتنی مخلوق خدا کو ہلاک کر دیا ہے کہ جس کا شمار بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے ممکن نہیں ہے۔

(از "مفتاح دار السعادۃ" صفحہ ۱۵۲)

لوگوں کے سامنے اپنی ضروریات کم پیش کرو[1] ان کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے کر رہے ہو، ان کے لئے اس چیز کو ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو، کسی گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو، کسی راز کو نہ کھولو، کسی کی پردہ دری نہ کرو، اپنے دل میں گناہ کی باتیں مت لاؤ، گناہ صغیرہ پر اصرار نہ کرو، ہر ضرورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، ہر حالت میں اس کی احتیاج رکھو، ہر معاملے میں اس پر بھروسہ کرو[2]۔

خواہشات سے دور رہو، اپنے آپ کو انتظار میں نہ رکھو (کہ نیکی کریں گے یعنی فوراً نیک کام میں لگ جاؤ۔ از مترجم) اپنے ذکر کو گمنام رکھو، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار رہو، استغفار کثرت سے کرو، اپنی سوچ کو[3] جانچتے رہو، فتنوں میں گرنے سے پہلے ہی علم سے اس کی تیاری کرلو۔

ف۱ مشہور ہے کہ ''انسان کی عزت لوگوں سے سوال نہ کرنے میں ہے۔''

ف۲ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اسباب و ذرائع سے کام لیا جائے، جو اسباب کی نفی کرے یہ توکل نہیں لہو لعب ہے، ظاہر نظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسباب سے توکل میں حرج لازم آتا ہے لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ جو لوگ اسباب کی نفی کر دیں ان کو توکل بالکل حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ توکل خود جس چیز کے لئے توکل کیا گیا ہے، اس کے حاصل کرنے کا سبب ہے، گویا کہ توکل دعاء ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے مانگی ہوئی چیز کے حصول کے لئے سکھلائی ہے۔ از علامہ فیروز آبادی ''بصائر ذوی التمییز'' ۳۱۸/۲۔

اس کا مصداق وہ حدیث ہے جس میں اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اونٹنی کو باندھ دوں کہ (کھلا چھوڑ کر) اللہ تعالیٰ پر توکل کروں، تو آپ نے فرمایا: ''اعقلها وتوكّل'' پہلے اس کو باندھو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ ''صحیح ابن حبان'' روایت از حضرت امیہ بن ضمری۔ اس کی سند صحیح ہے، جیسا کہ فیض القدیر ۲/ ۷ میں ہے۔

ف۳ یعنی جو کچھ تمہارے خیال میں ہے اس کے بارے میں غور و فکر کرلو کہ ایسی چیز نہ ہو کہ جس میں غور کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

جلد بازی کے مواقع میں تمہارے لئے اچھی طرح غور وفکر کرنا ضروری ہے، اور باہمی اختلاط میں حسن ادب کا پہلو لینا[1] لوگوں پر اپنی ذات کی وجہ سے غضب ناک نہ ہونا، ہاں اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اپنے آپ کو کوسنا چاہئے۔ کسی کو برے طریقے سے بدلہ نہ دو۔ جاہل سے اپنی تعریف کرانے سے پرہیز کرو اور نہ ہی کسی اور سے اپنی ذات کی تعریف چاہو، ہنسی کم کرو، مزاح سے بچو۔[2]

۱؎ یعنی لوگوں سے ملنے جلنے میں حسن ادب سے کام لو، حضرت رویم بغدادی نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹا! اپنے عمل کو نمک اور اپنے ادب کو آٹا بنا لو، یعنی ادب کو اتنا زیادہ اختیار کرو کہ اپنے کثرت سے اس طرح ہو جائے کہ جس طرح ادب زیادہ اور عمل کم ہو تو یہ بہتر ہے اس سے کہ عمل زیادہ اور ادب کم ہو۔ (از کتاب "الفروق" ۳/۱۹۶ امام قرافی)

۲؎ تابعی جلیل حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: غم وحزنِ دنیا نیک اعمال کا سبب اور مؤمن کی ہنسی غفلت کا موجب ہے، کثرت ضحک دل کو مردہ کر دیتی ہے۔ (از الحلیۃ ابی نعیم ۲/۱۳۲، ۱۵۲)

صحابہ کرام باہم مزاح کرتے اور خربوزا ایک دوسرے کی طرف اچھالتے لیکن ذمہ داری کے وقت (باوقار) مرد بن جاتے

اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ کرام تو ہنستے اور مزاح کرتے تھے تو ہم کہیں گے کہ ہاں وہ کرتے تھے لیکن غافل، لہو ولعب میں منہمک، دیوانوں کی طرح وہ لوگ نہیں تھے، وہ لوگ ہنستے مزاح کرتے لیکن جب ان کو ذمہ داری کا سامنا کرنا پڑتا یا امر ونہی سے سابقہ ہوتا تو وہ لوگ واقعۃً (باوقار) مرد بن جاتے۔

امام محاسبی نے فرمایا:

اپنی تکالیف کو چھپاؤ، اپنے فقر کو ظاہر نہ کرو، اللہ تعالیٰ پر اعتماد کو پوشیدہ رکھو[۱] فقر سے بچو، تکلیف پر صبر کرو، جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر راضی رہو، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھو۔ اس کی وعید سے ڈرو، جس کام کا تمہیں مکلّف نہیں بنایا گیا اس کی فکر میں نہ پڑو، اور جسے حاصل کرنے کی تمہیں ذمہ داری سونپی گئی ہے اسے ضائع نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی عطاء میں اسی کی احتیاج رکھو، اس سے نجات کے امیدوار رہو، ظلم کرنے والے کو معاف کردو۔ محروم رکھنے والے کو دو، تعلق توڑنے والے سے اللہ کی رضا کے لئے جوڑو[۲] جو تم سے اس کی رضا کے لئے محبت کرتا ہے اس کو

جلیل القدر تابعی بکر بن عبداللہ مزنی ان کی حالت بیان کرتے ہیں: اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم باہم مزاح کرتے، ایک دوسرے کی طرف خربوز تک اچھالتے لیکن جب حقائق کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ لوگ مرد یعنی صاحب معاملہ بن جاتے۔ (از "النھایۃ" ابن اثیر، "القاموس" فیروز آبادی مادہ "بدح")

ابن جوزی جلیل القدر تابعی حضرت ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: صحابہ کرام میں سے بعض لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے ان کی کسی دینی مسئولیت (ذمہ داری) کا مطالبہ ہوتا تو ان کی آنکھوں کی پتلیاں چہرے پر ایسے حرکت کرتیں کہ وہ لوگ دیوانہ معلوم ہوتے۔ ("مناقب الامام احمد" صفحہ ۳۱۱)

[۱] یعنی اپنے دل میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھو، اور وہ ذات انسان کے گمان کے خلاف نہیں کرتی۔

[۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے "أَهْدِ لِمَن لا يُهْدِي لَكَ، وَعُدْ مَن لا يَعُوْدُكَ" "ایسے انسان کو تحفہ دو جو تمہیں تحفہ نہ دے، ایسے کی عیادت کرو جو تمہاری عیادت نہ کرتا ہو" یہ حدیث مرسل ہے۔

(از "کتاب العلل ومعرفۃ الرجال" امام احمد بن حنبل ۱/۹۷)

ترجیح دو۔ اپنی جان و مال کو اپنے بھائیوں کے واسطے خرچ کرو[1]

اپنے اللہ کے دینی حقوق کی رعایت رکھو۔ تمہاری نظروں میں بڑی سے بڑی نیکی جسے تم کرو بڑی نہ ہونی چاہئے، اور چھوٹے سے چھوٹا گناہ جسے تم کرو[2] حقیر نہ جانو۔

---

[1] تابعی جلیل حضرت محمد بن منکدر سے کسی نے کہا: آپ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: مؤمن کو خوش کرنا۔ پھر کہا: آپ کونسی چیز چاہتے ہیں: آپ نے جواب دیا: دوستوں پر احسان کرنا۔ (حالہ سابق ۱/۳۳)

مہمان کا رزق اس کے ساتھ آتا ہے

حافظ سلفی کہتے ہیں کہ مجھے احمد بن یوسف بن نام یعمری بیاسی نے وزیر جعفر بن ابراہیم کے مندرجہ ذیل اشعار سنائے

لِمَ لَا أُحبُّ الضّیْفَ أو
أرتاحُ من طَرَبٍ إلیه؟
والضَّیفُ یأ کُل رِزْقَهٗ
عندی ویَشْکُرُنِی علیه

تَرجَمَہ: ''میں مہمان کو کیوں پسند نہ کروں اور اس سے خوشی محسوس نہ کروں کہ مہمان میرے پاس آ کر اپنا رزق کھاتا ہے اور اس پر میرا شکر بھی ادا کرتا ہے۔'' (از ''اخبار و تراجم اندلسی ماخوذ معجم السفر'' سلفی صفحہ ۱۵۶)

[2] یا دیکھو تو اس کو حقیر نہ جانو کیونکہ بسا اوقات گناہ کو دیکھنا (بغیر اس میں مبتلا ہونے کے) بھی اس کے کرنے جیسا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے دل سے نیکی و بدی کی تمیز اور اس کے انکار کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے کہ جب گناہوں کا ورود قلب و نظر پر (سامنے آنا) بڑھ جائے تو اس کے گناہ ہونے کا وبال و اس کی بڑائی آہستہ آہستہ نکل جاتی ہے حتی کہ انسان کے دل پر بھی یہ بات نہیں کھٹکتی کہ یہ گناہ اور معصیت ہے۔ نہ

دل میں آنے والے خیالات کو سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مختلف سزائیں مقرر ہیں اپنے علم سے بتکلف مزین ہونے سے اسی طرح بچو جس طرح کہ تم اپنے عمل پر اترانے سے بچتے ہو، تم ایسے روحانی امر کا اعتقاد مت رکھو ظاہری علم جس کے مناقض و مخالف ہو۔

لوگوں کی نافرمانی کر کے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور حق تعالیٰ کی ناراضگی میں لوگوں کی اطاعت مت کرو، اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی کسی قسم کی محنت و کوشش بچا کر نہ رکھو۔ اپنے نفس کے کسی بھی عمل پر جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، راضی مت ہو جاؤ (کہ اسی پر قناعت کر لو) نماز میں ان کے سامنے منجملہ (جسم و جان) سے کھڑے رہو۔[1]

ہی اس کے نافرمانی ہونے کا خیال دل سے گزرتا ہے، کیونکہ دل اس سے مانوس ہو چکا ہوتا ہے۔ (از "فیض القدیر" امام مناوی ۲/۳۹۹)

[1] نماز کا حکم لفظ "اقیموا" سے کیوں دیا گیا؟

امام محاسبی کے اس قول کا مطلب ہے کہ نماز میں اپنی تمام جان و جسم اور مجموعہ سے کھڑے رہو کہ جس میں دل و دماغ اپنی صحیح ہیئت و آداب کے ساتھ موجود ہوں، اللہ تعالیٰ کے اپنی کتاب مبارک میں لفظ "اقیموا الصلاۃ" کے بار بار لانے کا یہی مقصد ہے، جب کہ یہ حکم ایک بار بھی لفظ "صلوا" سے نہیں دیا گیا۔

"اقامۃ الصلاۃ" نماز کی ظاہری و باطنی طور پر تمام ارکان و شروط کے ساتھ ادائیگی، ایسی اقامت صلاۃ کے بہت سے ثمرات، امت اور اس کے افراد کی نیک بختی وغیرہ کے سامنے آتے ہیں۔

اس کے ثمرات کے حصول کی شرط یہ ہے کہ اس کے ظاہری و باطنی صوری و معنوی حق کو ادا کیا جائے، اس کا ظاہری حق بدنی اطمینان، رکوع اور سجدہ میں خشوع و خضوع، اور نمازی جو کچھ پڑھ رہا ہے یا کہ جو دعائیں وغیرہ امام سے سن رہا ہے ان

میں غور وفکر اور ان کو سمجھنا ہے، اور اس نماز کا باطنی حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کا شعور رکھنا، اور اس بات کا شعور کہ انسان نماز میں اس کے سامنے کھڑا ہے اس طرح سے کہ کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی خیال کو پھیرنے والی اس سے خیالات کو نہ ہٹا سکے۔

یہی اقامت صلاۃ وہ پہلی چیز ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کو طلب فرمایا چنانچہ آپ نے عرض کیا:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي﴾

''اے میرے رب مجھے کیجئے کہ قائم رکھوں نماز کو اور میری اولاد میں سے بھی۔''

اس کے اسی مرتبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو اس کا حکم دیں، اور اس کی مشقت پر صبر کریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (آیت نمبر ۱۳۲)

''اور اپنے گھر والوں کو حکم کیجئے نماز کا اور خود بھی اس پر قائم رہیئے، ہم آپ سے روزی نہیں مانگتے ہم روزی دیتے ہیں آپ کو، اور اچھا انجام پرہیز گاری کا ہے۔''

اس کا ثمرہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے مطلوبہ طریقہ پر اس کو ادا کیا جائے تو یہ نمازی کو ہر قسم کی بے حیائی سے روکتی اور ہر گناہ سے دور کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

''نماز قائم کیجئے کہ نماز بے حیائی کے کاموں اور گناہوں سے روکتی ہے۔''

اس کا فائدہ ہے کہ مؤمن اس کی وجہ سے تکالیف کے جھیلنے، اور اطمینان قلبی کے

ساتھ پختہ عزم سے ان کے برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ۝﴾

"اے ایمان والو صبر اور نماز سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔"

اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ نمازی کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کے انبیاء کے سوا ایسا کون ہے کہ جس کی خطائیں اور گناہ نہ ہوں تو ہم میں سے ہر ایک ایسی عبادت کا محتاج ہے کہ جو اس کو گناہوں سے پاک کردے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِيْنَ﴾

"اور نماز قائم کرو دن کے دونوں طرف اور رات کے کچھ حصوں میں، البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو، یہ یادرکھنے والوں کے لئے یاد ہے۔"

اس کا یہ نفع بھی ہے کہ یہ نمازی اور اس کی پریشانی اور بخل کے درمیان زبردست رکاوٹ بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ ۝﴾

"بے شک آدمی دل کا کچا پیدا کیا گیا ہے، جب برائی کو پہنچے تو گھبرا جائے، اور جب اس کو بھلائی پہنچے تو دینے سے رک جائے، مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر قائم ہیں۔"

امام محاسبی نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جو زکاۃ فرض کی ہے اسے خوشی اور شوق سے ادا کرو، اپنے روزہ کو جھوٹ اور غیبت سے محفوظ رکھو۔ پڑوسی، غریب، اور عزیز کے حق کا خیال رکھو۔[۱]

اس کے بعد بھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن ان کی نماز کے کچھ اثرات مرتب نہیں ہوتے تو ہمیں یقین ہو جانا چاہئے کہ ان لوگوں کی نماز اس طرح کی نہیں ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے بلکہ اس کی نماز ان لوگوں کے مشابہ ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾

"اور جب کھڑے ہوں نماز میں تو کھڑے ہوں سستی سے لوگوں کے دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس کے شر سے محفوظ رکھیں۔

اچھا پڑوسی ہونا مسلمان کی صفت ہے[۱]

آپ کو اس بات میں خوشی سے کوشش کرنی چاہئے کہ اچھے، نیک اور پسندیدہ پڑوسی بن جائیں جس کے بارے میں شاعر کہتا ہے ؎

إِنِّي لَأَحْسُدُ جَارَكُمْ لِجِوَارِكُمْ
طُوْبٰى لِمَنْ أَمْسٰى لِدَارِكَ جَارًا
يَا لَيْتَ جَارَكَ بَاعَنِيْ مِنْ دَارِهِ
شِبْرًا فَأُعْطِيْهِ بِشِبْرٍ دَارًا

ترجمہ: "میں تمہارے پڑوسی سے، تمہارے پڑوس میں ہونے کی بناء پر حسد کرتا ہوں، اس کے لئے خوشخبری ہے جو تمہارے گھر کے پڑوس میں

اپنے گھر والوں کو ادب سکھلاؤ، اپنے مملوک غلاموں سے نرمی سے پیش آؤ، اور

ہے کاش کہ تمہارا پڑوسی اپنے گھر کی ایک بالشت ہی بیچ دے کہ میں اس کو اس بالشت بھر کے بدلے پورا گھر دے دیتا۔"

تین عجیب واقعات کہ جن میں اچھے پڑوس کی وجہ سے قیمت میں اضافہ ہو گیا۔ ان میں سے پہلے دو واقعات ابوبکر خوارزمی نے اپنی کتاب "المکارم والمفاخر" صفحہ ۲۳ پر بیان کئے ہیں، کہتے ہیں:

① عبداللہ بن طاہر کے پڑوس میں بڑھیا

عہد عباسی کے امیر خراسان عبداللہ طاہر متوفی ۲۳۰ھ کے پڑوس میں ایک بڑھیا تھی جس کی چار بیٹیاں تھیں، اس کو کہا گیا کہ تم بڑھیا محتاج ہو اگر تم اپنا گھر بیچ دو تو اس سے تم پر اور تمہاری بچیوں پر وسعت ہو جائے گی، اس نے کہا ٹھیک ہے لیکن میں عبداللہ بن طاہر کے پڑوس کو (محض) دنانیر کے عوض نہیں بیچ سکتی، یہ بات عبداللہ بن طاہر تک پہنچی اس نے نکاح کروانے والی عورت کو بلوایا اور کہا کہ میری چار بیٹیاں ہیں ان کے لئے شریف شوہر تلاش کرو، تو طاہر نے ان میں سے ہر ایک لڑکی کو اپنے خزانہ خاص سے ایک ایک لاکھ کا جہیز دیا۔

② عبداللہ بن المبارک کے پڑوس میں یہودی

حضرت عبداللہ بن المبارک کے پڑوس میں ایک یہودی تھا اس نے گھر فروخت کرنا چاہا، گھر کی قیمت دو ہزار لگائی، لوگوں نے کہا کہ یہ گھر تو صرف ایک ہزار کا ہے۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے ایک ہزار گھر کی قیمت اور ایک ہزار گھر کے پڑوس عبداللہ بن المبارک کی قیمت ہے، یہ بات حضرت عبداللہ بن المبارک کو معلوم ہوئی تو آپ نے اس کو بلوایا اس کو منہ مانگی قیمت عنایت کی اور فرمایا کہ مکان مت بیچو۔

③ ابوجہم کے پڑوس میں سعید بن العاص

جلیل القدر تابعی حضرت ابوجہم سلیمان بن الجہم انصاری کوفی نے اپنا گھر ایک لاکھ میں فروخت کیا پھر کہنے لگے، کہ سعید بن العاص کے پڑوس کی کتنی قیمت دو گے، خریدنے والوں نے کہا کہ کیا پڑوس کی بھی قیمت ہوتی ہے، ابوجہم نے کہا! اپنا مال لے لو اور میرا گھر واپس کردو۔ خدا کی قسم میں اس انسان کے پڑوس کو نہیں چھوڑ سکتا کہ اگر میں گھر میں بیٹھا رہوں تو میرے بارے میں سوال کرے، اگر مجھے دیکھے تو مرحبا کہے، اگر میں غیر حاضر رہوں تو میرے گھر کی حفاظت کرے، اگر میں اس کے پاس جاؤں تو مجھے قرب بخشے، مانگوں تو میری ضرورت پوری کرے، اگر نہ مانگوں تو خود سے مجھے عطا کرے، اگر مجھ پر کوئی مصیبت آپڑے تو اس کو دور کرے، جب یہ بات سعید بن العاص تک پہنچی تو انہوں نے اس کو ایک لاکھ بھیج دیئے۔

تمہیں ایسا پڑوسی بننے سے بچنا چاہئے کہ جس سے لوگ بھاگیں، اس کے پڑوس کو سستے داموں بیچ دیا جائے، جیسا کہ بعض برے پڑوسی سے تنگ آنے والے لوگوں نے کہا ؎

یَلُومُونَنِي أَنْ بِعتُ بالرُّخصِ مَنْزِلِي
ولَمْ یَعْلموْا جارًا هناكَ ینغِّصُ
فقلت لهم! كُفُّو المَلَامَ فإِنّها
بِجِيْرَانِهَا تَغلو الديّارُ وتَرْخُصُ

لوگ مجھے ملامت کر رہے ہیں کہ میں نے اپنا گھر سستے داموں فروخت کر دیا، لیکن کیا انہیں معلوم نہیں کہ یہاں کچھ لوگ پڑوسی ہیں کہ جو قیمت گرانے والے ہیں، میں نے اس سے کہا کہ تم ملامت سے باز رہو کہ پڑوس کی وجہ سے گھروں کی قیمتیں

اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق انصاف قائم رکھنے والے بنو۔ جب تم کسی امرِ خیر کو انجام دینے لگو تو جلدی کرو، جو کام مشتبہ ہو جاؤ اس کو چھوڑ دو۔[1] گناہگاروں سے رحمت والا معاملہ رکھو، ایمان والوں کی خیر خواہی کا پہلو ہاتھ سے نہ جانے دو، جہاں کہیں بھی رہو حق بات کہو، سچا ہونے کے باوجود قسمیں زیادہ نہ کھاؤ۔[2]

گرتی چڑھتی ہیں۔

جلیل القدر تابعی ابوالاسود دولی کے حالات میں ہے کہ بصرہ میں ان کا گھر تھا اور وہاں ان کا ایک پڑوسی تھا جس سے آپ ہر وقت بہت تکلیف اٹھاتے، آپ نے گھر بیچ دیا لوگوں نے کہا کیا آپ نے گھر بیچ دیا ہے؟ آپ نے فرمایا "گھر نہیں پڑوس بیچ دیا ہے" تب سے یہ مثل مشہور ہوگئی۔ ("الوفیات" لابن خلکان ۱/۲۴۱)

میدانی کہتے ہیں: مثل مشہور ہے "بعت جاري، ولم أبع داري" یعنی میں مکان بیچنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن برے پڑوسی کی وجہ سے بیچ دیا۔ ("مجمع الامثال صفحہ ۶۸)

ؔ۱ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب دین کے معاملہ میں دو قسم کے کام پیش آجاتے تو آپ ان میں سے زیادہ پختگی (شرعی اعتبار سے جواز کے قریب) والے کو اختیار کرتے، روایت ہے کہ انہوں نے تجارت کے لئے گندم خریدی جس کی قیمت چالیس ہزار درہم تھی، تو اس کے بارے میں آپ کو کچھ ایسی خبر ملی جس کو آپ نے ناپسند کیا چنانچہ آپ نے اس کو چھوڑ دیا یا یہ کہ اس ساری کو صدقہ کر دیا۔ ان کے شاگرد ہشام بن حسان کہتے ہیں: محمد بن سیرین نے اتنی بات کی وجہ سے چالیس ہزار چھوڑ دیئے جس کو آج کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ (تاریخ الاسلام ذہبی ۴/۱۹۴)

امام محاسبی کے حالات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ انہوں نے ستر ہزار درہم وراثت کے اس لئے چھوڑ دیئے کہ ان کو اپنے والد کے اعتقاد کے بارے میں شبہ تھا۔

ؔ۲ یہ بات مشہور ہے کہ جھوٹا ہونے کی علامت یہ ہے کہ بغیر مطالبہ قسم، قسم کھالے، بلکہ اگر تم سے ہو سکے کہ قسم نہ کھاؤ تو اس سے رک جاؤ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ

امام محاسبی نے فرمایا:

حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑے سے بچو۔ اگر چہ تمہیں وصف بلاغت حاصل ہو تب بھی بات میں توسع سے بچو، دین میں تکلف سے دور رہو اگر چہ تمہیں اس کا علم بھی ہو، ہر بات کہنے سے پہلے اس کا علم حاصل کرلو۔[۱]

عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الحَلْفُ حِنْثٌ أَوْ نَدَمٌ" قسم یا تو ٹوٹ جاتی ہے یا ندامت کا سامان ہے۔

(سنن ابن ماجہ ۱/۶۸۰، تاریخ البخاری، مستدرک حاکم ۴/۳۰۳)

کیونکہ قسم کھانے والا یا تو اپنی قسم کی مخالفت کر کے اس کو توڑ دے گا اور قسم کے جھوٹا ہونے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، اور یا پھر اپنے آپ کو اس کام سے روک کر شرمندہ ہوگا، اور یا یہ ہے کہ وہ کام اس کے لئے مناسب نہ ہوگا لیکن قسم کی وجہ سے کرے گا۔ پھر یہ کہنا "اللہ کی قسم میں نہیں کروں گا" یا "میں نے نہیں کیا" اس میں اللہ پر قسم ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کرے گا اس کو توڑ کر، اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرے گا، مسلمان کو چاہئے کہ جتنا ہو سکے قسم سے بچے اگر سہواً ہو جائے تو فوراً انشاء اللہ کہہ کر استثناء کر لے، اس سے اس کے دین وقسم کی حفاظت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہیں ہدایت دے دیں۔

[۱] یعنی مناسب یہ ہے کہ جو تم کہہ رہے ہو یا جس پر عمل کر رہے ہو اس کے ہونے سے پہلے اس کا حکم معلوم کرلو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "خوب جان لو کہ عمل علم کے تابع ہے، جس طرح کہ اعضاء نظر کے تابع ہیں، علم تھوڑے عمل کے ساتھ زیادہ سود مند ہے اس زیادہ عمل سے جو جہالت کے ساتھ ہو، اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ جیسے کسی کے پاس تھوڑا سا زاد راہ ہو اور جنگل کے راستہ کا بھی علم ہو تو یہ زیادہ نجات پا جانے کا سبب ہے اس سے کہ زاد راہ تو بہت ہو لیکن جنگل کے راستوں کا علم نہ ہو (کہ اس صورت میں ہلاکت کا اندیشہ قوی ہے) اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾

"کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔" (از "کتاب العالم والمتعلم" ابومقاتل سمرقندی صفحہ ۹)

بندے کے عمل کی نیک بختی کے لئے تین امور کا اجتماع اصول میں سے ہے، اور یہی ہر عمل کا دستور ہے

شیخ ابن القیم اللہ تعالیٰ کے قول: "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝" کی تفسیر میں اس بات کو بیان کرتے ہوئے کہ فعل مشروع کی کامیابی کی تین شرطیں ہیں، کہتے ہیں،

۱ انسان جب کسی کام کا عزم کرلے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ جان لے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کہ نہیں اگر وہ اطاعت نہ ہو تو اس کو نہ کرے، ہاں اگر وہ ایسا مباح کام ہے کہ جس سے اطاعت میں مدد ہو تو اس صورت میں یہ کام بھی اطاعت بن جائے گا۔

۲ جب اس کام کا طاعت ہونا معلوم ہو گیا تو اب اس کی تحقیق کرلے کہ اس کام (مباح) سے واقعۃً مدد لی جاسکتی ہے یا کہ نہیں اگر اس سے مدد نہیں لی جاسکتی تو اس کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو رسوا نہ کرے۔ اور اگر واقعۃً اس سے مدد لی جاسکتی ہے تو ابھی ایک اور تحقیق رہتی ہے۔

۳ وہ یہ کہ اس (مباح) کو اس کے طریقہ کے مطابق کرے، اگر اس کو اس کے طریقہ سے ہٹ کر کرے گا تو اس کو ضائع کردے گا، یا اس میں کمی کرے گا، یا اس میں فساد کو داخل کر بیٹھے گا (ایسی صورت میں اس کے بدعت بننے کا احتمال ہے جس کا

ضیاع وفساد ظاہر ہے) یہ تین کام اطاعت، اعانت، ہدایت۔ (اطاعت ہونا، مددگار ہونا، کام کو اس کے طریقہ کے مطابق کرنا) بندے کی سعادت و کامیابی کے لئے اصول ہیں۔ بندہ اپنے رب تعالیٰ سے جو کہتا ہے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" کے یہی معنی ہیں مخلوق میں سب سے بڑھ کر نیک بخت یہی اہل عبادت (طاعت) استعانت (اعانت) اور (مقصود کی طرف) ہدایت (پانے والے) ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر بد بخت وہ ہیں جن کے ہاں یہ تینوں امور نہ ہوں۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو "ایاك نعبد" سے کچھ حصہ ملتا ہے، لیکن "ایاك نستعین" سے محروم رہتے ہیں یا بہت کمزور حصہ پاتے ہیں یہ لوگ ذلیل و غمگین ہوں گے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا حصہ "ایاك نستعین" سے بہت قوی ہوتا ہے (یعنی ان کے پاس وسائل مال و دولت وغیرہ خوب ہوتے ہیں) لیکن "ایاك نعبد" سے ان کا بالکل حصہ نہیں ہوتا (کہ وہ لوگ عبادت سے محروم رہتے ہیں) ایسے لوگوں کا (دنیا میں) اثر ونفوذ وتسلط ہوتا ہے لیکن ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا بلکہ بہت برا ہوتا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ "ایاك نعبد وایاك نستعین" عبادت و استعانت دونوں سے ان کا حصہ ہوتا ہے۔ لیکن عبادت کے صحیح طریقہ (ہدایت الی المقصود) سے ان کا حصہ بہت کمزور ہوتا ہے (اکثر بدعات کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں یا پھر عبادت کو بدعت بنا لیتے ہیں) اکثر عابدوں اور زاہدوں۔ جن کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجی گئی شریعت وہدایت کے بارے میں بہت کم ہے۔ کا یہی حال ہے۔

شیخ عبدالفتاح (ابوغدہ) کہتے ہیں: اللہ کی قسم یہ بڑا عظیم دستور ہے جس پر چراغ نبوت کے انوار نظر آرہے ہیں ہر نیک عمل کرنے والا اپنی اصلاح کے لئے اور امت کی اصلاح کے لئے اس کا محتاج ہے۔ ان کے الفاظ اور معنی دونوں یاد کرلو یہ اللہ کے حکم سے بہت بڑا نفع دے گا۔ (اعلام الموقعین ۲/۱۶۰)

فقیہ بہلول قیروانی کا بدعت کا کام کرنے سے خوف

علم کو عمل پر مقدم کرنے کی بہترین مثال وہ ہے جسے قاضی عیاض نے امام بہلول بن راشد قیروانی مالکی، شاگرد امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی سنہ ۱۸۳ھ کے حالات میں بیان کی ہے جو بڑے عابد وزاہد اور متقی تھے۔ کہتے ہیں: بہلول ایک دن گھر سے شاگردوں کے پاس اس حال میں آئے اپنی چھنگلیا کو دھاگے سے لپیٹے ہوئے تھے (گھر والوں نے کوئی کام کہا تھا انہوں نے اپنی انگلی کو باندھ لیا کہ یہ کام یاد رہے) کہتے ہیں: مجھے خوف ہوا کہ کہیں میں نے بدعت کا ارتکاب نہ کرلیا ہو، اس لئے انہوں نے اس بندھی ہوئی چھنگلیا کو اپنی مٹھی میں چھپالیا کہ مبادا کوئی دیکھ کر میری اقتداء نہ کر لے، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو خفیہ طور سے ابن فروخ کے پاس بھیجا کہ ان سے اس بارے میں حکم معلوم کرلے۔ شاگرد نے آکر بتلایا کہ ”ابن عمر بھی ایسا کرلیا کرتے تھے“ اس وقت آپ نے اپنی انگلی کو باہر نکالا اور کہا: الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام میں بدعت ایجاد کرنے والا نہیں بنایا۔

دیکھئے اس جلیل القدر امام نے کس طرح اپنے ہاتھ پر بندے ہوئے دھاگہ کو چھپایا، جب تک آپ کو اس کا شرعی حکم نہیں معلوم ہوگیا، اور ڈرتے رہے کہ میں بدعت میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اور شریعت کی مخالفت کا ارتکاب نہ کرلوں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(از ”ترتیب المدارک“ ۳/۸۹)

کوشش کے ساتھ خوف کو لازم کر لو (کہ ممکن ہے عمل قبول نہ ہو) لوگوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ رکھو کہ جس سے تمہارا دین محفوظ رہے۔ اور مداہنت سے بالکل بچو۔[۱]

---

۱ مداراۃ اور مداہنت میں فرق

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے: مداراۃ اور مداہنت میں فرق یہ ہے کہ لوگوں کے لئے اپنے پہلو کو نرم کر دینا۔ جاہل کو تعلیم میں مہربانی سے کام لینا، فاسق کو اس کے کام سے روکنے میں آسانی برتنا، اور سختی سے پیش نہ آنا اس طور پر کہ وہ اپنے اندر کے خبث کو ظاہر نہ کر سکے، اور اس پر قول وفعل سے نرمی کے ساتھ نکیر کرنا خصوصاً جب وہ تالیف قلب (دلی میلان) کا محتاج ہو، یہ مؤمنین کے اخلاق (حسنہ) میں سے ہے جو ان کے لئے مستحب ہے۔

اور مداہنت یہ دھان سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں ظاہر کا باطن کو چھپا لینا، اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کے ساتھ اختلاط و معاشرت رکھنا اور اس کے افعال پر نکیر کئے بغیر اپنی (رضا مندی) کو ظاہر کرنا، یہ حرام اور منہی عنہ (یعنی شریعت میں اس کی ممانعت) ہے۔ ابن حجر کا کلام تمام ہوا۔ (از فتح الباری ۱۰/ ۴۲۸)

بعض نے مداراۃ اور مداہنت میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ اول الذکر کہتے ہیں دنیا کو دنیا یا دین یا دونوں کے اصلاح کے لئے خرچ کرنا، اور آخر الذکر کہتے ہیں کہ دین کو دنیا کے لئے چھوڑ دینا۔

امام ابن القیم دونوں میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مداراۃ کا معنی ہے کسی انسان کے ساتھ نرمی برتنا اس سے حق کی طرف نکالنے کے لئے، یا باطل سے اس کو روکنے کے لئے، اور مداہنت کا مطلب ہے کہ نرمی کرنا اس کو باطل پر برقرار رکھنے کے لئے اور اپنی خواہشات پر چلنے کے لئے، مداراۃ اہل ایمان کا خاصہ ہے اور مداہنت اہل

لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ، اور جس بات کا تمہیں علم نہیں اس میں "اللہ اعلم" (اللہ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں) کہنے میں شرم محسوس نہ کرو۔[1]

نفاق کا طرز عمل ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک انسان کو پھوڑا ہو، اس کے پاس ایک مہربان ڈاکٹر آیا جس نے اس کی حالت کو پہچان لیا، وہ اس سے نرمی برتتا رہا حتی کہ جب وہ پختہ ہو گیا تو اس کو آسانی اور سہولت سے نشتر لگایا اور اس کے اندر کے گندے مادے کو نکال دیا پھر اس نے دوا لگا دی کہ جس نے اس کے فساد زدہ مادہ کو ختم کر دیا پھر اس پر مرہم لیپ کر دی کہ جو گوشت بھر دے، پھر ایسی دوا چھڑکی کہ جو گندی رطوبت کو صاف کر دے اس کے بعد اس پر پٹی باندھ دی۔ پھر وہ مسلسل اسی طرح کا عمل کرتا رہا یہاں تک کہ وہ تندرست ہو گیا۔ یہ مداراۃ کرنے والا انسان ہے۔

اور مداہن کی مثال اس انسان کی ہے کہ اس کو کہے، اس زخم میں کوئی حرج نہیں، اس سے کچھ نہیں ہوتا بس ایک کپڑے کے ٹکڑے سے اس کو آنکھوں سے اوجھل کر دو، پھر اس کی پرواہ نہ کرو، اس نے ایسا اس لئے کیا کہ اس کو نشتر لگانے سے تکلیف نہ ہو، تو اس کے اندر گندہ مادہ مسلسل بڑھتا، اور طاقت پکڑتا رہا حتی کہ وہ مادہ بہت بڑھ گیا۔ اور اس کا فساد عظیم ہو گیا۔ (انتہی از کتاب الروح صفحہ ۱۸۵، مختصر الروح صفحہ ۲۳ حافظ بقاعی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک آدمی اپنے گھر سے دین لے کر نکلتا ہے پھر کسی ایسے انسان سے ملتا ہے جس کی اسے حاجت ہوتی ہے وہ اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم ایسے اور ایسے ہو۔ پھر اس سے اپنی ضرورت بھی پوری نہیں کر پاتا، اس حال میں لوٹتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں، تو دین کا کچھ حصہ بھی لے کر نہیں لوٹتا۔ (از امام احمد "العلل و معرفۃ الرجال" ۱/۲۳۸)

[1] اس ادب کے متعلق تبصرہ پہلے عنوان "لا ادری، آدھا علم ہے" کے تحت گزر چکا ہے وہاں مراجعت کر لی جائے۔

اپنی بات ایسے انسان کے سامنے مت کرو جس کو اس سے سروکار نہیں، اپنے دین کو اس آدمی کے سامنے مت رسوا کرو جو اس کو تمہارے لئے ناپسند سمجھتا ہو، ایسی مصیبت سر نہ لو جس کی تمہارے اندر طاقت نہیں، اپنی ذات کو ایسے شخص کے سامنے معزز رکھو جو اس کو رسوا کرنا چاہتا ہو، گھٹیا اخلاق سے اپنے آپ کو بچا کر رکھو، اور صرف امانت دار سے ہی بھائی چارہ رکھو۔

لوگوں کے سامنے اپنے راز کی باتوں کو ظاہر نہ کرو، کسی انسان کے سامنے اس کی حالت سے تجاوز نہ کرو، اور اس کو ایسے علمی انداز سے مخاطب نہ کرو جس کی اس کی عقل میں طاقت نہ ہو۔ ایسے معاملے میں مت کود جاؤ جس کی طرف تمہیں دعوت نہیں دی گئی، علماء کی مجالس کی تعظیم کرو، اور دانش مندوں کی قدر پہچانو۔[1]

---

[1] کیسا بہترین ادب اور کیسی پیاری طلب ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اپنے شیخ ہشیم بن بشیر واسطی کو پانچ سال تک نہ چھوڑا کہتے ہیں: میں نے اپنے شیخ سے ان کے رعب کی وجہ سے سوائے دو مرتبہ کے کوئی سوال نہیں کیا۔

(از "العلل ومعرفة الرجال" امام احمد ۱/۱۴۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مروی ہے آپ نے فرمایا: "**تعلّموا العِلمَ، وتعلَّموا للعلمِ السكينةَ والوَقار، وتَواضَعُوا لِمَنْ تعلَّمون منه**" علم سیکھو، اور علم کے لئے وقار اور اطمینان سیکھو، اور جس (استاذ) سے تم علم حاصل کرتے ہو اس کے سامنے تواضع اختیار کرو۔ از جامع صغیر امام سیوطی۔ اور اس کی شرح مناوی ۳/۲۵۳ بحوالہ روایت طبرانی "اوسط" میں، ابن عبدی کامل میں روایت عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شاگرد کا استاذ سے تواضع سے پیش آنا
چند اسلاف کے نمونے

علامہ مناوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی شرح میں فرماتے ہیں:

"تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ" اس لئے کہ علم بغیر تواضع اور توجہ سے سننے کے حاصل نہیں ہوتا طالب علم کی اپنے استاذ کے سامنے تواضع اس کے لئے بلندی کا سبب ہے۔ اور اس کے سامنے اپنی تذلیل (اس کی) عزت ہے، اور اس کی عاجزی فخر ہے۔

حبر (عالم و امام) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے باوجود جلالت شان، اور قرابت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سواری کی رکاب کو تھام لیا اور فرمایا: "ہمیں حکم ہے کہ اپنے علماء کے ساتھ اسی طرح (ادب سے) پیش آئیں" اس پر حضرت زید بن ثابت نے ان کے ہاتھ کو چوم کر کہا "ہمیں حکم ہے کہ اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح (ادب و محبت سے) پیش آئیں۔

سلیمی کہتے ہیں: حضرت (عبداللہ) بن المسیب سے کسی انسان کو کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی جب تک کہ بادشاہوں کی طرح ان سے اجازت نہ لی جاتی۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں: میں حضرت امام مالک کے سامنے (بالکل) نرمی سے ورق پلٹتا کہ وہ اس کی آواز سننے نہ پائیں۔ امام شافعی کے شاگرد ربیع کہتے ہیں: امام شافعی کے دیکھتے ہوئے مجھے پانی پینے کی جرأت نہ ہوتی۔ انتہی۔

امام ابوحنیفہ کا اپنے استاذ کے ساتھ ادب، اور امام ابو یوسف کا ان کے ساتھ ادب

حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے استاذ حماد کے ادب کی وجہ سے کبھی ان کے گھر کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے جب کہ میرے اور ان کے گھر کے درمیان سات گلیوں کا فاصلہ ہے۔ جب سے حماد فوت ہوئے ہیں اپنے والد کے ساتھ ہر نماز کے بعد ان کے لئے بھی استغفار (دعائے مغفرت) کرتا ہوں، اور میں ہر اس

انسان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں جس سے میں نے پڑھا اور علم حاصل کیا۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابویوسف کہتے ہیں: میں امام ابوحنیفہ کے لئے اپنے والدین سے پہلے دعا مانگتا ہوں، اور میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حماد کے لئے دعا فرماتے تھے۔ (از "مناقب الامام ابی حنیفہ" موفق خوازمی ۲/۷)

امام احمد بن حنبل کا امام شافعی کا ادب کرنا

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: میں تیس سال سے ہر رات میں امام شافعی کے لئے دعاء واستغفار کر رہا ہوں، عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں: میں نے والد سے کہا: شافعی کون ہیں کہ جن کے لئے آپ بہت زیادہ دعاء کرتے ہیں؟ تو فرمانے لگے؟ بیٹا: شافعی دنیا کے لئے سورج اور لوگوں کے لئے امن ہیں، اب دیکھو! ان دونوں سے چھٹکارا ہوسکتا ہے؟ یا ان کے بدلے کوئی دوسری چیز کام آسکتی ہے؟

(تاریخ بغداد، خطیب بغدادی ۲/۶۲)

استاذ کے حق کی بڑائی

امام غزالی فرماتے ہیں: استاذ کا حق والدین سے بڑھ کر ہے کیونکہ والد تو صرف ظاہری وجود اور فانی زندگی کا سبب ہے، اور استاذ بھلائی و آخرت کی طرف راہنمائی کرنے والا اور دائمی زندگی کا سبب ہے، اگر استاذ نہ ہو تو والد کے سبب سے حاصل ہونے والا وجود ہمیشہ کی ہلاکت میں گر جائے، تو استاذ ہی دائمی اور اخروی زندگی کا ضامن ہے۔ (از الاحیاء ۱/ ۵۵، بیان وظائف المرشد العلم)

شیخ عبدالفتاح فرماتے ہیں: علم سکھانے والا والد (استاذ) ولادت والے والد (باپ) سے بہت بہتر ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِمَشَایِخِنَا وَلِمَنْ عَلَّمَنَا وارْحَمْھُمْ، وَأَكْرِمْھُمْ

احسان کا بدلہ دینا (کسی صورت میں) نہ چھوڑو[1] اگر تمہیں استطاعت نہ ہو تو

بِرِضْوَانِكَ الْعَظِيْمِ، فِي مَقْعَدِ الصِّدْقِ عِنْدَكَ، وَاجْمَعْنَا مَعَهُمْ فِي مستقر رحمتك يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، وَاغْفِرْ لِمَنْ دَعٰى لِمُؤلفِهٖ رَاجِي الدُّعَاءِ بِالرَّحْمَةِ وَالْمَغْفِرَةِ وَارْحَمْهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ.

[1] احسان کا بدلہ دینا

"صَنائع" صنیعۃ کی جمع ہے، احسان، نعمت جو آپ کو دوسرے کی طرف سے ملے، اس پر اچھے بدلہ کو نہیں چھوڑنا چاہئے اور احسان کا بدلہ احسان ہے۔ ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْهُ فَادْعُوْا لَهٗ، حَتّٰى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ﴾

"جو تمہارے ساتھ احسان کا معاملہ کرے تم اس کا بدل اس کو دو، اگر تمہیں اس کا بدل نہیں ملتا تو اس کے لئے دعا کرتے رہو یہاں تک کہ تمہارے خیال میں اس کا بدل ادا ہو جائے۔"

یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نسائی، ابوداؤد نے روایت کی ہے الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ (کتاب الزکاۃ "باب عطیۃ من سأل باللہ")

احسان کے بدلے میں یہ بھی ہے کہ جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے یا کوئی فائدہ اٹھایا ہے تو اس کے لئے دعا کرتے رہو جیسا کہ قریب ہی حضرت امام ابوحنیفہ کا حماد کے لئے اور امام ابو یوسف کا امام ابوحنیفہ کے لئے، اور امام احمد کا امام شافعی کے لئے دعاء کرنے کا بیان گزر چکا ہے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے: شریف انسان وہ ہے کہ جو ایک لحہ کی محبت کا خیال رکھے، اور جس سے اس نے ایک کلمے کا بھی استفادہ کیا ہے اس کو اسی کی طرف منسوب کرے۔ (از "شرح الباجوری علی السوسیۃ")

دعاء کے ذریعہ سے دو۔ جاہلوں سے اعراض کرو، بے وقوفوں سے بردباری سے پیش آؤ، ان لوگوں کے کاموں میں شریک رہو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اپنے مظلوم بھائی کی مدد کرو، اور ظالم کو حق کی طرف پھیر دو، اس کا حق اس کو دے دو، اپنے حق کا اس سے مطالبہ نہ کرو، قرض دار پر نرمی کرو، بیواؤں اور یتیموں سے نرمی کا معاملہ کرو، محتاجوں میں سے صبر کرنے والوں کا اکرام کرو، اور مالداروں میں سے مصیبت زدوں پر رحم کرو، کسی کی نعمت پر حسد نہ کرو، اور کسی کو غیبت سے یاد نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کے ڈر سے اپنے لئے کسی پر سوء ظن (بدگمانی) کا دروازہ بند کرلو[1] اور لوگوں کے کاموں میں اچھی جہت تلاش کر کے حسن ظن کے باب کو اپنے لئے کشادہ کرلو، ناامیدی سے لالچ کے دروازے کو مقفل کردو، اور تھوڑی پر صبر کر کے بے نیازی کے دروازے کو کھول دو۔[2]

---

۱ یعنی اس بات سے ڈر کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس سوء ظن (بدگمانی) کے بارے میں سوال کریں گے اس لئے انسان اس سے بچے۔

۲ جی ہاں قناعت (تھوڑے پر صبر) مالداری، نہ ختم ہونے والا خزانہ، غیر فانی عزت، نہ بوسیدہ ہونے والی شرافت اور ہمیشہ کے لئے دلی اطمینان ہے۔ لالچ و حرص، دائمی مرض ہمیشہ کا غم ہے جو دل کو بے چین، اور رات دن انسان کو غمگین رکھتا ہے موت تک ساتھ نہیں چھوڑتا، بہت سی احادیث شریفہ قناعت پر ابھارتی اور اس کے اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت ابودرداء وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى﴾

ترجمہ: ”کم اور کفایت کرنے والا مال زیادہ غافل کردینے والے مال سے بہتر ہے۔“ (مسند احمد ۵/ ۱۹۷)

بعض کا قول ہے: دنیا سے جتنا چاہو لے لو، لیکن غم اسے کئی گنا زیادہ اٹھانا پڑے

گا اسی لئے لوگ دلوں کی راحت اور دین کی حفاظت کے لئے قناعت سے زینت حاصل کرتے ہیں۔

امام حافظ، متقن، ادیب، شاعر ابوالحسن علی بن احمد نعیمی بصری، شافعی متوفی ۴۲۳ھ نے اپنے اشعار میں فخر وعظمت کے ساتھ بالکل خوب کہا ہے

إذا أظمأ تك أكُفُّ اللّئامِ　　كفَتْك القناعةُ شِبْعًا وريًّا

فكُن رَجُلا رِجْلُه في الثَّرى　　وهامَّةُ هِمَّتِهِ في الثُّرَيَّا

أبيًّا لنائلِ ذي ثروةٍ　　تراه بما في يديه أبيًّا

فإنّ إراقَةَ ماءِ الحيا　　ة دُون إراقة ماءِ المُحَيَّا

جب کمینے لوگوں کی ہتھیلیاں تمہیں مایوس کر دیں تو قناعت تمہاری سیرابی کے لئے کافی ہے۔ ایسے انسان بن جاؤ کہ اس کے پاؤں تو تحت الثری (مٹی کے نیچے) ہوں اور ہمت کی کھوپڑی ثریا پر (ستاروں کے ہمدوش) ہو، مالدار کا انعام لینے سے انکار کر دو۔ اس کے مال کو نفرت وحقارت سے دیکھو۔ اس لئے کہ زندگی کا پانی (پسینہ محنت سے) بہانا چاہئے نہ چہرے کا پانی (آنسو)۔

۱۰ اللہ تعالیٰ کی طرف اشیاء کی نسبت کرنے میں ادب کا التزام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا کے شروع میں فرماتے:

"لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ" (رواه ابوداود، باب ما يستفتح به الصلوٰة)

ترجمہ: "میں آپ کی اطاعت کے لئے ہمیشہ حاضر ہوں، اور آپ کے اتباع کی بار بار سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں بھلائی ساری کی ساری

اپنے اوقات کو کام میں لاؤ، اور اس کام کی خبر رکھو جس کے لئے تمہارے دن اور رات گزر رہے ہیں۔[۱]

آپ ہی کی طرف سے ہے اور برائی آپ تک نہیں پہنچتی۔"

ابن الاثیر "النہایۃ" میں آپ علیہ السلام کے قول "والشرُّ لَیْسَ إِلَیْكَ" کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: شر کی وجہ سے آپ کا قرب ورضامندی حاصل نہیں ہوسکتی، یا یہ کہ شر آپ تک نہیں پہنچتا (قبول نہیں ہوتا) آپ تک تو صرف اچھے افعال و اقوال پہنچتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کا ادب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات کی طرف اچھی اشیاء کی نسبت کی جائے بری اشیاء کی نسبت نہ کی جائے۔ اس کلام کو شر پر قدرت وعدم قدرت کے اثبات کا تعلق نہیں ہے۔ یہی ادب دعا میں مستحب ہے مثلاً اے آسمانوں اور زمینوں کے مالک تو کہتے ہیں لیکن "یا رب الکلاب والخنازیر" نہیں کہہ سکتے۔ جب کہ آپ سبحان وتعالیٰ ہر چیز کے رب ہیں۔

[۱] علماء کا اوقات کے لمحات کی حفاظت کرنا، انہی میں خطیب بغدادی بھی ہیں

یعنی اپنے اوقات کو کام میں لاؤ اور بغیر افادہ واستفادہ کے فارغ ضائع نہ کرو، خصوصاً جب کہ تمہارا تعلق طالب علم برادری سے ہے، یہی وقت تمہارا اصل سرمایہ ہے۔ مورخ ومحدث بغداد خطیب بغدادی چلتے ہوئے اپنے ہاتھ میں کتاب رکھتے اور وقت بچاتے ہوئے چلنے کے دوران مطالعہ کرتے۔ جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۳/۱۱۴۱)

ابوالوفاء بن عقیل حنبلی کا بیان جو ایک عجوبہ تھے

امام شیخ ابوالوفاء ابن عقیل (علی بن عقیل) حنبلی (۴۳۱ھ، ۵۱۳ھ) اسلام کے

سر برآوردہ علماء، دنیا کے فضلاء اور نسل بنی آدم کے سمجھ دار لوگوں میں سے ایک تھے، کہتے ہیں: میں اپنے لئے عمر کی ایک گھڑی ضائع کرنا جائز نہیں سمجھتا، جب میری زبان مذاکرہ ومناظرہ سے اور میری آنکھ مطالعہ سے فارغ ہوتی ہے تو میں پڑے پڑے راحت کی حالت میں اپنی فکر سے کام لیتا ہوں، اور اٹھتے ہی میرے دل میں وہ بات آجاتی ہے جسے میں لکھتا ہوں، میں اس وقت جب کہ اسّی (۸۰) سال کی عمر میں ہوں علم کا اسے زیادہ شوق و رغبت پاتا ہوں جس وقت کہ میں بیس سال کی عمر کا تھا، میں اپنی انتہائی محنت صرف کر کے اپنے کھانے کے اوقات کو کم کرتا ہوں، کہ میں (روٹی کے) سفوف کو پانی سے نگل لیتا ہوں (روٹی نہیں کھاتا) کیونکہ دونوں میں چبانے اور نہ چبانے کا فرق ہے، کہ اس طرح مطالعہ کے لئے، یا کوئی فائدہ کی بات لکھنے کے لئے وقت بچ جاتا ہے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقل مند لوگوں کے ہاں حصول علم کے لئے سب سے بڑا سبب وقت ہے، یہ ایک غنیمت ہے جس میں کام کرنے کے مواقع ملتے ہیں البتہ مشکلات زیادہ ہیں۔

شیخ ابن الجوزی کہتے ہیں: امام ابن عقیل ہمیشہ علم میں مشغول رہتے ان کی طبیعت (علم سے) مہکنے اور نکات و دقیق باتوں سے بحث کرنے والی تھی ان کی کتاب ''الفنون'' دل میں آنے والی (علمی) باتوں اور واقعات سے متعلق ہے۔

حافظ ابن رجب کہتے ہیں: امام ابن عقیل کی مختلف علوم (وفنون) میں بیس کے قریب تصانیف ہیں ان کی سب سے بڑی تصنیف کتاب ''الفنون'' ہے یہ بہت بڑی کتاب ہے جس میں وعظ و نصیحت، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، اصول دین، نحو، لغت، شعر، تاریخ، حکایات سے متعلق بڑے فائدہ کی باتیں ہیں، اور اس میں آپ کے وہ مناظرے، اور مجالس ہیں جو آپ سے متعلق ہیں اور آپ کے طبع زاد نکات، نتائج فکر (فکر سے حاصل ہونے والے علوم) ہیں جن کو آپ نے اس میں قلمبند کر دیا ہے۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں: دنیا میں اس ''الفنون'' سے بڑی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی مجھے بعض ان لوگوں نے بتایا کہ جنہوں نے اس کی چار سو جلدوں کے بعد کوئی جلد دیکھی تھی۔ ابن رجب کہتے ہیں بعض لوگوں کے مطابق اس کی آٹھ سو جلدیں تھیں۔

ابن الجوزی کہتے ہیں: جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا، اور سکرات الموت کے لمحات شروع ہو گئے تو ان کے گھر کی عورتیں رو پڑیں، تو یہ فرمانے لگے: میں نے اللہ تعالیٰ کی نیابت میں پچاس سال سے دستخط کئے ہیں (یعنی وہ فتاوی جن میں احکام، مسائل، اور لوگوں کے پوچھے ہوئے فتاوی ہوتے، ان پر میں نے اللہ تعالیٰ کی نیابت میں دستخط کئے ہیں) لہٰذا مجھے چھوڑو میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی سعادت حاصل کروں۔ انہوں نے ورثہ میں سوائے کتابوں اور کپڑوں کے کچھ نہیں چھوڑا۔ اور ان کی قیمت ان کے ذمہ قرض کے برابر تھی۔ ''رحمه الله تعالٰی وجزاه عن العلم والدين والاسلام خيراً''

فقیہ عبداللہ بن المبارک عکبری نے امام ابن عقیل سے فقہ کی تحصیل کی تھی تو شافع حنبلی نے ان کو مشورہ دیا کہ ابن عقیل کی کتب خرید لیں، چنانچہ انہوں نے اپنی جائیداد، وغیرہ بیچ کر ان کی قیمت سے کتاب ''الفنون'' ''الفصول'' خرید لیں اور ان کو مسلمانوں کے لئے وقف عام کر دیا۔ (ابن طبقات الحنابلہ، ابن رجب حنبلی ۱/۱۴۲، ۱۸۵)

اب خیال کیجئے (اللہ تعالیٰ آپ کا خیال فرمائیں) سمجھ سے کام لینا، وقت کی حفاظت کرنا، اور اپنے آپ کو خیر اور علم کا خوگر بنانا کتنی فائدہ مند چیزیں ہیں، یہ ایسے نتائج لاتی ہیں کہ جن کی تصدیق کرنا مشکل ہو جاتا ہے حالانکہ یہ سچ ہوتا ہے کہ امام ابن عقیل نے آٹھ سو جلدیں لکھ ڈالیں۔ یہ تو صرف ایک کتاب کی تھیں بقیہ کتب اس کے علاوہ تھیں جن میں سے بھی بعض دس جلدوں پر مشتمل تھیں۔

امام محاسبی نے فرمایا:

علم سیلاب کی مانند ہے جو قطرہ قطرہ جمع ہوتا ہے

امام ابن النحاس حلبی نحوی متوفی ۶۹۸ھ رحمۃ اللہ علیہ کا قول کس قدر خوبصورت اور سچا ہے آپ فرماتے ہیں ؂

اليومَ شئٌ وغدًا مثلهُ
من نُخَب العِلْم التی تُلْتَقَطُ
يُحَصِّل المرءُ بها حكمةً
وإنما السّيل اجتماع النُّقَطُ

علم کی منتخب باتوں میں سے جنہیں مختلف جگہوں سے اٹھایا جاتا ہے، کچھ آج حاصل ہوں گی اور کچھ کل۔ اس طرح انسان حکمت کو حاصل کر لیتا ہے، اور سیلاب تو صرف قطروں سے مل کر بنتا ہے۔

قارئین سے معذرت کے ساتھ میں نے اس بحث کو بہت طویل کر دیا ہے لیکن مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے آپ کو بہت فائدہ دے دیں گے کہ آپ کے دل میں وقت کی قدر و قیمت کی پہچان جاگزیں ہو جائے، کیونکہ جاہلوں کے ہاں یہ سب سے ارزاں (اور کم قیمت) چیز ہے۔ لیکن یہ علماء اور عقلاء کے ہاں بہت قیمتی متاع ہے، جو ان کے علم کی بنیاد اور ان کی زندگی کا ستون ہے۔ آپ نے امام عُقیل کا حال دیکھا کہ کس طرح اپنے وقت کی حفاظت فرماتے، اور اس کے لمحات میں سے ہر لمحہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے حتیٰ کہ روٹی کا سفوف بنا کر پانی کے ذریعہ سے اس کو نگل لیتے تاکہ دونوں کے درمیان جو وقت کی کمی اور زیادتی کا فرق ہے اس سے وقت بچ جائے اور اس سے کچھ مطالعہ ہو سکے، یا پھر کچھ سطور لکھی جا سکیں، یا اس وقت میں کچھ عبادت ہو سکے۔

امام ابن الجوزی کا حفاظت وقت میں حال

وہ اس میں امام تھے

آپ کے سامنے ابوالوفاء ابن عقیل کے شاگردوں کے شاگرد امام ابن الجوزی کا حال پیش کیا جاتا ہے جنہوں نے حفاظت وقت میں ان کی اقتداء کی اور انہی جیسے بن گئے، تاکہ آپ جان سکیں کہ وقت کی قیمت کیا ہے۔ اور ابن الجوزی کہ جب ان کے پاس مہمان آجاتے یا سست لوگ نازل ہو جاتے تو یہ کس طرح وقت بچاتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں: انسان کے لئے ضروری ہے کہ وقت کی قیمت اور لمحات کی قدر کو پہچانے، کوئی گھڑی بھی بغیر عبادت کے نہ گزارے قول وفعل میں زیادہ اہم کو پہلے انجام دے اس کے بعد دوسرے کو، خیر کے معاملہ میں اس کی نیت بغیر فتور کے درست ہونی چاہئے، عمل ایسا ہو کہ انسانی بدن اس کے کرنے سے عاجز نہ ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ" مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ سلف میں ایسے لوگ بھی تھے کہ لمحات کو بچاتے۔ عامر بن قیس۔ تابعی عابد زاہد۔ سے مروی ہے ان سے کسی نے کہا مجھ سے بات کیجئے عامر نے کہا تم سورج کو روک لو، (کہ میں اس وقت میں تم سے بات کرلوں۔ از مترجم)۔

عام لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وقت کو عجیب طریقے سے گزارتے ہیں۔ اگر رات لمبی ہو جائے تو غیر مفید باتوں سے یا ایسی کتاب پڑھ کر جس میں غزلیں اور قصے ہوں اور اگر دن لمبا ہو جائے تو دجلہ کے کنارے یا بازاروں میں سو کر، (چونکہ ابن الجوزی بغداد میں تھے اس لئے دریائے دجلہ کی مثال دی)۔ میں ان کو ایسی کشتی میں سوار لوگوں سے تشبیہ دوں گا کہ وہ لوگ اس میں بیٹھے ہوں اور وہ ان کو لے کر چلی جا رہی ہو، اور انہیں اس کی خبر نہ ہو (تو وقت بمنزلہ کشتی کے ہے کہ جس کے گزرنے کا

ہمیں احساس نہیں۔ از مترجم) شاعر کہتا ہے

رأيتُ أخا الدنيا وإن كان حاضرًا
أخاسَفَرٍ يُسرَى به وهو لا يَدْرى!
وإنا لفى الدنيا كركب سفينَة
نُظَن وُقوفًا والزمان بنا يَجرى!

ترجمہ: "میں نے دنیا والوں کو دیکھا کہ وہ لوگ اگرچہ گھر میں موجود ہوں۔ لیکن وہ سفر میں ہیں چل رہے ہیں لیکن انہیں اس کا علم نہیں۔"

"دنیا میں ہم کشتی کے سواروں کی طرح ہیں کہ ہم اس کو کھڑی خیال کر رہے ہیں جب کہ زمانہ ہمیں لے کر چلا جا رہا ہے۔"

میں نے بہت کم لوگوں کو دیکھا ہے کہ جو وجود کے معنی کو سمجھ پائے ہوں، اور وہ سامان سفر درست کرنے، اور توشہ تیار کرنے میں مصروف ہوں، عمر کے لمحات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور فرصت نکلنے سے پہلے جلدی جلدی کرلو۔

نکمے لوگوں کی صحبت سے اللہ کی پناہ، میں نے بہت لوگوں کو دیکھا کہ جنہوں نے میرے پاس کثرت سے آنے کو عادت بنالیا ہے اور اس کو وہ لوگ خدمت کا نام دیتے ہیں، گھنٹوں بیٹھتے ہیں، اور لوگوں کی لایعنی باتوں میں جس میں غیبت بھی ہوتی ہے وقت گزارتے ہیں۔

ہمارے زمانے کے بہت سے لوگ اس کام میں ملوث ہیں، بسا اوقات خود میزبان بھی اس میں ملوث ہو جاتا ہے، اور اپنی تنہائی کی وحشت کو اس کے ذریعے سے ختم کرنا چاہتا ہے خاص عید اور مبارک دنوں میں تو یہ بیماری بہت بڑھ جاتی ہے کہ لوگ ایک دوسروں سے ملنے ملانے جاتے ہیں اور مبارک بادی اور عید کے سلام پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اس تضیع اوقات کے ساتھ مذکورہ غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

جب میں نے دیکھا کہ وقت سب سے زیادہ شرافت و قیمت والی شئے ہے اور اس کو اچھے کاموں میں صرف کرنا ضروری ہے تو میں نے لوگوں سے ملنے ملانے میں دو باتوں کا اہتمام کیا کہ اگر میں ان سے ملاقات کو بالکل ناپسند کرتا تو الفت و محبت کے اسباب بالکل منقطع ہونے کا خطرہ تھا اور اگر بلا روک ٹوک ان سے ملتا جلتا تو وقت کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا تو حتی الامکان میں ملاقات کم کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اگر ضرورت پیش آجائے تو بات ضرورت کے مطابق کرتا ہوں، پھر ملاقات کے وقت ایسے کام انجام دیتا ہوں کہ جو بات چیت سے مانع نہ ہوں، کہ وقت فارغ نہ گزر جائے عموماً اس وقت کاغذ کاٹتا ہوں، قلم بناتا ہوں رجسٹر درست کرتا ہوں کیونکہ ان کاموں کو انجام دینا بھی ضروری ہے اور ان کے لئے فکر اور دلجمعی بھی شرط نہیں ہے، تو لوگوں کی ملاقات کے اوقات کے لئے میں نے یہ کام رکھے ہوئے ہیں تاکہ میرا وقت ضائع نہ ہو جائے۔ میں نے بہت سے لوگ ایسے دیکھے ہیں کہ جن کو زندگی کے معنی کا بھی علم نہیں ہے، بعض ایسے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے روزی کمانے سے فارغ کر دیا ہے کہ ان کے پاس مال کی بہتات ہے وہ لوگ بازاروں میں بیٹھ کر لوگوں کو دیکھتے رہتے ہیں اور کتنی ہی مصیبتوں اور گناہوں سے ان کا گزر ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جو شطرنج کھیل کر وقت گزارتے ہیں۔ اور کچھ لوگ بادشاہوں کے قصوں، اور بھاؤ چڑھنے اترنے کے قصوں میں وقت ضائع کر دیتے ہیں، تو ان حالات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے عمر اور زندگی کی قدر و قیمت پر صرف ان لوگوں کو مطلع کیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق یافتہ اور ہدایت پر ہیں ”وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ“

اللہ عزوجل ہمیں اوقات کی قدر و قیمت کی پہچان کروائیں اور ان کو کام میں لانے کی توفیق عنایت فرمائیں آمین۔ (از کتاب ”صید الخاطر“ ۱/۴۶، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳/۳۱۸، ۳۱۹)

ہر وقت توبہ کی تجدید کرتے رہو، اپنی عمر کو تین حصوں میں تقسیم کرلو، ایک حصہ علم کے حصول کے لئے، دوسرا حصہ اس پر عمل کے لئے، تیسرا حصہ اپنے نفس اور دوسرے لازم شدہ حقوق کی ادائیگی کے لئے۔[1]

میں نے اس موضوع کو ایک عجیب و بلیغ کتاب ”قیمۃ الزمن عند العلماء“ میں پورے احاطہ کے ساتھ لکھ دیا ہے، جس کی ضخامت ۱۴۰ صفحات ہے جو چھ مرتبہ طبع ہو چکی ہے، جس میں علماء کے اوقات کی حفاظت میں عجیب و غریب واقعات ہیں، اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: اے حنظلہ لمحات اور ساعات کی حفاظت کرو

امام مسلم جلیل القدر صحابی حضرت حنظلہ بن ربیع اسیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ”کتاب التوبہ“ کی ابتداء میں فرماتے ہیں: ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ ہمارے سامنے جنت و جہنم کا ایسے ذکر فرما رہے تھے کہ گویا ہم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اس کے بعد میں گھر آ گیا، بچوں سے کھیلنے، اور بیوی سے مذاق کرنے لگا، میں گھر سے نکلا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے ملا تو انہیں بتلایا، انہوں نے فرمایا: میں نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حنظلہ (یعنی میں) تو منافق ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حنظلہ ایسی بات کہنے سے باز رہو، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں، آپ ہمیں جنت و جہنم کی یاد دلاتے ہیں (تو ایسا لگتا ہے کہ) ہم ان کو کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں، (لیکن) جب ہم آپ سے نکل کر جاتے ہیں تو اپنے بیوی بچوں اور زمین سے کھیلتے ہیں (یعنی اپنی روزی کمانے اور دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں) تو ہم (سب کچھ) اکثر بھول جاتے ہیں۔

اپنے ماضی پر غور کرو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اِن دو گروہوں کے انجام کے بارے میں فکر کرو کہ ایک تو ان کی خوشنودی کے سبب جنت میں اور دوسرا ناراضگی کے سبب جہنم میں جائے گا، اللہ تعالیٰ کے اپنے قریب ہونے کو پہچانو، اور محافظین، کراماً

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿والّذی نفسی بیده، إن لو تَدُوْمُوْنَ علی ما تَكُوْنُوْنَ عندی، وفی الذكر، لصافَحَتْكُمُ الملائِكَةُ علٰی فُرُشِكُمْ وفی طُرُقِكُمْ، ولَو كانتْ تكُوْنُ قلُوْبُكُم كَمَا تكونُ عند الذكْرِ، لصافَحَتْكُم الملائِكَةُ حَتّٰی تُسَلِّمَ عَلَيْكُمْ فی الطُّرُقِ، ولٰكِنْ يا حنظلة ساعةً وساعةً، ساعةً وساعةً ساعةً وساعةً﴾

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ برقرار رہو، اور ذکر میں رہو تو فرشتے (تم سے) تمہارے بستروں اور راستوں میں ہاتھ ملائیں اور اگر تمہارے دل اسی حالت پر رہیں جس حالت میں ذکر کے وقت ہوتے ہیں تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔ اور تمہیں راستوں میں سلام کریں لیکن اے حنظلہ! وقت وقت کی بات ہے، وقت وقت کی بات ہے، وقت وقت کی بات ہے۔

اس حدیث شریف سے ذکر اللہ کے دوام اور امور آخرت و مراقبہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ (نیز) اس سے بعض اوقات ان چیزوں کو چھوڑ دینے اور دنیاوی کاموں میں مشغول ہونے کی بھی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

(از امام نووی "شرح صحیح مسلم" ۱۷/۶۵)

شیخ عبدالفتاح فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں، اولاد، اور مباح دنیوی کاموں میں مشغول ہونا جو دل میں ایسی غفلت پیدا کریں کہ جو غفلت جائز ہے۔ مباح (جائز) ہے، اس پر نہ مواخذہ ہے اور نہ گناہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کاتبین (اعمال لکھنے والے فرشتوں) کا اکرام واعزاز کرو۔[1]

---

۱ محافظین کراماً کاتبین کے حق کی رعایت

میں کہتا ہوں: جی ہاں یہ بہت زیادہ اکرام واعزاز کے حقدار ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت کے بارے میں تاکید فرمائی ہے یہاں تک کہ آپ نے ارشاد فرمایا: "مَازَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ" جبریل علیہ السلام مجھے مسلسل پڑوسی کے حقوق کی تاکید کرتے رہے حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ اس کو وراثت میں سے حقدار بنا چھوڑیں گے۔ یہ تو لوگوں میں سے ان پڑوسیوں کی بات ہے کہ جن کے اور تمہارے درمیان دیوار اور پتھر حائل ہیں تو اس شریف پڑوسی کا کیا حال ہوگا کہ جو فرشتہ، مستقل تیرے کندھوں پر رہنے والا، اور تجھے ہر مفید ونقصان دہ کام کرتے ہوئے دیکھنے والا ہے، تجھ پر اس کے پڑوس کا حق زیادہ، اور اس کی قرابت کا اکرام بڑھ کر اور زیادہ لازم ہے۔

شیخ ابن ابی جمرۃ اندلسی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کیا خوب بات کہی ہے آپ فرماتے ہیں: جب تمہیں تمہارے گھر کے پڑوسی کہ اس کے اور تمہارے درمیان دیوار حائل ہے جو تم سے اس تک تکلیف پہنچنے سے مانع ہے (اس کے باوجود) تمہیں اس کی حفاظت اور بھلائی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، تو ان محافظ فرشتوں (کے حقوق) کی محافظت کا کیا حال ہوگا کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں، جب کہ تم ان کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حقوق میں ہمیشہ کوتاہی اور مخالفت کا ارتکاب کر کے تکلیف پہنچاتے ہو۔

اپنی عقل کو استعمال کر کے بتلاؤ کیا ایسا کر کے تمہیں ایمان کی حقیقت حاصل ہو سکتی ہے؟ تو اے بے چارے! تمہارا کیا حال ہوگا؟ کیونکہ یہ بات مروی ہے کہ فرشتے انسان کی نیکیوں پر ثواب کو دیکھنے کے بعد اس انسان کی اپنی خوشی سے بھی بڑھ کر خوش

اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو (عقل و) فہم سے استعمال کرو، اور ان کو اللہ جل جلالہ کی اچھی (حمد و) ثناء اور شکر ادا کر کے واپس کرو۔[1]

ہوتے ہیں، اور وہ بندے کے گناہوں کے وبال پر، بندے کے اپنے وبال پر مطلع ہونے کے بعد اس کے غم سے زیادہ غمگین ہوتے ہیں۔

تو تم اپنی کوتاہی سے ان سے برے سلوک کے مرتکب ہوتے ہو، نہ تمہیں شرم آتی ہے اور نہ ہی اس سے رکتے ہو، نکمّے! سنبھل جاؤ پردوں کے اٹھنے اور دروازے کے بند ہونے سے پہلے پہلے جب تم خود اپنی حفاظت نہ کر سکو گے کہ تمہارے پڑوسی تم سے محفوظ نہیں، تو تم سے دور بھاگنا چاہئے، پھر بھاگنا چاہئے، پھر بھاگنا چاہئے۔ انتہی۔ از کتاب "بَهْجَةُ النُّفُوْس بِمَا تُحَلِّيهَا بمعرفة مالها وما عليها" ۴/۱۶۵۔

تنہائی میں فرشتوں کی نگرانی سے متعلق دو شعر

بنی شیبان کے نابغہ، تابعی جلیل القدر عبداللہ بن المخارق رحمہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے وہ اپنے دیوان کے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

إن من يركب سرًّا حينَ يَخْلُوْا بِسَوْءَ ةٍ غيرُ خالي
كيفَ يخلُوْ وعنده كاتباهُ شاهِدَيْه وربُّهٗ ذوالمِحَالِ

جو ایسی بری خلوت میں کہ جو (برائی سے) خالی نہیں ہوتی چھپ کر بری باتوں پر سوار ہو جاتا ہے، وہ کیسے (سمجھتا ہے کہ) وہ تنہا ہے جب کہ اس کے ساتھ دو لکھنے والے گواہ اور اس کا قوت والا رب ہے۔

[1] عبید بن عمیر تابعی مکی کی ایک پرفتن حسینہ سے ملاقات اور ان کا اس کو عابد بنا دینا

اہل مکہ کے قصہ گو واعظ، عبید بن عمیر متوفی ۶۸ھ جو اپنی دینی متانت و صلاح

میں مشہور اور نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ ان کی مجلس میں صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف رکھتے اور ان کے کلام و صلاح سے متأثر ہو کر روتے، کی ایک حسینہ سے کیا خوب ملاقات رہی، کہ وہ اپنے حسن و جمال پر اتراتے ہوئے آپ کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے لئے آئی، تو آپ نے اس کو پرفتن بننے سے نکال کر عبادت گزار عورتوں میں سے بنا دیا، اور اس کو اللہ سبحانہ کی نعمتوں کو سمجھنے اور ان کا اچھا شکر ادا کرنے کی طرف لوٹا دیا۔

عجلی کہتے ہیں مجھ سے ابوعبداللہ نے بیان کیا کہ: مکہ میں ایک بہت خوب رو شادی شدہ عورت تھی، ایک دن آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر شوہر سے کہنے لگی: کیا تمہارا خیال ہے کہ کوئی ایسا انسان بھی ہے کہ وہ مجھے دیکھ لے اور فتنہ سے محفوظ رہے؟ شوہر نے کہا کہ ہاں ایسا انسان ہے۔ اس نے پوچھا وہ کون ہے؟ شوہر نے کہا: عبید بن عمیر، بیوی نے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ میں اس کو فتنہ میں مبتلا کر دوں، شوہر نے اجازت دے دی، وہ عورت ان کے پاس آئی اور کوئی مسئلہ پوچھا، اور آپ کو مسجد حرام کے ایک (ویران) گوشہ میں لے گئی اور اپنے چاند کے ٹکڑے جیسے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ حضرت عبید نے فرمایا اللہ کی بندی! اللہ تعالیٰ کا خوف کر، عورت نے کہا میں آپ پر فریفتہ ہو گئی ہوں، میرے معاملے میں غور فرمایئے۔ عبید نے کہا میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اگر تم نے اس کا صحیح جواب دے دیا تو میں تمہارے معاملے میں ضرور غور کروں گا، اس نے کہا میں صحیح بات کہوں گی۔

آپ نے فرمایا بتلاؤ! جس وقت موت کا فرشتہ تمہاری روح قبض کرنے آجائے تو ایسے وقت میں تم پسند کرو گی کہ میں تمہاری یہ حاجت (گناہ والی) پوری کر دوں؟ عورت نے کہا: اللہ کی قسم نہیں۔ آپ نے فرمایا تو نے سچ بولا۔

آپ نے فرمایا لوگوں کے اعمال نامے دے دیئے جائیں اور تمہیں علم نہ ہو کہ

تمہارا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں ملے کہ بائیں ہاتھ میں؟ تو کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ میں تمہاری یہ ضرورت پوری کر دوں؟ اس نے کہا اللہ کی قسم نہیں۔ آپ نے فرمایا تو نے صحیح کہا۔

آپ نے فرمایا تم جنت سے پہلے والے (پل صراط) سے گزرنے لگو اور تمہیں علم نہ ہو کہ نجات ہوئی کہ نہیں؟ تو کیا ایسی حالت میں تمہیں خوشی ہوگی کہ میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں؟ اس نے کہا اللہ کی قسم نہیں۔ آپ نے فرمایا تو نے سچی بات کہی۔

آپ نے فرمایا کہ اگر روز قیامت میزان (اعمال تولنے کے لئے) لائے جائیں اور تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا (نیکیوں والا) پلڑا جھکتا ہے یا اٹھتا ہے؟ تو کیا تمہیں چاہت ہوگی کہ میں تمہاری یہ چاہت پوری کر دوں؟ اس نے کہا اللہ کی قسم نہیں۔ آپ نے کہا کہ تو نے درست کہا۔ آپ نے کہا تمہیں سوال و جواب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے تو کیا ایسے وقت میں تم رغبت رکھو گی کہ میں تمہیں تمہاری پسند دے دوں، تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم نہیں۔ آپ نے کہا تو نے سچ بولا۔ آپ نے فرمایا! اللہ کی بندی اللہ تعالیٰ سے ڈر کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر انعام و احسان کیا ہے۔ ابو عبداللہ کہتے ہیں وہ عورت واپس آئی شوہر نے کہا کہ کیا ہوا؟ عورت نے کہا تو بھی فضول اور ہم سب فضول ہیں۔ پھر وہ عورت مسلسل نماز روزہ عبادت میں مشغول ہوگئی۔ اس کا شوہر کہا کرتا: عبید بن عمیر کا میں نے کیا بگاڑا کہ اس نے میری بیوی کو خراب کر دیا کہ پہلے ہر رات شب زفاف تھی اب وہ تارک الدنیا راہبہ بن گئی ہے۔ انتھی (کتاب الثقات ۲/۱۱۹)

کہنے والے نے سچ کہا ہے ؎

ما الکیمیا قلب الحجارة فِضَّةً
بل أن تزِيلَ الظلمةَ الأنوارُ

اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے مراتب دیکھ کر خود فریبی میں مبتلا نہ ہونا[۱]

کیمیا گری اس کا نام نہیں کہ تم پتھر کو سونا بنا دو کیمیا گری تو یہ ہے کہ تاریکیوں کو روشنی سے بدل دو۔

[۱] سمرقند کی شقی القلب عورت کا بہلول قیروانی سے اپنی توبہ پر برقرار رہنے کے لئے دعا کروانا

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں تمہارا نفس اس وہم میں ڈالے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا مرتبہ ہے تو اس کو (خود پسندی میں مبتلا نہ ہونے دو بلکہ اس کو) متہم کرو اور اس کے اس دھوکہ میں مبتلا کرنے اور لوگوں کے کہنے سے بچو، کیونکہ یہ عارف باللہ، اور اللہ تعالیٰ (جو کہ پوشیدہ رازوں کو جاننے والے ہیں) سے ڈرنے والوں کی شان کے خلاف ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد، عابد، زاہد، متقی، بہلول قیروانی متوفی ۱۸۳ھ کے حالات میں ہے: سعدون بن ابان، دحیون بن راشد سے راوی ہیں وہ کہتے ہیں میں مدینہ (طیبہ) میں تھا کہ ایک آدمی پوچھ رہا تھا یہاں افریقہ کا کوئی باشندہ ہے؟ میں نے بتلایا کہ ہاں میں ہوں اس نے کہا، کیا تم بہلول بن راشد کو پہچانتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے مجھے ایک خط دیا کہ یہ ان تک پہنچا دو، چنانچہ میں نے وہ خط ان تک پہنچا دیا۔ انہوں نے اسے کھولا تو اس میں تھا ''اہل سمرقند خراسان سے میں ایک عورت آپ کو لکھ رہی ہوں کہ میں اس سے قبل ایسی سخت دل بے حیاء تھی کہ ایسا کوئی نہیں ہوگا پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ مجھے زمین میں اللہ کے خاص بندوں کے بارے میں مطلع کیا جائے، تو مجھے چار آدمیوں کے بارے میں بتلایا گیا جن میں سے ایک افریقہ کے بہلول قیروانی ہیں۔ میں آپ سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرتی ہوں کہ اے

لوگوں کے حق کو حقیر جاننے کی وجہ سے غلط نہ جانو کہ یہ زہر قاتل ہے۔ اللہ جل جلالہ کی ناراضگی کے خوف سے لوگوں کی نظروں میں گر جانے کے خوف سے بچو۔ اور فقر (محتاجی) کے ڈر سے بھی دور رہو، کہ موت قریب ہی آنے والی ہے، اور جتنا ہو سکے اپنی نیکی کے اثر کو مخفی رکھو[1]

بہلول آپ اللہ تعالیٰ سے میری اس توبہ کے دوام واستمرار کے بارے میں دعا کریں کہ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔"

راوی کہتے ہیں: خط بہلول کے ہاتھ سے گر گیا، اور آپ خود بھی چہرے کے بل زمین پر گر پڑے اور رونے لگے، مسلسل روتے رہے حتیٰ کہ خط آپ کے آنسوؤں سے تر ہونے والی مٹی سے لتھڑ گیا، پھر اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے: اے بہلول! (تعجب ہے) تمہیں خراسان کے شہر سمرقند سے لوگ یاد کر رہے ہیں، اگر اللہ نے قیامت کے دن تیرے عیوب کو نہ چھپایا تو تیرے لئے ہلاکت (وبربادی) ہے۔ انتہی۔

تو آپ اپنا مرتبہ دیکھ کر مزید خوف وخشیت الٰہی کا شکار ہو گئے آپ کس قدر عارف وسمجھدار تھے۔ (از کتاب "طبقات علماء افریقیا وتونس" ابو العرب صفحہ ۱۳۰، "ترتیب المدارک" قاضی عیاض ۳/۸۹، "معالم الایمان" دباغ وابن ناجی ۱/۱۶۷)

[1] سلف صالحین کے اپنے عمل کو چھپانے کی دو مثالیں

یعنی اپنے نیک عمل کو جہاں تک ہو سکے مخفی رکھو کہ اخلاص میں زیادتی ہو اور قبولیت کے مواقع بڑھیں۔ اس کی دو مثالیں آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں!

(۱) ابن سعد جلیل القدر تابعی، فقیہ عراق، حضرت ابراہیم نخعی کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۹۶ھ بعمر ۴۹ سال) کے حالات میں روایت کرتے ہیں کہ ہمیں فضل بن دکین نے بتلایا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے معاویہ بن عبداللہ یمامی نے بیان کیا اور ان

جب تم سے مشورہ مانگا جائے تو اس میں اپنی انتہائی کوشش صرف کر دو، اللہ تعالیٰ کے لئے پختہ ارادے سے محبت رکھو، اور اللہ تعالیٰ کے لئے تعلق کو احتیاط سے ختم کر

سے طلحہ نے کہ جب لوگ رات کو سو جاتے تو حضرت ابراہیم نخعی ایک خوبصورت لباس زیب تن فرماتے، خوشبو لگاتے، اور صبح تک یا جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی مسجد میں نماز پڑھتے رہتے، جب صبح ہو جاتی تو اس لباس کو اتار کر دوسرا لباس پہن لیتے۔

(الطبقات الکبریٰ ۶/۲۷۶)

❷ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ امام منصور بن المعتمر سلمی کوفی متوفی ۱۳۲ھ کے حالات میں لکھتے ہیں: منصور کے شاگرد زائدہ بن قدامہ کہتے ہیں منصور نے چالیس سال تک دن کو روزہ رکھا اور رات کو قیام کیا ساری رات روتے رہتے جب صبح ہوتی تو آنکھوں میں سرمہ لگاتے، ہونٹوں اور سر میں تیل لگاتے (تاکہ رات کی حالت ظاہر نہ ہو) ان کی والدہ کہتی ہیں کیا تم نے کسی کو قتل کر دیا ہے؟ (یعنی زیادہ رونے، ڈرنے اور عبادت کرنے کی وجہ سے ایسا کہتیں) تو کہتے کہ میرے نفس نے جو کچھ کیا ہے میں جانتا ہوں، زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی بینائی چلی گئی تھی۔

بیٹی نے کہا ابا جان! وہ ستون جو منصور کے گھر میں تھا وہ کیا ہوا؟ تو فرمایا بیٹے: وہ منصور ہی رات کو نماز پڑھ رہا تھا جو کہ اب مر گیا ہے۔

امام ثوری فرماتے ہیں: اگر تم لوگ منصور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیتے تو سمجھتے کہ ابھی یہ مر جائیں گے۔ انتہی۔ (''تذکرۃ الحفاظ'' ۱/۱۴۲)

ان کی نماز کے بارے میں پہلے زیر عنوان ''پانچ انتہائی عبادت گزاروں کا بیان'' میں حضرت ثوری کی روایت گزر چکی ہے، اللہ تعالیٰ ان مؤمن، ڈرنے والی مخفی رہنے والی روحوں پر رحم فرمائیں جو دنیا میں ڈرنے والے تھے اور آخرت میں اپنے رب کی ملاقات سے خوش اور مطمئن و پر سکون ہوں گے۔

دو ۔ ۱

۱ عزم اور حزم میں فرق

عزم کے لغوی معنی قوت، صبر، کوشش اور کسی کام کے انجام دینے کے لئے ارادہ یعنی نیت کرنا۔ اور ”حزم“ کے معنی آدمی کا کسی کام کو رائے کے پختہ ہو جانے کے بعد جلدی سے کر لینا کہ وہ کام (تاخیر سے) فوت نہ ہو جائے۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الحَزْمُ: ضَبْطُ الرَّجُلِ اَمْرَهٗ والحَذَرُ من فَوَاتِهٖ، والعَزْمُ: الجدّ والصَّبْرُ والقُوَّة﴾

”حزم کہتے ہیں کہ اپنے کام کو مرتب طور سے انجام دینا اور اس کے ضائع ہونے سے ڈرنا، اور عزم، کوشش، صبر اور قوت کو کہتے ہیں۔“ (از ”النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر“ مادہ حزم و عزم)

حضرت ابوبکر صدیق کا حزم اور حضرت عمر کا عزم

اسی بارے حدیث بھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے پوچھا آپ وتر کب پڑھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، ابتداء رات میں سونے سے پہلے، حضرت عمر سے پوچھا کہ آپ وتر کب پڑھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا آخر رات میں سو کر اٹھنے کے بعد۔ آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: ”أَخَذْتَ بالحَزْمِ وقال لِعمرَ: أَخَذْتَ بالعَزْمِ“ آپ نے حزم (احتیاط) کو لیا (یعنی اس پر عمل کیا) حضرت عمر سے فرمایا آپ نے عزم کو لیا۔

آپ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت ابوبکر نے وتر کے قضاء ہونے کے خوف سے وتر کو احتیاطاً سونے سے پہلے پڑھ لیا۔ اور حضرت عمر نے اپنے رات میں قیام پر اعتماد کرتے ہوئے (اپنے عزم و ارادہ سے) اس کو موخر کر دیا، عزم میں جب تک حزم

صرف متقی (و پرہیز گار) سے دوستی رکھو[1] عالم کے ساتھ بیٹھو اور عقل مند سمجھدار انسان سے میل جول رکھو، اپنے سے پہلے والے ائمہ کرام کی اقتداء کرو۔ اور امت میں سے بعد والوں کے لئے مقتدیٰ بن جاؤ، متقین (نیک لوگوں) کے امام، اور راہنمائی

نہ ہو کچھ بھلائی نہیں، کیونکہ قوت وطاقت کے ساتھ جب تک احتیاط نہ ہو صاحب عزم کو مشکل میں ڈال دیتا ہے۔ انتہی۔ مرجع (حوالہ) سابق۔

مذکورہ حدیث امام ابوداؤد نے اپنی "سنن" میں انہی جیسے الفاظ سے "باب الوتر قبل النوم" میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا الخ .... اس جیسی حدیث امام مالک نے "موطا" میں روایت کی ہے۔ "شرح زرقانی" کے ساتھ ۱/۲۳۱ پر ہے۔

امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول "أحبَّ اللّٰه بعزمٍ واقطعْ بِحَزْمٍ" کا مفہوم یہ ہے: مناسب ہے کہ جسے تم محبت کرو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قوت کوشش اور سنجیدگی سے ہو، اور جس سے تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قطع تعلق کر لو تو مضبوطی، جلدی، اور احتیاط سے ہو، کہ اس سے انحراف و دوری میں سستی نہ ہو، تاکہ یہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے متنبہ کرنے والی بات ہو جائے، واللہ اعلم۔ اس میں اور بھی تفصیل ہے جس کا یہ مقام نہیں۔

[1] سیدنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ﴾

"صرف ایمان والے کے ساتھ نشست و برخاست رکھو، اور تمہارا کھانا صرف نیک انسان ہی کھائے۔"

یہ روایت ابوسعید خدری سے امام ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

کے متلاشی لوگوں کے لئے جائے سکون ہو جاؤ، کسی سے شکوہ نہ کرو، اور اپنی دین کی وجہ سے دنیا نہ کھاؤ۔[۱]

---

۱ فقیہ بہلول قیروانی کے تقویٰ کی ایک (عجیب) مثال

آپ کے سامنے ان لوگوں میں سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جنہوں نے دین کی وجہ سے دنیا حاصل نہیں کی، قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام بہلول قیروانی (جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے) کے حالات میں لکھا ہے کہ بعض کہتے ہیں: بہلول نے اپنی کسی ساتھی کو دو دینار دیئے کہ ان کے عوض زیتون کا میٹھا تیل تلاش کر کے خرید لائے، اس کو کسی نے بتلایا کہ ایک نصرانی کے پاس سب سے اچھا میٹھا تیل ہے، وہ آدمی اس نصرانی کے پاس دو دینار لے کر گیا، اور اس کو بتلایا کہ اسے بہلول کے لئے زیتون کا تیل چاہئے۔ نصرانی نے کہا کہ جس طرح تم لوگ بہلول سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہو اسی طرح ہم بھی بہلول سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں، تو اس کو دو دینار کے بدلے میں اتنا زیتون کا تیل دے دیا جتنا کہ چار دینار کے بدلے میں آتا ہے۔ البتہ تیل گھٹیا دیا۔ تیل لے کر وہ بہلول کے پاس آیا اور ان کو بتلایا۔ بہلول نے اس سے کہا: تم نے ایک کام تو کر دیا اب دوسرا بھی پورا کر دو وہ یہ کہ میرے وہ دو دینار مجھے واپس لا دو۔ (اور تیل واپس کر دو) اس نے پوچھا یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، يُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾

"آپ نہ پائیں گے ایسے لوگوں کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ دوستی کریں ان لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوئے۔"

تنہائی (اور گوشہ نشینی سے بھی) اپنا حصہ رکھو[1]

تو مجھے ڈر ہے کہ میں نصرانی کا تیل کھا کر اپنے دل میں ان لوگوں کی محبت نہ پاؤں کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں، کہ دنیا کے حقیر فائدے کی وجہ سے میں ایسا کرنے والا بن جاؤں۔ انتہی۔ کیا خوب! اپنے دین پر کتنے حریص تھے۔

۱ قابل تعریف گوشہ نشینی

مطلقاً ہر قسم کی خلوت و تنہائی کہ جس میں لوگوں سے بالکل علیحدگی ہو نہ ممکن ہے اور نہ (شریعت میں) مطلوب۔ کیونکہ انسان فطرتاً میل جول کی طبیعت رکھتا ہے جس کے لئے اکیلے زندگی گزارنا ممکن نہیں، ہاں ایک گونہ تنہائی، یا ایک گونہ میل جول بھی ایک قسم ہے، کہ جو برے حالات اور پرفتن دور میں محمود و پسندیدہ ہے، کہ انسان صرف ایسے نیک ملنے جلنے والوں پر اکتفاء کرے جن کی معیت و رفاقت سے اپنے دین اور اس پر چلنے میں نفع اٹھا سکے، اسی طرح وہ لوگ بھی اس سے نفع اندوز ہو سکیں۔ یہی عزلت (تنہائی) ہے کہ جس کو مصنف نے اپنے اس مذکورہ قول میں بیان کیا ہے۔

امام ابن الجوزی کی گوشہ نشینی

یہی وہ تنہائی ہے جس کو امام ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ بیان کیا ہے آپ فرماتے ہیں: جو اپنی ہمت مجتمع اور دل کی اصلاح چاہتا ہے وہ اس زمانے میں لوگوں سے ملنا جلنا کم رکھے (امام یہ بات چھٹی ہجری یعنی آج سے آٹھ سو سال سے بھی زیادہ پہلے کی بات فرمارہے ہیں) کیونکہ زمانہ سلف میں اجتماع مفید چیزوں پر ہوتا اور اب مضر چیزوں پر ہوتا ہے، میں نے کئی بار تجربہ کیا ہے کہ جب میں گھر میں اپنے آپ کو تنہائی میں قید کر لوں تو میری ہمت مجتمع ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ سلف کی سیرتوں کے مطالعہ کا بھی اضافہ کر لیا جائے، تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ تنہائی پرہیز، اور سلف

کی سیرتوں کا مطالعہ دواء ہے، اور پرہیز (یعنی عدم اختلاط) دواء کے استعمال کے ساتھ نافع ہوتی ہے۔

میں جب لوگوں سے ملنے میں وسعت اختیار کرتا ہوں تو ذلی افتراق بڑھ جاتا ہے، اور جن چیزوں سے بچنے کا میں اہتمام کرتا رہا ان سے بچنے میں سستی ہو جاتی ہے، اور آنکھ کی دیکھی ہوئی اور کان سے سنی ہوئی صورتیں دل میں نقش ہو جاتی اور گہرائی میں اتر جاتی ہیں، اور دل میں ان چیزوں کے حصول کی حرص پیدا ہو جاتی ہے۔ جب کہ زیادہ پاس بیٹھنے والے غافل قسم کے لوگ ہوں تو طبیعت ان کے پاس بیٹھنے سے ان کی خصلتیں اخذ کر لیتی ہے۔

میں جب اس کے بعد حضور قلب (دلجمعی) چاہتا ہوں تو اس سے نہیں پاتا، اس کا قصد کرتا ہوں تو غائب پاتا ہوں، دل کی گہرائیوں میں لوگوں کی ملاقاتوں کا اثر کئی دنوں تک باقی رہتا ہے، اس وقت تک جب تک کہ خواہش سے تسلی نہ ہو پائے (یعنی پوری نہ کرلے)۔ تو محض توڑنے کے لئے عمارت بنانے کا کیا فائدہ؟ اس لئے کہ مسلسل تنہائی میں رہنا ایک عمارت کی طرح ہے، اور سلف کے حالات کا مطالعہ اس عمارت کو مزید بلند کرتا ہے، تو جب لوگوں سے اختلاط ہو تو مدتوں میں تعمیر شدہ عمارت ایک لمحہ میں ختم ہو جاتی ہے جس کی تلافی مشکل ہوتی ہے اور دل میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ عبادت، زہد، اور آخرت کے کاموں (اور فکر) میں مشغولیت ویکسوئی اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ مخلوق سے بالکل تعلق ختم کر دیا جائے کہ نہ تو ان کو دیکھے، نہ ان کی باتیں سنے، ہاں ضرورت کے اوقات اس سے مستثنیٰ ہیں، جس طرح کہ نماز جمعہ، جماعت کی نماز ہے (لیکن) ان میں بھی لوگوں سے احتراز کرے، اور اگر کوئی ایسا عالم ہو کہ جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہو تو اس کو چاہئے کہ لوگوں کے لئے ایک متعین وقت مقرر کر دے، اور اس میں بھی ان سے (بے فائدہ بات) سے احتراز کرے۔

حلال کے سوا کچھ نہ لو[1] فضول خرچی سے بچو، دنیا میں بقدر کفایت روزی پر صبر

دنیا میں اس سے زیادہ لذت والی کوئی زندگی نہیں کہ انسان جس میں تمام دنیا سے کٹ کر صرف علم میں مشغول ہو وہی اس کا ہمدرد و ہمنشیں ہو، ایسے مباح کاموں پر قانع ہو کہ وہ مباحات بغیر تکلف اور دین کے ضائع ہونے کے حاصل ہوں، دنیا اور اہل دنیا کے سامنے ذلیل ہونے کے بجائے عزت کا لباس پہنے ہوئے ہو، اور اگر زیادہ (مال) پر قدرت نہ ہو تو کم پر ہی راضی رہے۔

اس پاکدامنی اور قدر کفایت روزی میں انسان کے دین و دنیا محفوظ ہیں، البتہ (اس کے ساتھ) علم میں مشغولیت یہ فضیلت (سونے پر سہاگا) ہے، یہ اس کے لئے کئی باغوں کے دروازے وا کر دے گی اور تنہائی کی وجہ سے شیطان، سلطان (بادشاہ) اور عوام سے محفوظ رہے گا۔ لیکن یہ تنہائی صرف عالم کو مفید ہے ورنہ جاہل اس کی وجہ سے علم سے محروم رہے گا اور ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا، ایسی تنہائی نے کتنے ہی بنیادی علم کو کہ جس سے (جاہل کے لئے) اصلاح دین ہے ضائع کر دیا اور ایسی مصیبت میں پھنسا دیا کہ جس سے دین خراب ہو گیا، ہاں تنہائی تو صرف عالم کی شر سے (مفید) ہے۔

[1] اکل حلال کے فوائد

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ دل کیسے نرم ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا حلال کھانے سے۔ (از "طبقات الحنابۃ" ابن ابی یعلی ۱/۲۱۹)

سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں: جو اپنے لئے نیک لوگوں کی علامات دیکھنا چاہتا ہے وہ صرف حلال ہی کھائے، اور صرف سنت پر ہی عمل کرے۔

حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں: ایک مشکوک درہم کا لوٹانا (اس کے اصل مالک کو) میرے نزدیک ایک لاکھ صدقہ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔

کرو، ادب علم کے باغوں سے حاصل کرو[1] انسیت خلوت کی جگہوں، اور حیاء کو یقین کے شعبوں میں، اور علم کو تفکر کی وادیوں سے اور دانائی کو خوف کے باغوں سے حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باوجود اپنے اوپر ان کے مسلسل انعام واحسان، ان کے

سلف کی بیویوں کا قول: ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہمیں حرام نہ کھلاؤ

سلف صالحین کی بیویاں اپنے شوہروں سے جب وہ کمائی کے لئے باہر نکلتے تو کہتیں: ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہمیں حرام کمائی نہ کھلاؤ کیونکہ ہم بھوک اور تکلیف پر صبر کر سکتی ہیں لیکن آگ کو برداشت نہیں کر سکتیں۔

(از احیاء العلوم، امام غزالی، آخر کتاب النکاح)

تابعی امام محمد بن سیرین جب کسی کو رخصت کرتے تو کہتے: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو حلال مقدر کر دیا ہے اس کو تلاش کرو، کیونکہ اگر تم حرام بھی لوگے تو تقدیر سے زیادہ نہیں مل سکتا۔ (طبقات الکبری ابن سعد ۷/۲۰۱)

زہد و ورع کے امام بشر الحافی کہتے ہیں: دس انسان ایسے تھے کہ جو صرف حلال کھاتے تھے، ان کے پیٹ میں کوئی چیز اس کے علاوہ داخل نہ ہو سکتی اگرچہ انہیں مٹی ہی پھانکنا پڑے، جن میں سے ایک فضیل بن عیاض تھے۔

(تہذیب التہذیب ابن حجر ۸/۲۹۶)

[1] ان سب باغوں سے بڑھ کر باغ قرآن پاک ہے، عالم صالح، عابد، زاہد، جلیل القدر تابعی محمد بن واسع بصری کہتے ہیں! قرآن اللہ والے (عارفین) کا باغ ہے اس میں جہاں اتریں سیر کریں۔ (الحلیۃ ۲/۳۴۷)

ذکر سے اعراض کے باوجود ان کی بردباری، ان سے بے حیائی کے باوجود ان کی طرف سے عیوب کی پردہ پوشی[۱] اپنی ان کی طرف احتیاج، اور ان کی اپنے آپ سے بے نیازی کو پہچانو۔ کہاں ہیں اپنے رب کو پہچاننے والے؟ کہاں ہیں اپنے گناہوں سے ڈرنے والے؟[۲] کہاں ہیں اللہ تعالیٰ کے قرب پر خوشیاں منانے والے؟ کہاں ہیں

---

۱ گناہوں کی بدبو اور نیکیوں کی خوشبو ہوتی ہے

یہ بات خوب سمجھ لو کہ گناہ زہر کی مانند ہیں جو کم اور زیادہ ہر صورت میں نقصان دہ ہیں، جو ظاہر و خفی سب برابر ہیں، لہٰذا ان کو تدبیر کے ذریعہ چھپا کر دھوکہ میں مبتلا نہ ہونا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ملکوتی آنکھیں ہیں جو کہ ہر حال میں تمہیں دیکھ رہی ہیں۔ یہ بات بھی خوب سمجھ لو کہ نیکیوں کی خوشبو ہوتی ہے کہ جو مہکتی ہے اگرچہ ان کو چھپا دیا جائے، اور گناہوں کی بدبو ہوتی ہے جو چھپانے کے باوجود سونگھی جاتی ہے، جب تم کسی گناہ کی کجی سے بچو تو خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ایسا کرو کہ تمہیں اس پر ثواب ملے گا، حدیث شریف میں ہے: "وإذا هَمَّ بسَيِّئةٍ فلَمْ يَعْمَلْهَا-أي للهِ- كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ" جس نے کسی گناہ کا ارادہ کیا پھر اللہ کی رضا کے لئے اس کو چھوڑ دیا تو اس کے لئے نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

۲ امام طبرانی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مارأيتُ مِثْلَ النارِ نَامَ هَارِبُهَا، ولاَ مِثْلَ الجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا" "میں نہیں سمجھتا کہ آگ جیسی چیز سے بھاگنے والا سو جائے، اور جنت جیسی چیز کو طلب کرنے والا سو جائے۔" امام ہیثمی مجمع الزوائد میں کہتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔ ۱۰/۲۳۰۔ امام مناوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی آگ انتہائی سخت ہے جب کہ اس سے بچنے والے لوگ سو رہے ہیں، غافل ہیں، یہ طریق آگ سے بچنے والوں کا نہیں، بلکہ اس کا راستہ یہ ہے کہ گناہوں سے نیکیوں کی طرف لوٹا جائے۔

اس کے ذکر میں مشغول رہنے والے؟ کہاں ہیں اس کی دوری سے ڈرنے والے؟ اے فریب خوردہ! انہی لوگوں کے لئے مغفرت ہے، تم نے (گناہ کے) پردوں کو پھاڑ دیا ہے کیا اب بھی اس بزرگ و برتر نے تجھ کو نہیں دیکھا؟

خوب جان لو اے بھائی: گناہوں سے غفلت پیدا ہوتی ہے،[۱] اور غفلت سے دل

اس حدیث میں تعجب کے معنی ہیں یعنی اس آگ کا کیا حال ہے کہ جو انتہائی سخت حالت والی (ہولناک) ہے۔

اور اس سے بچنے والا اپنی نیند، شدت غفلت، اور لاپرواہی سے نشہ کی سی کیفیت میں ہے؟ اور کتنی تعجب خیز حالت ہے جنت کی جوان صفات سے متصف ہے اور اس کے طالب غافل کا یہ حال ہے؟

[۱] گناہوں کے نقصانات کا ذکر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یقین ہے کہ آدمی حاصل کئے ہوئے علم کو ایسے گناہ کی وجہ سے بھول جاتا ہے جسے اس نے کیا ہوتا ہے۔

(از "جامع العلم وفضلہ" ابن عبدالبر ۱/۱۹۶)

امام ابوحنیفہ مسئلہ کے حکم تک پہنچنے کے لئے استغفار کرتے یا نماز پڑھتے

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے جب کوئی مسئلہ مشکل ہو جاتا تو آپ شاگردوں سے فرماتے: لازماً یہ میرے کسی گناہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ پھر استغفار کرتے اور بسا اوقات نماز پڑھتے تو وہ مسئلہ آپ پر منکشف ہو جاتا اور فرماتے: امید ہے کہ میری توبہ قبول ہوگئی۔ یہ بات حضرت فضیل بن عیاض کو معلوم ہوئی تو آپ پر شدت گریہ طاری ہوگیا، انہوں نے فرمایا کہ یہ ان کے گناہوں کی کمی کی وجہ سے ہے، آپ

میں سختی جنم لیتی ہے، اور دل کی سختی اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دوری جہنم میں پہنچا دیتی ہے۔ ان باتوں میں زندہ دل لوگ غور وفکر کرتے ہیں، اور مردے تو دنیا کی محبت میں مرے جارہے ہیں۔[۱]

کے علاوہ اورلوگ (گناہوں کی کثرت کی وجہ سے) اس پر متنبہ نہیں ہو پاتے۔

(از "طبقات الحنفیۃ" ملاعلی قاری ۲/ ۴۸۷)

امام کبیر، حافظ وکیع بن جراح کوفی کے حالات میں ہے کہ لوگ تو تکلف (و محنت) سے یاد کرتے لیکن آپ کو بغیر تکلف طبعًا یاد ہو جاتا۔ علی بن خشرم کہتے ہیں: میں نے وکیع کو (بارہا) دیکھا لیکن کبھی ان کے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھی (وہ اس کے بغیر ہی) یاد کر لیتے ہیں، میں نے ان سے حافظہ (تیز کرنے کی) دواء پوچھی تو آپ نے فرمایا: گناہ چھوڑنا، اس جیسی دواء میں نے تجربہ کر کے بھی نہیں دیکھی۔ امام شافعی نے اپنے اشعار میں یہی مراد لیا ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت وکیع کو اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی، تو انہوں نے مجھے گناہ چھوڑنے کی نصیحت کی، اور بتلایا کہ علم نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور گناہ گار کو نہیں ملتا۔

۱؎ حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان: نیکی کا نور اور گناہ کی تاریکی ہوتی ہے

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں گناہ کے نقصانات کی طرف اشارہ کیا ہے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نیکیوں اور گناہوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کا اثر انسان کے ظاہر اور باطن پر ہوتا ہے، کہ نیکی سے دل میں نور، چہرے پر خوبصورتی، بدن میں قوت، رزق میں وسعت، مخلوق کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے، اور گناہ سے دل میں تاریکی، چہرے پر بدصورتی، بدن میں

کمزوری، رزق میں کمی، اور مخلوق کے دلوں میں گناہ گار سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

گناہوں سے بچنے اور ان کو کرنے کے نقصانات وفوائد کے بارے میں امام ابن القیم جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان

امام ابن الجوزی کا بیان اس بارے میں بہت جامع ہے، اور آپ نے گناہوں کے ارتکاب اور ان سے بچنے کے آثار کے بارے میں بالکل صحیح باریک بینی سے موازنہ کیا ہے کہ جو ہر صاحب عقل و ہوش کو گناہوں کے چھوڑنے، ان کے اسباب سے دور بھاگنے، نیکیوں سے مزین ہونے، اور ان کے کرنے پر ابھارنے والا ہے۔

لیجئے میں ان کے بیان کو بالتفصیل یہاں نقل کرتا ہوں اس بیان کے نفیس جامع اور سچا ہونے کی وجہ سے، کان کھول کر سنئے، دل کو متوجہ کر لیجئے، عقل کو اس کا تابع بنا دیجئے، اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے ولی و مددگار ہیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

گناہ (مثل) زخم ہیں، اور بعض زخم انسان کو قتل گاہ میں پہنچا دیتے اور انسان کو قساوت قلبی (دلی سختی) اور اللہ تعالیٰ (کی رحمت) سے دوری جیسے بڑی سزاؤں کا حق دار بنا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سب سے بڑھ کر دور سخت دل انسان ہے، اور جب انسان کا دل سخت ہو جائے تو اس کی آنکھیں خشک ہو جاتی ہیں، اور دل کی سختی جب پیدا ہوتی ہے کہ جب چار چیزیں اعتدال (میانہ روی) سے بڑھ جائیں، وہ چار چیزیں، کھانا، سونا، بات چیت کرنا، اور اختلاط ہیں، جان لو! شہوت سے صبر کرنا (یعنی رک جانا) آسان ہے بنسبت شہوت سے پیدا ہونے والی چیز سے رک جانے کے کہ یا تو شہوت تکلیف و سزا کا موجب بنے گی، یا اس سے بڑھ کر لذت والی چیز سے محرومی کا سبب ہوگی۔ یا اس کی وجہ سے وقت ضائع ہوگا کہ جس کا ضیاع شرمندگی و حسرت ہے، یا اس سے عزت میں کمی ہوگی کہ جس کا بڑھنا گھٹنے سے زیادہ مفید (ومطلوب) ہے یا

اس کی وجہ سے مال فناء ہوگا کہ اس کا باقی رہنا فناء سے بہتر ہے، یا اس سے عزت و مرتبہ میں کمی ہوگی کہ جس کی زیادتی کمی سے زیادہ نفع مند ہے، یا کوئی ایسی نعمت چھن جائے گی کہ جس کا حصول شہوت کے پورا ہونے سے زیادہ لذیذ و پاکیزہ ہے۔

یا اس کی وجہ سے کوئی ذلیل تم تک پہنچنے کا راستہ پالے گا کہ اس سے قبل تم اس کی پہنچ سے دور تھے، یا تمہیں ایسا رنج والم پہنچے گا کہ لذت شہوت اس کا بدل نہ بن سکتی ہوگی، یا تم کسی علم کو بھلا بیٹھو گے کہ جس کی یاد اس کے بھلانے سے بہر حال شہوت کے حصول سے زیادہ لذت والی ہے، یا اس کی وجہ سے دشمن کو گالی گلوچ، اور دوست کو غمگین کرو گے، یا تم میں ایسا عیب پیدا ہو جائے گا کہ جو ہمیشہ وصف (بد) بن کر تم میں رہے گا، کیونکہ مختلف قسم کے کاموں سے انسان میں عیوب اور اوصاف (بد) پیدا ہو جاتے ہیں۔

سبحان اللہ رب العالمین: اگر گناہوں اور معاصی کے چھوڑنے میں صرف شرافت کا قیام، عزت کا بچاؤ، مرتبہ کی حفاظت، اس مال کا بچاؤ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کے منافع کے حصول کا سبب بنایا ہے، مخلوق کی محبت، ان کے درمیان بات کا اعتبار، معیشت کی درستگی، جسم کی راحت، دل کی مضبوطی، نفس کی پاکیزگی، دل کی آسانی، سینے کا انشراح، فاسقوں، فاجروں کے ڈر سے امن، پریشانی غم و ملال کی کمی، ذلت کے احتمال سے نفس کی بچت، گناہ کی تاریکی سے دل کے نور کے بجھ جانے سے تحفظ، ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ کہ جو گناہوں سے بچنے والوں کے لئے وسیع اور فاسقوں فاجروں کے لئے تنگ ہوتا ہے، بن دیکھے رزق ملنے کی آسانی کہ جو گناہ گاروں نافرمانوں کے لئے مشکل ہوتا ہے، نیکی کا حصول آسان ہو جانا، حصول علم کی فراوانی، لوگوں میں اچھی شہرت، اور کثرت دعاء، ایمانی حلاوت جو اس کی ذات کو حاصل ہوتی ہے، وہ رعب جو لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے، لوگوں کی طرف

سے اس کی مدد اور اس کے لئے غیرت کہ جب اس کو تکلیف پہنچائی جائے یا اس پر ظلم کیا جائے، اور جب اس کی غیبت ہو تو لوگوں کی طرف سے اس کا دفاع، جلد دعا کی قبولیت، اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان اجنبیت کا خاتمہ، فرشتوں کا قرب، شیطان اور انسان نما شیطانوں سے دوری، لوگوں کے درمیان اس کی خدمت اور اس کی ضرورت پوری کرنے کے بارے میں ایک دوسرے سے سبقت، اس کی محبت اور ہمنشینی کی وجہ سے اس کو پیغام نکاح دینا، موت سے نہ ڈرنا بلکہ اس کے آنے اور رب سے ملنے کی خوشی، دنیا کا اس کی نظروں میں حقیر ہو جانا، آخرت کا عظیم ہو جانا، اور آخرت میں بڑی کامیابی اور بادشاہت کے حصول کا شوق، نیکی کے مزہ کو چکھنا، ایمان کی حلاوت کو پانا، عرش اٹھانے والے اور اس کے اردگرد رہنے والے فرشتوں کی اس کے لئے دعا، اعمال لکھنے والے فرشتوں کا اس سے خوش ہونا، اور اس کے لئے ہر وقت دعا کرنا، عقل وفہم ایمان ومعرفت کی زیادتی، اللہ کی محبت کا حصول، اللہ تعالیٰ کی توجہ، اس کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کا خوش ہونا ہی حاصل ہو تو گناہوں اور نافرمانیوں کے چھوڑنے پر ابھارنے کے لئے کافی ہے۔

یہ تو گناہ چھوڑنے پر دنیا میں بعض حاصل ہونے والے فوائد ہیں لیکن جب انسان مر جاتا ہے تو فرشتے اپنے رب تعالیٰ کی جانب سے اس کا جنت کی خوشخبری سے استقبال کرتے ہیں اور اس کو خوف وغم نہ ہونے اور دنیا کے قید خانے اور تنگی سے جنت کے باغات کہ جن میں قیامت تک نعمتیں حاصل ہوں گی کی طرف منتقل ہونے کا مژدہ سناتے ہیں، پھر جب روز قیامت ہوگا تو لوگ گرمی اور پسینے میں شرابور ہوں گے اور یہ عرش کے سائے میں ہوگا، پھر جب لوگ یہاں سے ہٹیں گے تو اس کو اللہ جل جلالہ اپنے دائیں طرف نیک لوگوں اور اپنے کامیاب پرہیزگار دوستوں کے ساتھ رکھیں گے۔ "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ" (از

کتاب "الفوائد" صفحہ ۴۱، ۹۷، ۱۳۹، ۱۵۰، ۱۵۱)

گناہوں کے آثار اوران میں مصائب و آلام

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نافع اور عجیب کتاب "الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی" میں گناہوں اور معاصی کے آثار جوان کے کرنے والے پر پڑتے ہیں شمار کرائے ہیں، اور ان کے ہر ہر اثر کو تفصیل سے کھول کر مدلل اس کے سبب کے ساتھ بیان کیا ہے جو کہ صفحہ ۵۲ سے لے کر صفحہ ۱۶۶ تک ایک سو سے زائد صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جن میں سے میں صرف ان کے عنوانات کے خلاصہ کو یہاں نقل کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں: گناہوں کے بد اور نقصان دہ اثرات جو انسان کے قلب و جسم پر دنیا و آخرت میں پڑتے ہیں، اتنے زیادہ ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ان کو کوئی نہیں جانتا۔ جن میں علم ورزق سے محرومی، گناہگار اور اللہ جل جلالہ کے درمیان اجنبیت، اسی طرح گناہ گار اور مخلوق کے درمیان معاملات کا پیچیدہ ہو جانا، دل، چہرہ اور قبر میں تاریکی، قلب و بدن کا ضعف، نیکی سے حرمان، عمر کی کمی ہے، گناہ گناہ کو جنم دیتا ہے اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے، دل کے ارادہ اور رجوع الی اللہ (اللہ کی طرف میلان) کو کمزور کر دیتا ہے، اور اس کی وجہ سے گناہ کی برائی انسان کے دل سے مٹ جاتی ہے۔

گناہ انسان کے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہونے کا سبب ہے۔ اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا انسان و جانور کا محتاج بنا دیتا ہے، ذلت کو جنم دیتا ہے، عقل کو بگاڑتا ہے، اور گناہگار کے دل پر نقش ہو جاتا ہے اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت میں داخل کر دیتا ہے، جب کہ آپ کی دعاؤں کے ضمن میں آنے سے روکتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں کی دعاؤں سے کہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم برداری اور کتاب و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے کرتے رہتے ہیں۔

یہ (گناہ) دوزخ کی مختلف قسم کی سزاؤں کا سبب ہے، اور زمین میں مختلف قسم

کے پانی ہوا، کھیتیوں، پھلوں، آبادیوں کے فسادات کا موجب ہے۔ حیاء، غیرت، رب تعالیٰ کی تعظیم کو (دلوں سے) ختم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندہ کو بھلانے کا متقاضی ہے جہاں پر کہ انسان کی ہلاکت ہے انسان کو اخلاص کے دائرہ سے نکال کر مخلصین کے اجر سے محروم کر دیتا ہے، نعمتوں کو فناء کرنے، انتقام کو لازم کرنے، اور گناہگار کے رعب و دبدبہ کو دل سے نکالنے والا ہے۔ جیسے کہ دل زندگی اور صحت کے بعد مریض یا مردہ بن جاتا ہے، انسان کی بصیرت و سمجھ کو اندھا کر دیتا ہے۔

گناہ گار شیطان، برائی ڈالنے والے نفس، اور شہوتوں کا اسیر رہتا ہے، اس کے مقام و مرتبہ کو ختم اور تعریف کے اوصاف چھین کر مذمت کے اسباب پیدا کر دیتا ہے، علم، عمل، رزق، عمر اور ہر چیز کی برکات کو معدوم کر دیتا ہے (اس کی وجہ سے) انسان کو سب سے زیادہ جس ذات کی احتیاج ہے اس سے خیانت کرتا ہے، اور انسان کو اس کے دوست فرشتوں سے دور کر دیتا ہے، اس کے دشمن شیاطین کو اس سے قریب کر دیتا ہے، دل میں اثرات بد، میل، گناہ کی پختگی، اس کے سبب سے دل پر مہر لگنا، نفاق پیدا ہونا، بداخلاقی، شکوک و شبہات کو جلد قبول کر لینا، اور دوسرے مہلک امراض پیدا کر دیتا ہے، فی الجملہ دنیا و آخرت کی تمام وہ برائیاں جو دل اور بدن پر ہوتی ہیں عام ہوں کہ خاص ان کا سبب گناہ اور نافرمانیاں ہیں۔ انتہی۔

ان ہی معانی یعنی نیکی و بدی کے ارتکاب کے اثرات کو جلیل القدر تابعی، حافظ، امام، شیخ الاسلام، عابد بصرہ اور عالم سلیمان بن طرخان تیمی بصری متوفی ۱۴۳ھ نے بڑے خوب انداز میں بیان کیا ہے آپ کا قول ہے: نیکی دل کے نور اور عمل میں قوت کا باعث ہے، اور برائی دل کی تاریکی اور عمل کا ضعف ہے، جیسا کہ آپ کے حالات مندرجہ "حلیۃ الاولیاء" ۳/۲۰ میں ہے، میں آپ کو ان کے حالات کے مطالعہ کی وصیت کرتا ہوں، اسی طرح حافظ ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" ۱/۱۰ میں بھی ہے، ان کے

حالات نیکی کے عزائم اور اطاعت کے ارادوں کو مہمیز لگانے والے ہیں۔

گناہ کے نقصانات میں سے ایک بارش کا رک جانا ہے اس کے بارے میں ایک شعر

اس بارے میں کہا گیا ہے: یمُرُّ السحاب علی بلدۃٍ بماءٍ مَعین من المُعْصِراتٌ یرید النزول فلایستطیع لِمَا حَلَّ بھا من المکراتْ خوشگوار پانی سے بھرے ہوئے نچڑنے والے بادل جب کسی شہر کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے گزرتے ہیں اور وہاں برسنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو وہاں پر ہونے والے گناہوں کی وجہ سے نہیں برس پاتے۔

اس مضمون کے اتنا لمبا ہونے پر معذرت چاہتا ہوں، لیکن یہ ایک بڑے مرض (گناہ) سے نجات کی ایک کوشش ہے، ہم لوگ خوب گناہ اور بڑھ چڑھ کر نافرمانی کرتے ہیں اس لئے ہم حاجت مند ہیں کہ ہمیں خوب بھرپور نصیحت کی جائے شاید کہ ہم لوگ ان سے رک جائیں، اور علام الغیوب ذات کی طرف رجوع کرلیں۔

امام ابن الجوزی کا گناہوں سے ڈرانا

یہ امام ابن الجوزی کا کلام ہے جو انتہائی نافع، پاکیزہ اور گناہوں کے چھڑانے میں پرتاثیر ہے آپ فرماتے ہیں: گناہوں سے بچو اور دور رہو، کیونکہ ان کا انجام برا ہے، نافرمانی سے بچو اور دور رہو، خاص کر تنہائی کے گناہوں سے، کہ اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنا (بذریعہ اس کی نافرمانی) بندے کو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گرادیتا ہے۔

گناہوں سے اسی کو لذت ملتی ہے کہ جو ہمیشہ غفلت میں رہے، وہ مؤمن کہ جو ہردم بیدار ہے وہ ان سے تلذذ نہیں کرسکتا، کیونکہ جب وہ لذت حاصل کرنے لگتا ہے تو اس کا علم اس کے حرام ہونے کے بارے میں اس کے آڑے آجاتا ہے، اور اس کو اس کے انجام بد سے ڈراتا ہے۔ اگر اس کی پہچان قوی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو جو کہ گناہوں سے روکنے والی ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے، تو اس کی لذت سے

خوب جان لو! جس طرح دن کی روشنی اندھے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی، اسی طرح علم کی روشنی سے صرف تقویٰ والے لوگ ہی مستفید ہوتے ہیں۔ مردوں کو جس طرح کوئی دواء نافع نہیں ہوتی، اسی طرح صرف دعوی کرنے والے لوگوں کو ادب مفید نہیں۔ جس طرح تیز بارش سے صاف چٹان پر کچھ نہیں اگتا اسی طرح دنیا کی محبت رکھنے والے دل میں نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا[1] جو اپنی خواہش کے تابع ہو جائے اس

اس کی زندگی مکدر ہو جاتی ہے اور اگر خواہش کا نشہ چھا جائے تو بھی دل اس قسم کے خیالات سے مکدر رہتا ہے، اور اگر اس کی طبیعت ہی شہوت بن جائے تو بھی وہ ایک لمحہ کو ہی حاصل ہوگی پھر ہمیشہ کی رسوائی، دائمی پریشانی، ہر وقت کا رونا، ماضی پر افسوس، جو ہمیشہ کے لئے رہتا ہے، اگر معافی کا یقین بھی ہو جائے تب بھی ناراضگی کا خطرہ تو ہے۔

گناہوں پر تف ہے ان کا انجام کتنا قبیح ہے؟ ان کی کہانی کس قدر بری ہے۔ (صید الخواطر ۱/۱۸۵)

استاذ سباعی کا قول: گناہ پر اصرار کرنے والا حیوان ہے

استاذ، مجاہد، داعی کبیر شیخ مصطفیٰ سباعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: جب تمہارے دل میں گناہ کا خیال پیدا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی یاد دلاؤ، اگر باز نہ آئے تو انسانی اخلاق کو دہراؤ، پھر بھی نہ رکے تو لوگوں کے مطلع ہونے پر رسوائی اس کے سامنے لاؤ، پھر بھی اگر باز نہ آئے تو سمجھ لو کہ اب وہ انسان سے حیوان بن گیا ہے۔ از کتاب "هكذا علمتني الحياة" صفحہ ۳۲۔ اے دلوں اور نظروں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو دین پر قائم و ثابت رکھ۔

[1] مالک بن دینار نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا! اس عالم کی کیا

کا ادب کم ہو جاتا ہے، جو اپنے علم کی راہنمائی کے مطابق عمل نہ کرے اس کی جہالت بڑھ جاتی ہے، جسے خود کوئی دوا نافع نہ ہو وہ دوسرے کا علاج کس طرح کر سکتا ہے؟ خوب سمجھ لو! لوگوں میں سب سے بڑھ کر بدنی راحت پانے والے، اور کم فکر والے لوگ وہ ہیں جو دنیا سے بے رغبت ہیں۔[1]

سزا ہے کہ جو دنیا سے محبت کرنے لگے؟ آپ نے فرمایا اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے، جب اسے دنیا سے محبت ہے تو وہ اس کو آخرت والے اعمال سے طلب کرے گا، اس وقت اس سے علم کی برکات رخصت ہو جائیں گی، محض علم کا نشان باقی رہ جائے گا۔

(از "البدایۃ والنہایۃ" ابن کثیر ۹/۲۶۸)

[1] بادشاہوں سے بڑھ کر پرسکون زندگی والے کا بیان

یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ بدنی راحت و آرام والے لوگ زہد والے جو دنیا سے بے رغبت ہیں۔ کسی نے محمد بن واسع تابعی بصری سے عرض کیا مجھے نصیحت کیجئے۔ انہوں نے فرمایا: میں تمہیں ایسی نصیحت کروں گا کہ تم دنیا میں رہتے ہوئے فرشتے بن جاؤ گے، اس نے کہا! یہ کس طرح ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا! دنیا سے بے رغبتی اختیار کر لو (تو یہ وصف حاصل ہو جائے گا)۔ (تاریخ الاسلامی، امام ذہبی ۵/۱۵۹)

جی ہاں بالکل! زاہد لوگ دنیا میں بادشاہوں سے زیادہ عیش و عشرت اور پاکیزہ زندگی والے ہیں۔ حافظ ابن کثیر خلیفہ متوکل باللہ (جعفر بن المعتصم بن الرشید) متوفی ۲۴۷ھ کے حالات میں لکھتے ہیں: متوکل کے وزیر فتح بن خاقان کہتے ہیں کہ ایک دن میں متوکل کے پاس گیا، دیکھا تو وہ سر جھکائے کسی فکر میں مستغرق ہے، میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین کس چیز نے آپ کو متفکر کر دیا ہے؟ کہ روئے زمین پر کوئی بھی آپ سے بڑھ کر پاکیزہ زندگی والا خوش عیش نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا، کیوں نہیں، وہ انسان جو ایک کشادہ گھر، نیک بیوی، اور فارغ البالی کا مالک ہے، وہ ہمیں نہیں پہچانتا

کہ ہم اسے ستائیں اور نہ اسے ہماری احتیاج ہے کہ ہم اس کو حقیر جانیں (وہ ہم سے بڑھ کر خوش عیش و پاکیزہ زندگی رکھتا ہے)۔

رشک جہاں امیر (بادشاہ) کہ جس کی جان پر بنی ہوئی ہے

(شیخ) عبدالفتاح فرماتے ہیں: متوکل (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے صحیح کہا۔ پرانے وقتوں سے یہ مثل مشہور ہے "السلطان من لا یعرفه السلطان" بادشاہ تو وہ ہے کہ جسے بادشاہ نہ پہچانتا ہو۔ میں نے پاکستان کے شمالی علاقوں میں کسی عالم سے ایک واقعہ سنا (کہ جو عجیب ہے) وہاں کے کسی آدمی نے بادشاہ سے ملاقات کی، بادشاہ نے اس سے اس کا حال احوال پوچھا۔ تو اس آدمی نے غموں اور پریشانیوں کی شکایت کی کہ مصیبتوں نے گھیر رکھا ہے۔ اور بادشاہ سے کہنے لگا: آپ بابرکت ہیں کہ آپ کی زندگی انتہائی خوبصورت ہے، آپ کا کھانا، سونا، خوشگوار زندگی مکدرات (پریشان کن حالات) سے پاک ہے۔ آپ بادشاہ ہیں ہر چیز آپ کی خدمت میں پہنچتی ہے۔ بادشاہ اس وقت تو خاموش رہا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرے وقت میں بادشاہ نے اسے کھانے پر بلایا، اور کھانے کی جگہ کے عین اوپر اس کے سر پر ایک کچے دھاگے سے تلوار باندھ کر لٹکا دی، جو کسی وقت بھی سر پر پڑ سکتی تھی، جب اس آدمی نے سر پر معلق تلوار کو دیکھا کہ کسی بھی لمحہ وہ سر پر آ سکتی ہے تو کھانا اس کو بھول گیا، مبادا تلوار سر پر نہ آ جائے۔ بادشاہ نے اس سے کہا کھانا کھائیے کہ ہر قسم کے کھانے لذیذ و پاکیزہ آپ کے سامنے چنے ہوئے ہیں، اس نے کہا اس تلوار کے گرنے کے خوف نے مجھے کھانے کی لذت اور اس کی طرف متوجہ ہونے سے روک رکھا ہے۔

بادشاہ نے اس سے کہا کہ میری زندگی کی یہی مثال ہے جس پر تم رشک کر رہے تھے اور ناواقفی کی بناء پر اس کی تمنا کر رہے تھے، یہ زندگی ایسی ہے کہ ہر وقت سر پر تلوار پڑنے کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ مجھے ہر وقت دشمن سے یا کسی بھی حریف بادشاہت کا

سب سے زیادہ دلی طور پر تھکنے، اور مشغول (پرگندہ حال) لوگ وہ ہیں جو دنیا کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ زہد کے لئے سب سے زیادہ مددگار صفت اپنی تمناؤں کو لمبا نہ کرنا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ کی پہچان رکھنے والے لوگوں کے حالات سے قرب رکھنے والی بات اللہ جل جلالہ کی نگرانی کی یاد دہانی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (النساء: آیت ۱)

"بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔" جان لو! سچائی سے قریب کوئی راستہ، اور علم سے زیادہ کوئی دلیل کامیاب، اور تقویٰ سے بڑھ کر زادراہ نہیں ہے۔[2]

لالچ کرنے والے سے دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں مجھے دھوکے سے، کھانے میں زہر ملا کر، یا اچانک قتل نہ کر دے، یا دفعۃً بغاوت کر کے بادشاہت پر قبضہ کر لے۔ تو میں ہر لمحہ مسلسل خوف، اضطراب، پریشانی، احتیاط و تحفظ رکھتا ہوں زندگی تو تمہاری پرسکون خوشگوار ہے۔ اطمینان سے سونا، سکون سے چلنا، سفر و حضر میں آرام، تو تمہاری زندگی قابل رشک ہے نہ کہ میری۔ اب اس آدمی کو یقین ہو گیا کہ میں غلطی پر تھا اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

[1] نہج البلاغۃ میں حضرت علی کی طرف یہ قول منسوب ہے، زہد سارا کا سارا قرآن پاک کے ان کے دو کلموں میں ہے:

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتَاكُمْ﴾

ترجمہ: "جانے والی چیز پر افسوس اور آنے والی چیز پر خوشی نہ ہو۔"

تو جو ماضی میں نہ ملنے والی چیز پر غمگین نہ ہوا، اور آنے والی پر خوش نہ ہوا تو اس نے زہد کے دونوں اطراف کو حاصل کر لیا۔

[2] تقویٰ بہترین خصلت ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يَا أُوْلِي الْأَلْبَابِ﴾

"اور زادہ راہ لے لیا کرو بے شک بہتر فائدہ زاد رہ کا بچنا ہے سوال سے۔"

اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ تقویٰ کا حکم ہر شریعت میں رہا ہے، فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾

"ہم نے حکم دیا ہے پہلے کتاب والوں کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے۔"

علامہ فیروز آبادی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: معلوم ہوتا ہے کہ اگر تقویٰ کے علاوہ کوئی اور خصلت دنیا میں بندوں کیلئے زیادہ اصلاح والی، خیر کی جامع، سب سے بڑے اجر و ثواب والی، عبادت میں بڑھ کر، مرتبہ میں زیادہ، حال کے مناسب، مستقبل کے اعتبار سے نجات دینے والی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا حکم فرماتے، اور اپنے مقربین کو اس کی نصیحت کرتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کمال حکمت و رحمت والے ہیں۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے سب اولین و آخرین کو اسی خصلت وصفت کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور اسی پر اکتفاء فرمایا تو ہم نے یہ بات سمجھ لی کہ یہ وہی انتہاء ہے کہ جس کے بعد کوئی انتہاء نہیں، اور اس سے کم کوئی درجہ نہیں اور اللہ عزوجل نے ہر قسم کی نصیحت و وصیت، راہنمائی و راہبری، راستہ و ادب، تہذیب و تعلیم کو اسی نصیحت میں جمع کر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾

"اللہ قبول کرتا ہے تو پرہیز گاروں سے۔"

سے معلوم ہوتا ہے کہ کام کی اصل تقویٰ ہے۔

(بصائر ذوالتمییز فی لطائف الکتاب العزیز، ۲/۱۱۶)

دلی وساوس کو ختم کرنے والی چیز میں نے لایعنی کاموں سے پرہیز سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھی۔ اور فطرت سلیمہ سے زیادہ کوئی چیز دل کو روشن کرنے والی نہیں ہے۔[1]

[1] فطرت سلیمہ مؤمن کے لئے جنت میں داخلے کا سبب ہے

دل کا کینہ، حسد کھوٹ اور تمام باطنی بیماریوں سے محفوظ ہونا جنت میں جانے کا سبب ہے، امام احمد اپنی ''مسند'' میں بخاری ومسلم کی شرط والی سند سے روایت کرتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا: ابھی تمہارے پاس جنت والوں میں سے ایک انسان آئے گا، چنانچہ انصار میں سے ایک آدمی (سعد بن ابی وقاص) تشریف لائے، کہ آپ کی داڑھی سے وضو کے پانی کے قطرات نچڑ رہے تھے، اور آپ نے جوتے اپنے بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھے تھے۔ دوسرے دن آپ نے پھر ایسی ہی بات فرمائی تو پہلی مرتبہ کی طرح وہی تشریف لائے، تیسرے دن آپ نے پھر وہی پہلی والی بات فرمائی اسی طرح وہی پہلے والے آدمی تشریف لائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے گئے، تو عبداللہ بن عمرو بن العاص ان صاحب کے پیچھے ہو لئے اور ان سے کہنے لگے کہ میرا اپنے والد سے جھگڑا ہو گیا ہے تو میں نے قسم کھائی ہے کہ تین دن گھر نہیں جاؤں گا لہٰذا آپ مجھے اپنے گھر میں ٹھہرائیں کہ وہ تین دن میں آپ کے ہاں قیام کرسکوں، انہوں نے حامی بھرلی، حضرت انس فرماتے ہیں کہ عبداللہ بتلایا کرتے کہ میں نے تین راتیں ان کے ساتھ گزاریں، تو میں نے انہیں رات میں نماز وغیرہ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہاں یہ ہے کہ جب رات وہ پہلو بدلتے اور جاگتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے۔ صبح کی نماز کے لئے اٹھنے تک ان کا یہی معمول تھا۔

مؤمن کی عزت اس کے تقویٰ میں[1] اس کا حلم صبر میں، عقل اس کی خوبصورتی، محبت درگزر وعفو سے کام لینے میں، اور اس کی شرافت تواضع (عاجزی) اور نرمی میں ہے، خوب سمجھ لو! مالداری کو پسند کرنا جب کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے فقر کو منتخب کرلیا ہو، خود غضبنا کی ہے۔ اور فقر کو چاہنا جب کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے

عبداللہ کہتے ہیں کہ (ان تین دنوں میں) میں نے ان سے خیر کے علاوہ کوئی کلمہ نہیں سنا۔

جب تین راتیں گزر گئیں تو قریب تھا کہ میں ان کے عمل کو چھوٹا سمجھوں میں نے ان سے کہا: اے بندہ خدا! میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی ناچاقی وغصہ کی بات نہیں ہوئی لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے بارے میں تین دن ایسی بات سنی تو میرا ارادہ ہوا کہ تمہارے ساتھ رہ کر تمہارا عمل دیکھوں تو میں بھی ایسا ہی عمل کرسکوں، لیکن میں نے دیکھا کہ آپ زیادہ اعمال نہیں کرتے، تو وہ کیا بات ہے کہ جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بات فرمائی کہ جو آپ تک پہنچ چکی ہے؟ انہوں نے کہا بات تو وہی ہے کہ جو تم دیکھ چکے ہو جب میں ان سے آنے کے لئے مڑا تو پھر انہوں نے فرمایا: ہاں بات تو وہی ہے جو تم دیکھ چکے اس کے علاوہ یہ ہے کہ میں کسی مسلمان کے بارے دل میں کوئی کھوٹ نہیں رکھتا، اور اللہ تعالیٰ نے جو بھلائیاں اس کو دی ہیں ان پر حسد نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ نے کہا: یہی وہ بات ہے کہ تم جس کی وجہ سے اس مرتبہ تک پہنچ گئے اور ہمارے اندر اس کی طاقت نہیں۔

(مسند احمد ۱۱۶/۳)

دنیا کا ذلیل آخرت کے ذلیل سے بہتر ہے

جلیل القدر عالم، عابد، مجاہد، تابعی محمد بن واسع بصری فرماتے ہیں: دنیا کا ذلیل آخرت کے ذلیل سے بہتر ہے۔ (تاریخ اسلام ذہبی ۱۶۱/۵)

مالداری کو پسند کرلیا ہوا پنے اوپر ظلم ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی (ذات وعظمت) سے ناواقفیت کے سبب شکر سے دوری، اور کوتاہ علمی کی وجہ سے اوقات کا ضیاع ہے۔ کیونکہ مالداروں کے ایمان کو فقر، اور فقیر کے ایمان کو مالداری درست نہیں کرسکتی جیسا حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندوں میں بعض ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو فقر ہی درست رکھ سکتا ہے، اگر میں انہیں مالدار کردوں تو یہ ان کو بگاڑ دے گا[1]۔ اور میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو محض مالداری قائم رکھ سکتی ہے، اگر میں انہیں غریب ومحتاج کردوں یہ فقران کو بگاڑ دے گا[2]۔

له "مِنَ الْعِصْمَةِ أَنْ لَّا تَجِدَ" "مال کا نہ ملنا گناہ سے حفاظت ہے۔"

یہ حکیمانہ مقولہ ہے یعنی فقر بعض لوگوں کے لئے یا بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی مخالفت ونافرمانی میں پڑنے سے حفاظت کا سبب بن جاتا ہے، جیسا کہ شاعر ابن ہباریہ (محمد بن محمد عباسی) بغدادی متوفی ۵۰۹ھ پہلے شراب پیتا تھا پھر اس نے چھوڑ دی اور ظریفانہ انداز میں یہ اشعار کہے:

يقول أبوسعيد إذرآني ❁ عفيفًا منذ عامٍ ما شربتُ

على يدِ أيِّ شيخ تبت قل لي؟ ❁ فقلت على يد إلافلاس تبتُ

ابوسعید نے جب مجھے دیکھا کہ میں نے ایک سال سے شراب پینا چھوڑ دی ہے تو مجھ سے کہا کہ تم نے کس شیخ کے ہاتھ پر (بیعت ہوکر) توبہ کی ہے تو میں نے جواب میں کہا: کہ میں نے فقر وافلاس کے ہاتھ پر توبہ کی ہے، (یعنی فقر کی وجہ سے شراب نہیں ملی تو پینا ہی چھوڑ دی)۔

کله اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾

"تیرا رب کھول دیتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور تنگ بھی وہی

کرتا ہے، وہی ہے اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا۔''

آیت مبارکہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی دونوں بعض لوگوں کے لئے اچھی ہوتی ہیں اور بعض کے لئے نہیں۔

مالداری (اور ثروت) کے اپنے فتنے ہیں مال پر اترانا، سرکشی، حرام مال کمانا، نافرمانی میں لگانا، دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں فخر وغرور کرنا، مرتبہ واثر ورسوخ کا حاصل ہونا، اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں بخل اور ان کے علاوہ دوسری برائیاں ہیں۔

اسی طرح فقر کے بھی اپنے فتنے ہیں مالداروں سے حسد ان کے اموال کی حرص، ایسی چیزوں میں اپنی عزت کھونا کہ جو آبرو و دین دونوں کو زخمی کرنے والی ہیں، اللہ کی تقسیم پر راضی نہ رہنا، اور اس کے علاوہ ایسی باتیں ہیں کہ جن کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوا، فقر کے فتنہ ہونے کے لئے یہی بات بہت کافی ہے کہ یہ انسان کو رشوت و چوری جیسی لعنتوں میں مبتلا کر دیتا ہے یوں بھی کہہ سکتے ہیں: کہ مالداری وفقر اپنی ذات کے اعتبار سے دونوں قابل تعریف ہیں۔ اگرچہ جمہور علماء کا کہنا ہے کہ (مالداری کی بہ نسبت) فقر میں زیادہ حفاظت واحتیاط ہے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ فقیر انسان صابر اور مالدار شاکر ہو، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ دونوں چیزیں انسان کے لئے فتنہ ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو چیز آپ کو اللہ کے قریب کر دے وہ باعث برکت، اور جو دور کر دے وہ باعث نحوست ہے، خواہ وہ مالداری ہو کہ محتاجی وفقر۔ (از افادات ملا علی قاری ''مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح'' ۳/۱۳۶)

مصنف رحمہ اللہ نے جس حدیث کا ٹکڑا یہاں نقل کیا ہے یہ ایک حدیث قدسی (ضعیف) کا حصہ ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ أَهَانَ لِي وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِي بِالْمُحَارَبَةِ﴾

یہی حال تندرستی اور بیماری کا ہے۔[۱] پس جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ اس پر

''جس نے میرے کسی دوست کی توہین کی اس نے مجھے دعوت جنگ دی۔''

اس حدیث کو ابویعلی، بزار، طبرانی اور ابن ابی الدنیا نے ''کتاب الاولیا'' صفحہ ۱۰۰ پر ''مجموعہ رسائل ابن ابی الدنیا'' سے روایت کیا ہے، اور حکیم ترمذی، ابن مردویہ، ابونعیم، اور بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' صفحہ ۱۲۱، اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے، جس کی تفصیل حافظ ابن حجر کی کتاب ''فتح الباری'' ۱۱/۲۹۳۔ اور ''الاتحافات السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ'' صفحہ ۳۵، ۳۶ از علامہ محمد مدنی میں ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ''اس کی سند ضعیف ہے''۔ حافظ ابن رجب حنبلی کہتے ہیں: اس کی سند میں ہے ''حسن بن خشنی نے صدقہ بن عبداللہ دمشقی سے روایت کیا ہے۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں اسی طرح ہشام کنانی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں، اور ہشام غیر معروف (مجہول) ہیں۔ حضرت ابن معین سے پوچھا گیا کہ یہ ہشام کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ''لا احد'' یعنی غیر معتبر ہیں۔ انتہی۔ از ''جامع العلوم والحکم'' صفحہ ۳۱۴۔ حافظ ابن حجر ۱۱/۳۴۲ فرماتے ہیں ''ولی اللہ'' سے مراد، عارف باللہ، اللہ کا مطیع، اخلاص سے عبادت کرنے والا ہے۔

[۱] مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مذکورہ حدیث میں گزرا اسی طرح اللہ جل جلالہ بعض بندوں کو کسی مصلحت کی بناء پر صحت عطا فرماتے ہیں، کہ ان کی اصلاح صحت میں ہوتی ہے، اور بعض بندوں کو کسی مصلحت کی وجہ سے بیمار کر دیتے ہیں کہ ان کی اصلاح بیماری سے ہوتی ہے۔ الفاظ حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وإِنّ من عبادِیْ مَن لّا یُصلِحُ إیمانَہٗ إلّا السَّقَم، ولَوْ

اعتراض نہیں کرتا۔[۱] جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم عطا ہوا ہوتو وہ ان کے فیصلہ پر راضی رہتا ہے، اگر اہل علم کے لئے صرف یہی آیت ہوتی تب بھی کافی تھا ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ﴾[۲]

أَصْحَحْتُهُ لأفسَدَهُ ذلك. وإنّ منْ عبادِيْ من لَّا يصْلِحُ إيمانَهَ إِلَّا الصِّحَّةُ، ولَوْ أسقَمْتُهُ لأفسَدَهُ ذٰلِكَ، إِنِّيْ أُدبِّرُ عِبَادِي بعلْمِيْ ما فِيْ قُلُوبِهِمْ، إنّي عليْمٌ خَبِيْرٌ﴾

میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو صرف بیماری ٹھیک رکھ سکتی ہے۔ اگر میں اس کو صحت سے نواز دوں تو وہ بگڑ جائے، اور میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ جن کے ایمان کو صرف تندرستی وصحت درست رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو بیمار کر دوں یہ بیماری ان میں بگاڑ پیدا کر دے گی میں اپنے بندوں کے کاموں میں تدبیر اپنے علم کے مطابق ان کے دلوں کی باتوں کے لحاظ سے کرتا ہوں کہ میں خوب جاننے اور خبر رکھنے والا ہوں۔ انتہی۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

[۱] وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح متہم کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں فرماتے ہیں: "وأن اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا" اور کسی چیز کو احاطہ کر کے جاننا یہ ہے کہ اس کا وجود جنس، کیفیت، مقدار، مقصد (اس کے پیدا کرنے سے) اس کی اصل، ضرورت، اس کی اصلاح وفساد، اور منتہی وغایت معلوم ہو، اور ایسا علم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، لہٰذا جس کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا پختہ عقیدہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو متہم نہیں کر سکتا، کہ وہ علیم اور حکیم ذات ہے۔ کیا جس کو انہوں نے پیدا کیا وہ اس کو نہیں جانتے؟ کہ وہ باریک بین خوب خبر رکھنے والے ہیں۔

[۲] ترجمہ: "اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جس کو چاہے، اور پسند کرے جس کو چاہے۔" (القصص آیت:۶۸)

جاہلوں کے اخلاق، گناہگاروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے[۱] خود پسندوں کے دعووں، خودفریبی کا شکار لوگوں کی امید، اور مایوس انسانوں کی مایوسی سے اپنے آپ کو دور رکھو، حق پر عمل کرنے والے، اللہ جل جلالہ پر اعتماد کرنے والے نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے والے بنو۔[۲]

۱ے کیونکہ ان کا دل گناہوں کا ارتکاب کر کے سخت و تاریک ہو چکا ہے، سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: خوب توبہ کرنے والوں کے ساتھ اختلاط رکھو کہ یہ سب لوگوں سے نرم دل والے ہیں۔ ''روضۃ العقلاء'' ابن حیان صفحہ ۱۸، ''کتاب القصاص والمذکرین'' از علامہ ابن الجوزی صفحہ ۶۶ مروی از تابعی عون بن عبداللہ بالفاظ ذیل ''جَالِسُوا التَّوَّابِيْنَ فَإِنَّهُمْ أَرَقُّ قلوبًا''

۲ے امام بخاری روایت فرماتے ہیں: حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب ابولولو مجوسی نے خنجر مار کر زخمی کر دیا، اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب آپ کی شہادت یقینی ہے تو ''ہم حضرت کے پاس آئے لوگ آتے اور آپ کی تعریف کرتے'' (اس دوران) ایک نوجوان آیا اس نے کہا ''امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو خوش خبری ہو'' جب وہ نوجوان جانے لگا (تو آپ نے دیکھا) کہ اس کی شلوار زمین سے لگ رہی ہے (ٹخنوں سے نیچے ہے) آپ نے فرمایا لڑکے کو واپس بلاؤ، اس سے کہا: بھتیجے! اپنی شلوار اونچی کر لو، کہ اس سے کپڑے کی خوب صفائی، اور اپنے رب کا ڈر رہتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائیں) ذرا حضرت عمر کو دیکھئے کہ آپ نزع کی حالت میں جان دے رہے ہیں، تو موت کی سختیوں اور تکالیف نے آپ کو امر بالمعروف نہی عن المنکر اور اس نوجوان کو زیادہ پاکیزہ و تقویٰ والی بات کی نصیحت کرنے سے باز نہیں رہنے دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہیں، اور ہمیں ان کی سیرت طیبہ کی اقتداء کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں آمین۔

کہ جس نے اللہ جل جلالہ کے لئے اخلاص اپنایا اللہ تعالیٰ نے اس کی خیر خواہی (یعنی اس کی مدد ورہنمائی) کی، اور جو دوسروں کے واسطے سنورا، اللہ نے اسی کو رسوا کر دیا، جس نے اس ذات پر بھروسہ کیا وہ اس کے لئے کافی ہے، اور جس نے اس کے علاوہ پر اعتماد کیا اس نے اس کو ناراض کیا، جو اس سے ڈرا اس نے اس کو بے خوف کر دیا، جس نے اس کا شکر ادا کیا اس نے اس کو مزید دیا، جس نے اس کی اطاعت کی اس نے اس کو عزت دی، جس نے اس کو ترجیح دی اس ذات نے اس کو محبوب بنالیا، اور جسے اس کا مولی وآقا ہی محبت رکھے تو وہ کامیاب ہوگیا۔

اللہ عزوجل کے ساتھ عقل والا معاملہ کرنے[1]، اپنی خواہش پر عمل کرنے، حق کو چھوڑنے، باطل کی طرف جانے سے پرہیز کرو، اور توبہ کو بھول کر مغفرت کی تمنا (و امید) سے دور رہو۔

خوب سمجھ لو! اللہ تعالیٰ صرف اسی علم وعمل سے راضی ہوتے ہیں کہ جس کی جڑ ایمان کی وجہ سے مضبوط، شاخ اخلاص کی وجہ سے بلند، پھل تقویٰ کے سبب بارآور، دلیل ڈر کے باعث قوی، اور پردے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے لٹکے ہوئے ہوں۔

---

[1] ظاہراً مولف رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ انسان حساب وکتاب یعنی اپنی عبادت کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مقابلہ کر کے عبادت کرے، یا اس کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ تمہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ویقین عقل کے دائرہ میں نہ ہو کہ صرف اسی امر ونہی کو قبول کرو جس کو تمہاری عقل قبول کرے کہ عقل شریعت صحیح کے تابع ہے یعنی ہر حکم اور نہی میں اس کی بات ماننی پڑتی ہے سمجھ میں آئے کہ نہ آئے، اس کا الٹ نہیں ہے کہ شریعت عقل کے تابع ہو۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ شریعت ہر حکم عقل سلیم ومستقیم کے مطابق ہی دیتی ہے اس سے ہٹ کر نہیں دیتی البتہ وہ دقیق ہونے کی وجہ سے بعض اوقات سمجھ نہیں آتا۔

اپنے نفس کی سستی پر کبھی راضی نہ رہنا کہ عمل میں کمی کے بعد کوئی عذر قبول نہ ہوگا، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے کوئی بے نیاز ہوسکتا ہے۔

جان لینا چاہئے کہ انسان کی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس موجود چیزوں کے لئے اخلاص نیت کا ہونا[1] اور اس کے پسندیدہ کاموں کی توفیق ہو جانا، اور اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو اس عقل سے نوازتے ہیں اور علم کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔[2]

[1] اس کے متعلق تفصیل پہلے عنوان "اچھی نیت کی فضیلت اور بری نیت کا وبال" کے تحت گزر چکی ہے۔

[2] ائمہ اربعہ کے ہاں علم کی فضیلت نفل عبادت پر

خیال رہے کہ زائد از فرض علم کو نفلی عبادت پر فضیلت حاصل ہے، ائمہ اربعہ اور اکابر علماء کی یہی رائے ہے۔ حافظ ذہبی حضرت ابن عباس سے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں "ایک گھڑی علمی بحث مباحثہ پوری رات کے جاگنے سے بہتر ہے۔" (تذکرۃ الحفاظ ۱/۴۱)

حافظ ابن عبدالبر امام شافعی کے شاگرد ربیع بن سلیمان مرادی سے اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا آپ فرمارہے تھے "طلب علم نفل نماز سے بہتر ہے۔" ("الانتقاء" صفحہ ۸۴)

امام کشمیری (علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: فضیلت علم کا انکار مت کرو، کیونکہ امام ابوحنیفہ و مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ علم میں مشغولیت نوافل میں مشغولیت سے بہتر ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو روایتیں ہیں: ایک علم کی فضیلت کی دوسری جہاد کی فضیلت کی جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "منہاج السنۃ" میں ذکر فرمایا ہے۔ انتہی۔ از "فیض الباری علی صحیح البخاری" ۱/۱۶۲ کتاب

العلم۔ اس موضوع پر مذاہب ائمہ اربعہ کا بیان تعلیقات میں اس کتاب کے مقدمہ میں گزر چکا ہے۔

امام احمد کا امام ابوزرعۃ سے مذاکرہ علمی کے لئے نوافل کو چھوڑ دینا

امام ابوزرعۃ جو امامِ حدیث اور امام احمد بن حنبل کے ہمعصروں میں سے ہیں کے حالات میں ہے عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ جب ابوزرعۃ بغداد تشریف لائے تو میرے والد صاحب کے پاس قیام فرمایا۔ میرے والد صاحب ان سے بہت مذاکرہ (علم) فرماتے ایک دن میں نے والد صاحب سے سنا کہ میں نے آج فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھی کہ میں نے نوافل پر ابوزرعۃ سے مذاکرہ علمی کو ترجیح دی ہے۔ (از "طبقات الحنابلۃ" ۱/۲۹۹، قاضی ابن ابی یعلی، مناقب الامام احمد، ابن الجوزی صفحہ ۲۸۹)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "جامع بیان العلم وفضلہ" ۱/۲۱، ۲۷ "باب تفضیل العلم علی العبادۃ" میں اس کو جامع انداز میں بیان فرمایا ہے جس میں احادیث اور سلف کے اقوال بھی ہیں، آپ نے خوب سیر حاصل بحث کی اور اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے۔

امام ابن وہب علم کے لئے نفل عبادت ترک کر دیتے

اس میں ایک عجیب واقعہ ہے کہ بعض ائمہ کی عادت تھی کہ نفل عبادت کی وجہ سے تعلیم و تعلم کو چھوڑ دیتے، پھر ان کے چاہنے والوں میں سے کسی کو خواب میں اس کے خلاف دکھلایا گیا تو آپ عبادت کے لئے تنہائی کو چھوڑ کر اشاعت علم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

امام مالک ولیث وثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد، امام محدث، فقیہ، عابد وزاہد

عبداللہ بن وہب قرشی مصری متوفی ۱۹۷ھ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ ان کے بارے میں سحنون فرماتے ہیں "ابن وہب نے اپنی زندگی کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا، ایک حصہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے، دوسرا مصر میں لوگوں کی تعلیم کے لئے، تیسرا حج کے لئے۔ آپ نے چھتیس حج کیے۔ ان کے بھتیجے کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ سکندریہ میں جہاد میں مشغول تھا، لوگ ان کے پاس آئے اور ان سے پڑھانے کی درخواست کرنے لگے، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ یہ عبادت کا شہر (جگہ) ہے تو میں لوگوں کے ساتھ مشغولیت کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں پاتا، تو جن اوقات میں آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ان میں بیٹھنا چھوڑ دیا اور عبادت و پہرہ میں مشغول ہو گئے۔

دو دن کے بعد ان کے پاس ایک آدمی آ کر بتلانے لگا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجد حرام جیسی کسی بڑی مسجد میں ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، حضرت ابوبکر آپ کے دائیں، اور حضرت عمر آپ کے بائیں ہیں، اور آپ (ابن وہب) ان کے سامنے ہیں، مسجد میں ایسی قندیلیں ہیں جن کی روشنی چمکتی ہوئی خوبصورت اور تیز ہے، اچانک ان میں سے ایک قندیل بجھ گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا عبداللہ اس قندیل کو روشن کر دو، آپ نے روشن کر دی، پھر دوسری کے ساتھ بھی ایسا ہوا، پھر کچھ دنوں بعد آپ دیکھ رہے ہیں کہ ساری قندیلیں بجھنے کو ہیں تو حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ حضرت آپ ان ساری قندیلوں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ عبداللہ کا کام ہے جو ان کو بجھانا چاہتا ہے۔

یہ سن کر عبداللہ بن وہب رو پڑے، اس آدمی نے عرض کیا کہ میں تو آپ کو خوشخبری سنانے آیا تھا اگر مجھے علم ہوتا کہ یہ خواب آپ کو مغموم کر دے گا تو میں آپ

اور اس کو خوف الٰہی سے نواز تے ہیں۔[1] اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہیں،

کے پاس نہ آتا۔ آپ نے فرمایا یہ خواب خیر (وبشارت) ہے جس کے ذریعہ سے مجھے تنبیہ کی گئی ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ عبادت اشاعت علم سے بہتر ہے۔ تو آپ نے تعلیم کی وجہ سے بہت سے اعمال (صالحہ) چھوڑ دیئے اور لوگوں کو پڑھانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا پھر لوگ آپ سے پڑھتے اور سوال پوچھتے۔

("ترتیب المدارک" قاضی عیاض ۳/ ۲۶۱، ۲۳۴)

ابن وہب کہتے ہیں کہ میں امام مالک کے سامنے بیٹھا لکھ رہا تھا کہ نماز کھڑی ہوگئی (بعض روایتوں میں ہے) کہ موذن نے اذان دی، آپ کے سامنے کتابیں پھیلی ہوئی تھیں، میں جماعت کی طرف لپکا، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ! تم جس کام میں مشغول ہو یہ کام اس سے افضل ہے جس کی طرف تم جا رہے ہو بشرطیکہ نیت درست ہو۔ امام مالک کے شاگرد اور عالم اندلس، امام یحیٰ لیثی کہتے ہیں: جس کو طلب علم کے دوران موت آجائے اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک مرتبہ کا فرق ہوگا۔

[1] محمد بن واسع بصری کی دعاء اس شخص کے لئے جس نے آپ سے کہا تھا: مجھے آپ سے اللہ تعالیٰ کیلئے محبت ہے

یعنی اس کو اشفاق کی نعمت سے نوازتے ہیں اور اس کا مطلب ہے "خشیت الٰہی" سلف صالحین کے لئے خشیت بطور زیور و خوبصورتی کے تھی۔ حضرت حسن بصری کے شاگرد محمد بن واسع بصری سے۔ جنہیں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ زینت القراء کے نام سے یاد فرماتے، ان کا شمار عبادت گزار محدثین، مجاہدین و مرابطین، زہاد، عبادت کے لئے خلوت میں رہنے والے لوگوں میں ہوتا ہے۔ کسی نے کہا مجھے محض اللہ

تعالیٰ کی رضا کے لئے آپ سے محبت ہے۔ انہوں نے اس سے فرمایا! وہ ذات تم سے محبت رکھے کہ ''جس کی وجہ سے تم نے مجھ سے محبت رکھی اے اللہ میں آپ سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے مجھ سے محبت کی جائے اور آپ مجھ سے ناراض ہوں۔'' (از ''حلیۃ الاولیاء'' ابی نعیم ۲/۳۴۹)

آپ کے بعض محامد

ان کے کچھ حالات سے واقفیت ضروری ہے میں ان کی سیرت سے چند کلمات آپ کے سامنے نقل کئے دیتا ہوں، جب کہ اِن کے کچھ حالات گزر چکے ہیں اور کچھ آئیں گے۔

امام ذہبی اور ابن الجوزی راوی ہیں کہ حضرت جعفر بن سلیمان کہتے ہیں جب میں اپنے دل میں سختی محسوس کرتا تو محمد بن واسع کے پاس آ کر ان کے چہرے کی زیارت کرتا مجھے معلوم ہوتا کہ اس ماں کی طرح (پریشان) ہیں جس کا بچہ گم ہوگیا ہو۔

میدانِ کارزار میں اکیلے محمد کا نیزہ اچھالنا مجھے ایک ہزار تلوار بردار، اور نیزہ مارنے والے سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ قتیبۃ بن مسلم۔

(امام) اصمعی کہتے ہیں:

جب قتیبۃ بن مسلم نے ترکوں کے مقابلہ میں صفیں درست کیں، اور ان کے معاملہ نے اس کو خوف زدہ کر دیا تو محمد بن واسع کے بارے میں پوچھا (کہاں ہیں)؟ لوگوں نے بتلایا (ایک طرف اشارہ کر کے) وہ میمنۂ لشکر کے آخری کنارے پر اپنے نیزے کی انی کی طرف متوجہ ہیں اور اس کو انگلی سے آسمان کی طرف اچھال رہے ہیں،

قناعت سے اس کو بے نیازی عطاء فرماتے ہیں، اور اس کو اپنے عیوب دکھلا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں، صدق اور اخلاص ہر حال کی اصل اور بنیاد ہے، صدق سے صبر، قناعت، زہد (اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر) رضا، اور انس پیدا ہوتے ہیں۔ اور اخلاص سے یقین، خوف، محبت، تعظیم، حیا اور بزرگی پنپتی ہیں۔

ان تمام مقامات وحالات سے مؤمن کا واسطہ ہے کہ جن سے اسے گزرنا اور ان

قتیبہ نے کہا: یہ اکیلی انگلی مجھے ایک لاکھ سونتی ہوئی تلواروں، اور تیز ترین نیزوں کے پھلوں سے زیادہ محبوب ہے۔

جب ۱۳۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی تو سلیمان بن بلال تیمی (جو کبار علماء و محدثین میں سے ہیں) نے کہا: میں محمد بن واسع کے علاوہ کسی کے اعمال جیسے عمل لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں جانا چاہتا۔

جَسدٌ لفِّفَ فی أکفانِہٖ رحمة اللّٰه علی ذاك الجَسَدِ

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

قتیبہ بن مسلم باہلی

عرب کے لئے قابل فخر، عظیم فاتحہ قتیبہ بن مسلم باہلی، عبدالملک بن مروان کے دور میں رَی اور ان کے بیٹے ولید کے دور میں خراسان کے گورنر رہے، ماوراء النہر میں جہاد کے لئے اڑ کر پہنچے اور ان علاقوں میں گھستے چلے گئے۔ خوارزم، سجستان، سمرقند، وغیرہ بہت سے شہر فتح کئے چین کے آس پاس تک جہاد میں مصروف رہے۔ ان پر جزیہ لازم کیا، حتی کہ ان کی فتوحات نے شہرت حاصل کی، ماوراء النہر کے تمام علاقے زیر نگین آ گئے، آپ کی حکومت تیرہ سال تک رہی۔ ۹۶ھ میں وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (از "اعلام" زرکلی ۵/۱۸۹)

(ہی) سے اس کی حالت کی پہچان ہوتی ہے۔ چنانچہ مؤمن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والا ہے (اسی میں امید بھی پائی جاتی ہے) اور امیدوار ہے (اسی میں خوف بھی موجود ہے) اور صبر کرنے والا ہے اسی میں رضا بھی ہے۔ اور محبت کرنے والا ہے، اسی میں حیاء بھی ہے۔ ان تمام حالات میں سے ہر حالت میں قوت وضعف انسان کی معرفت (الٰہی) اور اس کے ایمان کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ پھر ان احوال میں سے ہر اصل کی تین علامتیں ہیں جن سے اس حالت کی صحیح پہچان ہوتی ہے، صدق تین چیزوں میں پایا جاتا ہے کہ وہ اس صدق کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتیں، دل کا صدق حقیقۃً ایمان کے پائے جانے میں ہے، نیت کا صدق اخلاص میں ہے، اور لفظ کا صدق کلام میں ہے (کہ ہر بات سچی کرے)۔

صبر تین چیزوں میں ہوتا ہے کہ وہ اس کے بغیر کامل نہیں ہوتیں، اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے صبر (رکنا) اللہ تعالیٰ کے احکام پر صبر (پابندی سے ان کو بجا لانا) مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کے حصول کی غرض سے صبر کرنا۔

قناعت تین چیزوں میں ہوتی ہے۔ مالداری وفراوانی کے بعد اس میں کمی، فقر و محتاجی کے اظہار سے بچنا جب کہ اسباب بالکل نہ ہوں یا کم ہوں، جب فاقہ آجائے تو اللہ عزوجل کی عبادت کے (مقرر کردہ حالات) واقعات سے سکون حاصل کرنا (کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز مقرر شدہ ہے اسی پر راضی رہنا)۔

قناعت کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہاء۔ ابتداء تو یہ ہے کہ وسعت (وطاقت) کے باجود فضولیات سے اجتناب کیا جائے، اور انتہاء یہ ہے کہ قلت وعدم اسباب کے باوجود اپنے کو غنی و مالدار سمجھتا رہے۔ اسی لئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قناعت، رضا سے اعلیٰ درجہ ہے، ان لوگوں کی مراد یہی ہے کہ قناعت مکمل ہو کیونکہ جو اپنے رب کی تقسیم پر راضی ہو وہ ہر حال (ملے نہ ملے) میں (خوش ہے) کہ رضا تبدیل نہیں ہوتی، (ملنے کی حالت میں بھی اس سے رضا پائی جارہی ہے جب کہ) قانع (خاص نہ ملنے

کی حالت میں، کیونکہ قناعت صرف اسی حالت میں ہوتی ہے) اپنے رب کی وجہ سے مالدار و مستغنی ہے (غیر سے) کہ زیادہ کی خواہش بھی نہیں رکھتا (جو کہ قناعت ہی سے ہے) ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قناعت رضا کا حصہ ہے اور اسی کی طرف لوٹتی ہے۔ (یعنی قناعت رضا کا جزء ہے کم پر راضی رہنا بھی تو رضا ہے۔ اور زیادہ کی خواہش نہ رکھنا بھی تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہنے کا حصہ ہے۔ تو اصلاً و مرجعاً اسی کا حصہ ہے)۔[1]

زہد تین چیزوں میں ہوتا ہے (کہ زاہد ان کے بغیر زاہد نہیں کہلا سکتا) اپنے ہاتھوں کو مملوکہ چیزوں سے خالی کر دینا (یعنی ان کو اپنی ملکیت نہ سمجھنا یا یہ کہ ان کو ملکیت سے نکال دینا) اپنے نفس کو صرف حلال کے ساتھ پاکیزہ رکھنا (یعنی حرام و مشکوک سے بچنا) اور اللہ تعالیٰ کی اکثر اوقات عبادت کی وجہ سے دنیا کو بھول جانا۔[2]

---

[1] غالباً امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی رضاء کی حالت (اپنے رب سے ملی ہوئی نعمتوں پر راضی رہنا) دو صورتوں میں ہوتی ہے۔ ① زیادہ نعمتیں ملیں ② کم نعمتیں میسر ہوں۔

دونوں ہی حالتوں میں بندہ سے رضا ہونی چاہئے۔ جب کہ قناعت میں ایک حالت ہوتی ہے کہ جتنا ملے اس پر صبر و شکر۔ گویا قناعت تنگی کی حالت میں ہوتی ہے جب کہ رضاء تنگی و فراخی دونوں حالتوں میں تو اس طرح قناعت کا مرتبہ اعلیٰ ہوا کہ یہ ہر حالت میں تنگی ہی پر دال ہے۔ البتہ قناعت مکمل ہو کہ ابتداء و انتہاء دونوں صورتوں کے ساتھ ہو۔

نیز یہ کہا جا سکتا ہے کہ بالآخر قناعت بھی رضاء ہی ہے، (کہ یہ نام ہے کم پر راضی رہنے کا) تو رضا اس قناعت کی صورت میں بھی حاصل ہے، لہذا رضاء بھی افضلیت میں شامل ہوگئی۔ (از مترجم)

[2] امام عبداللہ بن المبارک زاہد کی تعرف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اگر دنیا میں سے کچھ اس کو ملے تو خوش نہ ہو، اور کچھ ضائع ہو جائے تو غمگین نہ ہو۔“ (از آپ کے

تین اور چیزیں ہیں جن سے انسان زاہد بنتا ہے۔ احوال کے ہیر پھیر میں اپنے نفس کو (خلل انداز چیزوں، مانگنا، غیر اللہ سے امید وغیرہ سے) محفوظ رکھنا، مالداری والی جگہوں سے دور رہنا، اور ضرورت کے وقت وہ چیز جس کے بارے میں (حلال ہونے کا صحیح) علم ہو لے لینا۔

انس تین باتوں میں ہوتا ہے، علم اور اکیلے میں ذکر اللہ سے، تنہائی کے ساتھ معرفت (الٰہی) اور یقین سے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے (لو لگانے سے)۔[۱]

رضا تین چیزوں میں ہوتی ہے: اللہ جل جلالہ کے احکام ماننا، آپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اور آپ کے فیصلہ میں پسند کو چھوڑ دینا۔

رضا محبت کی ایک مربوط شکل، اس کا دوسرا نام توکل، اور یقین (وایمان) کی روح اور اصل ہے۔ حضرت ایوب سختیانی اور فضیل بن عیاض رحمہما اللہ تعالیٰ سے منقول ہے فرمایا کرتے: رضا توکل کا نام ہے۔

یہ مذکورہ بالا تمام صدق کے شعبے ہیں جو اپنی تمام تر تفصیل کے ساتھ معلوم ہو گئے، حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے: جب صادق کا صدق کامل ہو جائے تو وہ اپنی املاک کا مالک نہیں رہتا۔[۲]

حالات، "ترتیب المدارک" قاضی عیاض ۴/۴۰)

[۱] زیر عنوان "امام ابن تیمیہ کا جیل میں صبر اور انشراح صدر" میں شیخ ابن تیمیہ کی سیرت میں سے کچھ حالات گزر چکے ہیں جو اس معنی سے مناسبت رکھتے ہیں وہاں مراجعت کر لی جائے۔

[۲] فقیہ بہلول کی گرفتاری اور ان کی جیلر کے ساتھ سخاوت

امام بہلول بن راشد قیروانی، مالکی، جو علماء زہاد میں سے ہیں کے حالات میں ہے انہیں معلوم ہوا کہ امیر افریقہ محمد بن مقاتل عکی، اسپین کے سرکش بادشاہ کے ساتھ

نرمی و ملاطفت سے پیش آتا ہے، اس نے امیر سے گزارش کی اسے لوہا، تانبا، اور اسلحہ بھیجے، چنانچہ امیر بھیجنے کے لئے تیار ہو گیا، لیکن بہلول اس کے آڑے آ گئے، نصیحت کی اور اصرار کیا کہ اس کی بات ماننے سے باز رہے کیونکہ ایسا کرنا امیر کے لئے جائز نہیں ہے کہ یہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کے مترادف ہے۔

امیر نے ان کو پکڑ کر حاضر کرنے کا حکم دیا، یہ بات سن کر بہت سے لوگ بہلول کے پاس جمع ہو گئے (اور گرفتار نہیں ہونے دیا) یہ بات امیر کو مزید ناراض کرنے کا سبب بن گئی، اس پر امیر نے لشکر بھیجا جس نے لوگوں کو منتشر کیا (اور ان کو گرفتار کر لیا) امیر نے ان کے کپڑے اتروا کر کوڑے مارنے کا حکم صادر کیا، سب لوگ سامنے آ گئے کہ کوڑے بہلول پر نہ پڑیں، چنانچہ ان لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور بہلول کے ساتھ ان سب کو کوڑے لگائے گئے، بہلول کو بیس کوڑے لگائے گئے، اس کے بعد ان کو چھوڑ دیا گیا، کوڑوں کی وجہ سے زخم بن گیا جو بعد میں بگڑ گیا اور یہی ان کی موت کا سبب بن گیا، چنانچہ آپ اس کی وجہ سے فوت ہو گئے (۱۸۳ھ)۔

جب آپ کو کوڑے لگائے گئے اور جیل میں ڈال دیا گیا تو جیلر آپ کے پاس آیا کہ آپ کے زخموں کا علاج کروا سکے۔ آپ نے اس کو ایک دینار اور اس کے سب ساتھیوں کو ایک ایک درہم دے دیا کہ ان کو اپنے خرچ میں صرف کر دیں، تین دن تک آپ ایسا ہی کرتے رہے، اس پر بہلول کے ساتھیوں کو خدشہ ہوا کہ ان کے زخم کا علاج ہونے سے پہلے پہلے یہ رقم آپ کے پاس سے ختم ہو جائے گی تو انہوں نے جیلر اور ان کے ساتھیوں کو یہ کہہ کر منع کر دیا کہ زخم ٹھیک ہو گیا ہے دوبارہ نہ آئیں، جب وہ لوگ نہ آئے تو بہلول نے اپنے ساتھیوں سے جیلر کے متعلق پوچھا، اور شکوہ کیا کہ انہوں نے اس کو آنے سے منع کر دیا۔ ساتھیوں نے ان سے کہا کہ روزانہ ایک دینار؟ (یعنی یہ تو بہت زیادہ معاوضہ ہے) بہلول نے کہا اس سے کیا ہو گیا۔ ان کے ساتھیوں میں سے

اخلاص کا بیان یہ ہے کہ مخلص جب ہی مخلص کہلا سکتا ہے کہ اللہ عزوجل کو تمام شرکاء، امثال، بیوی اور اولاد سے (پاک و) یکتا سمجھے۔[1]

حفص بن عمارہ نے ان کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ میں نے سفیان ثوری سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اذا کَمَل صِدْقُ الصّادق لَمْ یَمْلك ما فِیْ یَدَیْه" کہ جب صادق کا صدق کامل ہو جائے تو وہ اپنی املاک کا مالک نہیں رہتا۔ یہ سنتے ہی بہلول ان کے ہاتھوں پر گر گئے اور ان کو چومنے لگے اور کہنے لگے! کیا تم نے خود یہ بات سفیان ثوری کو کہتے ہوئے سنی ہے؟ گویا کہ بہلول نے اس بات کو بہت تعظیم دی، اور انتہائی پسند کیا کہ اپنے ہی شاگرد حفص بن عمارہ کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگے۔ انتہی۔

مال جو بہت محبوب اور دنیا والوں کے ہاں گراں ہے صادقین اور اہل اللہ کے ہاں بہت ارزاں ہے کہ اس کو اپنے ہاتھوں سے خرچ کرنے کو اپنے دلوں کے لئے پاکیزگی تصور کرتے ہیں کیونکہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق کی وجہ سے ان کی بصیرت روشن ہو چکی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے حوال اقوال، و واقعات سے مستفید فرمائیں، رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ (از "ترتیب المدارک" قاضی عیاض ۳/۹۸،۱۰۱، "اعلام" زرکلی ۲/۵۵، "طبقات علماء افریقہ وتونس" ابی العرب قیروانی صفحہ ۱۴۰)

[1] اخلاص کے پانچ عجیب واقعات

یہاں اخلاص کے پانچ واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ جن سے حقیقت اخلاص مشاہدہ میں آئے گی، اور صرف اکیلے اللہ عزوجل کے لئے عبادت و عمل کی حقیقت واضح ہوگی۔

(۱) عامر بن عبد قیس اور جواہرات کا صندوق

امام ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں ۱۶ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں: جب

مسلمانوں نے مدائن فتح کر لیا اور تمام غنائم جمع کیں تو ایک آدمی ایک بڑا صندوق بیش قیمت جواہرات اور تحفوں سے بھرا ہوا لایا اور مال غنیمت جمع کرنے والے ذمہ دار کے سپرد کر دیا۔ لوگوں نے کہا: ہم نے اس جیسا خزانہ آج تک نہیں دیکھا ہمارے پاس جو کچھ جمع ہے وہ اس کے برابر تو کیا اس کے قریب کا بھی نہیں۔ انہوں نے اس لانے والے آدمی سے پوچھا کیا تم نے اس میں سے کچھ لیا ہے؟ اس نے جواب دیا، خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے وجود کا مجھے یقین نہ ہوتا تو میں اس کو جمع کرانے کے لئے کبھی نہ لاتا، وہ لوگ سمجھ گئے کہ یہ انسان ایک خاص (دینی) حیثیت رکھتا ہے، انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا واللہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا کہ تم میری تعریف کرنے لگو گے، اور نہ تمہارے علاوہ کسی کو بتاؤں گا کہ وہ میری تقریظ کرنے لگے، ہاں میں صرف اللہ تعالیٰ کی تعریف وثناء کرتا ہوں اور اس کے بدلہ پر راضی ہوں، (اور چلا گیا) ان لوگوں نے اس کے پیچھے کسی آدمی کو لگا دیا کہ اس کے بارے میں تحقیق کرے کہ کون ہے؟ معلوم ہوا کہ عامر بن قیس قیسی حضرمیؒ ہیں، جن کا شمار تابعین عابدین وزاہدین میں ہوتا ہے جنہوں نے بصرہ میں سب سے پہلے عبادت میں شہرت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (''تاریخ الامم والملوک'' ۱۷۶/۴)

(۲) ''سرنگ والے'' اور مسلمۃ کی دعاء کہ روز قیامت ان کی معیت حاصل ہو

ابن قتیبۃ کا بیان ہے: مسلمۃ بن عبدالملک نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا، اس قلعہ کی دیوار میں ایک سوراخ (سرنگ) تھا، سب لوگوں نے چاہا کہ کوئی اس میں داخل ہو سکے لیکن کوئی اندر نہ جا سکا، عام لشکر سے ایک آدمی آگے بڑھا اور اس میں گھس گیا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قلعہ کو فتح فرما دیا۔ مسلمۃ نے اعلان کروایا کہ وہ سرنگ میں

پھر انسان کا وحدانیت باری تعالیٰ کے عقیدہ کو درست کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات کا

داخل ہونے والا شخص کہاں ہے؟ لیکن کوئی نہ آیا پھر مسلمۃ نے اعلان کروا دیا کہ میں نے دربان سے کہہ دیا ہے کہ جب وہ شخص آئے تو اس کو میرے پاس بھیج دے، میں نے قسم کھائی ہے اس لئے ضرور میرے پاس آئے، دربان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس سے امیر کے پاس جانے کی اجازت مانگی، اس نے پوچھا کہ تم ہی سرنگ میں داخل ہونے والے ہو؟ اس نے کہا کہ میں تمہیں اس کے بارے میں بتلا سکتا ہوں، دربان نے مسلمۃ کو بتلایا، مسلمۃ نے اس کو طلب کر لیا، اس آدمی نے فوراً مسلمۃ سے سے کہا کہ سرنگ میں داخل ہونے والا تم سے تین باتوں کا عہد لینا چاہتا ہے: اول یہ کہ تم اس کا نام ڈائری میں لکھ کر خلیفہ کے پاس نہیں بھیجو گے، دوم یہ کہ اس کے لئے کسی انعام کا اعلان نہیں کرو گے، سوم یہ کہ اس سے نہیں پوچھو گے کہ تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو، مسلمۃ نے کہا کہ تینوں باتوں کا تم سے وعدہ ہے، اس نے بتلایا کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔

مسلمۃ اس واقعہ کے بعد جب بھی نماز پڑھتے تو اس طرح دعا کرتے: اے اللہ میرا انجام سرنگ والے کے ساتھ فرما دیجئے۔ (''عیون الاخبار'' ۱/۱۷۲)

مسلمۃ بن عبدالملک بن مروان بن الحکم، شام کے تابعین میں سے ہیں۔ کمانڈر، اور اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے۔ ان کی بہت فتوحات ہیں ۹۶ھ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا، وہاں مسجد مسلمۃ تعمیر کی۔ ترک اور سندھ میں ۱۰۹ھ میں جہاد کیا۔ ۱۲۰ھ شام میں فوت ہوئے، ذہبی کہتے ہیں: یہ اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ خلافت کے لائق تھے۔ (از ''اعلام'' زرکلی ۸/۱۲۲)

(۳) ابن عون بصری کا رومی کو اپنی ذات کو مخفی رکھ کر قتل کرنا

امام مقتدی، فقیہ، محدث، حافظ، عالم بصرہ، عابد، زاہد، مجاہد، حفظ، فقہ عبادت و

فضیلت میں بصرہ کے ستاروں میں سے ایک چمکتا ہوا ستارہ! عبداللہ بن عون بصری، (ولادت ۶۶ھ، وفات ۱۵۱ھ) کے حالات میں مندرجہ ذیل واقعہ ہے مفضل بن لاحق کہتے ہیں ہم رومیوں کے علاقے میں (مصروف جہاد) تھے کہ ایک رومی دعوت مبارزت (دعوت جنگ) دیتے ہوئے نکلا۔ ہماری طرف سے ایک آدمی نکلا اور اس کو قتل کر کے دوبارہ لشکر میں واپس آ گیا (یعنی اپنے آپ کو مخفی رکھنا چاہ رہا تھا) میں ان کے پیچھے ہو لیا کہ پہچان سکوں کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے منہ کو پونچھتے ہوئے سر سے خود اتارا تو وہ ابن عون بصری تھے۔ ("سیر العلام النبلاء" ۶/۲۶۸)

④ یعقوب بن جعفر کا شاتم رسول رومی کو تیر مار کر گرانا

صولی حکایت کرتے ہیں: یعقوب بن جعفر بن سلیمان نے ہم سے بیان کیا کہ میں عموریہ کی فتح میں خلیفہ معتصم باللہ کے ساتھ تھا، لوگوں کو پانی کی سخت احتیاج ہوئی تو معتصم نے دس میل سے چمڑے سے بنوا کر پانی کی نہر کھینچ کر لائی، اور اس کو عموریہ کی دیوار تک پہنچایا، معتصم کے لشکر میں اسی ہزار سیاہ و سفید گھوڑے اور اسی ہزار سیاہ گھوڑے تھے۔ رومیوں میں ایک آدمی تھا جو روزانہ شہر پناہ پر جا چڑھتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ونسب لے کر آپ کی شان میں عربی میں گالیاں دیتا اور گستاخی کرتا، مسلمانوں کو یہ بہت ناگوار گزرتا (بہت کوشش کے باوجود) کسی کا تیر وہاں تک نہ پہنچ پاتا، یعقوب کہتے ہیں کہ میں بہت اچھا تیرانداز تھا، (ایک دن) میں نے اس رومی کو نشانہ پر لے کر تیر مارا جو اس کے گلے میں جا اٹکا اور وہ دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ مسلمانوں نے (جوش سے) نعرہ تکبیر بلند کیا، معتصم کو بہت خوشی ہوئی اس نے تیر انداز کو بلوا لیا، چنانچہ مجھے اس کے پاس لایا گیا، مجھے پوچھا گیا تم کون ہو؟ میں نے اس کے سامنے اپنا نسب بیان کیا، اس نے اس بات پر شکر ادا کیا کہ اس تیر کا ثواب

اس کے حصہ میں آیا کہ جو اس کے خاندان (یعنی بنی عباس) میں سے ہے۔

پھر مجھ سے کہنے لگا کہ اس تیر کا ثواب مجھے فروخت کر دو، میں نے عرض کیا، امیر المؤمنین: کیا ثواب کی بیع ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا کہ میں تمہیں اس کی ترغیب دیتا ہوں پھر اس نے مجھے ایک لاکھ درہم کی پیش کش کی، میں نے کہا کہ میں اس ثواب کو نہیں بیچ سکتا، اس نے قیمت پانچ لاکھ تک پہنچا دی، میں نے پھر عرض کیا: میں اس ثواب کو دنیا اور اس میں موجود تمام ساز و سامان مال و متاع کے بدلے بھی نہیں بیچ سکتا، لیکن اس کا آدھا ثواب آپ کو بلا عوض دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو اس پر گواہ بناتا ہوں، اس نے کہا۔ "جزاك الله خيرًا"

اب میں خوش ہوں، پھر اس نے پوچھا تم نے تیر اندازی کہاں سیکھی ہے؟ میں نے بتلایا اپنے گھر میں۔ اس نے کہا وہ میرے ہاتھ بیچ دو۔ میں نے عرض کیا میں اس گھر کو ہر تیر اندازی سیکھنے والے کے لئے وقف کرتا ہوں۔ اس کے بعد ان کی طرف سے مجھے ایک لاکھ درہم ملے۔ (از رسالۃ "الصدر والرمایۃ والخیل")

کیا ہی خوب ہے یہ بادشاہ کہ جو اس جیسے تیر کے ثواب کو حاصل کرنے کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کرتا ہے اور کیا خوب ہے وہ انسان کہ جو اپنے تیر کے ثواب کو دنیا اور اس کے سامان کے بدلے بھی اپنا ثواب نہیں بیچنا چاہتا۔

شاعر کہتا ہے ؎

أقِلُّوا عليهم -لاأجالِأبيكم-
من اللّوم أو سُدّوا المكان الذی سَدّوا

ان پر ملامت کم کرو (تمہارا باپ نہ رہے) یا اس خلاء کو پر کرو جس کو انہوں نے پر کیا تھا۔

معتصم باللہ کا پورا نام ابو اسحاق محمد بن ہارون الرشید بن المہدی بن المنصور عباسی خلیفہ

ہے جو کہ بڑے خلفاء عباسیہ میں سے تھے۔ ۲۱۸ھ ان کے بھائی مامون کی وفات کے دن ان کی بیعت خلافت ہوئی، معتصم زور باز والے انسان تھے، اپنی دو انگلیوں (دونوں کا گول دائرہ بنا کر) سے انسان کا پونچا اتار دیتے، ان کے جسم میں دانت اثر نہ کرتے، روم کے مشرقی شہروں میں سے عموریہ کے فاتح ہیں، نرم خو اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کی مملکت کو خوب وسعت ہوئی، سفید سرخی مائل خوبصورت معتدل جسم والے، گھنی لمبی داڑھی والے تھے۔ ولادت ۱۷۹ھ اور وفات ۲۲۷ میں ہوئی۔ ("اعلام" زرکلی ۷/۳۵۱)

فتح عموریہ کا سبب

یہ روم کے بڑے شہروں میں سے ہے جو اب ترکی کا حصہ ہے، مضبوط شہر پناہ اور اونچے بڑے برجوں والا شہر تھا، محفوظ اور جنگ و اسلحہ کے اعتبار سے مضبوط تھا۔

عباسی خلیفہ معتصم کے اس کو فتح کرنے کا سبب ابن الاثیر نے یہ لکھا ہے کہ رومیوں کے ہاں ایک گرفتار ہاشمی مسلمان عورت نے صدا لگائی "وامعتصماه" ان کو یہ بات پہنچی تو آپ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے وہیں بیٹھے بیٹھے کہا: "لبيك لبيك" اسی وقت اٹھے اور اپنے محل میں چلا کر کہا "النفير النفير" (جنگ کی تیاری کر لو) اور گھوڑے پر سوار ہو کر محل سے نکل کھڑے ہوئے، موت کی وصیت لکھوائی فوج کو جمع کیا اور اتنے وقت تک عام لوگوں میں رہے کہ لشکر تیار ہو جائے۔ (یعنی محل میں نہیں گئے)۔

پھر روم کے شہروں کے بارے میں پوچھا کہ سب سے مضبوط کون سا ہے لوگوں نے بتلایا عموریہ اسلام کے آغاز سے ابھی تک اس پر کسی نے چڑھائی نہیں کی، اور یہ شہر رومیوں کے ہاں قسطنطنیہ سے بھی بڑھ کر مقدس ہے۔ آپ بنفس نفیس لشکر لے کے ۲۲۳ھ میں اس پر حملہ آور ہوئے اور ۵۵ دن کے طویل محاصرہ اور جنگ کے بعد اس

کو فتح کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

أولئك قومٌ إن بَنَو أحسنوا البُنَى
وإن عاهدوا أَوفُوْا وإن عقدُوا شَدُّوا

یہ ایسے لوگ تھے جن کے بارے میں حطیہ نے کہا ہے: یہ ایسی قوم کے لوگ ہیں کہ اگر تعمیر کریں تو خوبصورت بنائیں۔ وعدہ کریں تو وفا کریں باندھیں تو مضبوط کریں۔

⑤ ابو عمرو نجید کا اخفاء کرتے ہوئے رات کو مال لے کر آنا

علامہ تاج سبکی عالم، عابد، زاہد، محدث اپنے وقت کے شیخ الصوفیہ ابو عمرو بن نجید (اسماعیل بن نجید سلمی نیشاپوری) کے بارے میں فرماتے ہیں ''حاکم ان کے بارے میں کہتے ہیں (حاکم ان کے شاگرد بذات خود عالم، عابد، زاہد اپنے زمانہ میں تصوف، عبادت، معاملہ کے امام، خراسان کے محدثین میں سب سے زیادہ مستند، والد کی وراثت میں مال کا ایک بہت بڑا حصہ ملا، جس کو علماء و مشائخ زہد پر خرچ کر دیا ائمہ تصوف شیخ جنید، وابو عثمان حیری کے خدمت میں بہت عرصہ رہے) انہوں نے ابو سعید بن ابی بکر بن ابی عثمان سے کہ وہ اپنے دادا ابو عثمان کے بارے میں ذکر کرتے کہ انہوں نے سرحدات کے لئے (لوگوں سے) اشیاء کی امداد کا مطالبہ کیا۔ یعنی رباط (اسلامی سرحد کی حفاظت) کے لئے چندہ مانگا، (رباط ملک یا شہر کی ابتداء میں حفاظت کے لئے ایک جگہ بنائی جاتی جس میں عباد زہاد، سرحد کا پہرہ دینے والے لوگ رہتے ہیں) کیونکہ ان کی امداد موخر ہو گئی تو انہیں خطرہ ہوا کہ دشمن لوگوں کے سر پر نہ چڑھ آئے، تو ابو عمرو بن نجید عشاء کی نماز کے بعد دو ہزار درہم کی ایک تھیلی بھر کر لائے، ابو عثمان بہت خوش ہوئے اور ان کے لئے دعاء کی۔

ارادہ کرنا کہ ساری محنت کو اس (کی رضا) کے لئے مجتمع کرنا اور فرض و نفل میں اس کا خیال رکھنا۔

یقین کی صحت تین چیزوں میں ہوتی ہے: اللہ تعالیٰ پر اعتماد میں دل کو یکسو کر دینا۔ اس کے حکم کے سامنے جھک جانا۔ ڈر اور خوف رکھنا اس کے علم کے قدیم ہونے کی وجہ سے۔ (کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہماری حالت اچھی نہ ہو)۔

صبح جب مجلس لگی تو ابوعثمان نے لوگوں کو بتلایا اور کہا کہ میں ابوعمرو کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہت اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں کہ انہوں نے اس معاملہ میں تمام لوگوں کی طرف سے فریضہ ادا کر دیا اور اتنی رقم لے کر آئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطاء فرمائیں، اسی وقت ابوعمرو کھڑے ہو گئے اور لوگوں کے سامنے کہنے لگے: یہ میری والدہ کا مال تھا وہ دینے پر راضی نہیں ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یہ مال مجھے لوٹا دیا جائے، تاکہ میں ان کو واپس کر سکوں، ابوعثمان نے وہ تھیلی نکلوئی اور انہیں واپس کر دی۔

جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو ابوعمرو ابوعثمان کے پاس پھر اس وقت میں آئے اور ان سے کہا کہ آپ کو یہ مال اس طریقہ سے لینا چاہئے کہ ہمارے علاوہ کسی تیسرے کو معلوم نہ ہو، اس پر ابوعثمان رو پڑے۔ اس واقعہ کے بعد ابوعثمان کہا کرتے: میں ابو عمرو کی ہمت سے ڈرتا ہوں، ابوعمرو نیشاپور میں ۳۶۵ھ میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

عبدالفتاح (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں: شاید کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ ان سات میں شمار ہو جائیں کہ جن کو قیامت میں عرش کا سایہ نصیب ہوگا، کہ اس دن اس سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، جن میں سے ایک وہ ہے کہ ”جس نے صدقہ دیا اور اس طرح اخفاء سے دیا کہ بائیں ہاتھ کو نہ معلوم ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔“

(الحدیث)

یقین کی بھی ابتدء اور انتہاء ہے۔ یقین کی ابتداء تو (دلی) اطمینان ہے، اور انتہاء اللہ تعالیٰ کے اکیلے کافی ہونے کا یقین۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ (سورۂ زمر: آیت ۳۶)

”کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔“

اور ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(الانفال: آیت ۶۴)

”اے نبی آپ کو اور آپ کا اتباع کرنے والے مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کافی ہیں۔“

”اَلْحَسْبُ“ کافی کو کہتے ہیں، اور ”اَلْمُكْتَفِيْ“ وہ بندہ ہے جو اپنے رب کی رضا پر راضی ہے۔

اور ہم نے جو کہا ”یقین کی انتہاء“ تو اس سے مراد مقام ایمان میں عبد کے اوصاف کا پایا جانا ہے۔ علم میں یقین کی انتہاء مراد نہیں[1] ہے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی اس تک نہیں پہنچ سکا۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ﴿لَنْ يَّبْلُغَ اَحَدٌ مِنَ اللّٰهِ كُنْهًا﴾ ”کوئی اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکا۔“ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے، آپ

---

[1] نسخہ ج کے علاوہ میں عبارت اسی طرح ہے: ”آخر اليقين من وجود أوصاف العبد في مقام الإيمان لافي آخر اليقين من العلم“ اور نسخہ ج میں اس طرح ہے: ”وانما ذكرنا نهاية اليقين لانها من وجوه أوصاف العبد في مقامه لا أنها آخره، وبالنظر الى العلم فلن يبلغ“ اور دونوں عبارتوں میں خفاء ہے۔

نے ارشاد فرمایا: ﴿لو ازداد یقینا وخوفا لمشی فی الھواء﴾ ''اگر ان کے خوف ویقین میں مزید اضافہ ہوجاتا تو ہوا میں چلتے۔''[1]

یقین کے بعد خوف آتا ہے، کیا آپ نے کسی ایسے انسان کو دیکھا ہے کہ جسے یقین کے بغیر خوف ہو؟ خوف تین چیزوں میں ہوتا ہے، ایمان کا خوف، اس کی نشانی یہ ہے کہ معاصی اور گناہوں کے چھوڑنے میں اپنی بھرپور کوشش صرف کی جائے، ارادہ کرنے والوں کا یہی خوف ہے۔[2] (ایمان وغیرہ اعمال کے) سلب کا خوف، اس کی

---

[1] یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک باطل ہے۔ اس کا ذکر ''احیاء العلوم'' ۱۲/۹۴ میں بھی اسی طرح ہے، حافظ عراقی اس کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مشہور یہ ہے کہ یہ بکر بن عبداللہ مزنی کا قول ہے جسے ابن ابی الدنیا نے ''کتاب الیقین'' میں نقل کیا ہے، کہتے ہیں: حواریین کو اپنے نبی علیہ السلام نہ ملے، لوگوں نے انہیں بتلایا کہ وہ سمندر کی طرف چلے گئے ہیں، وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے سمندر کی طرف چلے گئے، دیکھا تو وہ پانی پر چلتے ہوئے آرہے ہیں، حدیث ذکر کی اور آگے اسی میں ہے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''اگر ابن آدم کو بال برابر بھی یقین ہوتا تو پانی پر چلتا۔'' انتہی۔

امام احمد روایت کرتے ہیں ہم سے بہز نے ان سے ابو ہلال اور ان سے بکر بن عبداللہ نے بیان کیا (مذکورہ حدیث ہے)۔ آگے کہتے ہیں: حواریین میں سے بعض نے کہا کیا ہم بھی آپ کی طرح (پانی پر چل کر) آسکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس نے پاؤں رکھا، دوسرا رکھا تو وہ پانی میں اتر گیا، حضرت عیسیٰ نے اسے کہا: اے قصیر الایمان ہاتھ لاؤ، اگر ابن آدم کو ذرہ بھر بھی یقین ہوتا تو پانی پر چلتا۔ انتہی۔ (از ''کتاب الزہد'' ۵۶، ۵۷) میں کہتا ہوں یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے جس کی ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب، ہاں عبرت ونصیحت کے لئے ان کو نقل کرنا جائز ہے۔

[2] یعنی حسی اور معنوی گناہوں کو ترک کر دیا جائے، جلیل القدر تابعی محمد بن واسع

علامت خشیت الٰہی، ڈر، اور تقویٰ ہے۔ خوف کا یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی پہچان رکھنے والوں (علماء) کو حاصل ہوتا ہے۔

خوف الفوت اس کی پہچان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے ساتھ آپ کی رضا مندی کے حصول میں جدوجہد کرنا، اور یہ مرتبہ خوف، "صدیقین" کو حاصل ہوتا ہے۔ خوف کا ایک چوتھا مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص کیا ہے، اور یہ اللہ عزوجل کی عظمت و برتری کا خوف باوجودیکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن وسکون حاصل ہے، تو ان کا خوف اللہ کی بزرگی و عظمت کے لحاظ سے عبادت شمار ہوتی ہے۔

محبت تین چیزوں میں ہوتی ہے، کہ جن کے بغیر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے کو محبّ نہیں کہہ سکتے، مؤمنین سے اللہ عزوجل کے لئے محبت کرنا، اس کی علامت یہ ہے کہ ان کی ایذاء سے ہاتھ روک لینا، اور شریعت محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مطابق ان کے لئے نفع رسانی کی کوشش کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا[1] اس کی نشانی اتباع سنت ہے۔[2] اللہ جل ذکرہ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ

فرماتے ہیں: اگر گناہوں کی بدبو ہوتی تو تم میرے گناہوں کی بدبو کی وجہ سے میرے قریب نہ آسکتے۔ "الحلیۃ" ۲/۳۴۹ گناہوں کے اثرات پر تفصیل گزر چکی ہے۔

[1] اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی بہترین تفسیر جلیل القدر تابعی حضرت مسروق بن الاجدع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے کی جاتی ہے، ان سے ایک آدمی نے کہا "مجھے آپ سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہے" (انہوں نے اس سے فرمایا) تم نے (درحقیقت) اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو جسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ بھی تمہارا محبوب ٹھہرا۔ (از "کتاب العلل ومعرفۃ الرجال" امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ۱/۷۳)

[2] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لئے محبت کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حکم دیا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: آیت ۳۱)

ترجمہ: ''تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو، تا کہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے تمہارے گناہ۔[1]''

---

[1] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، اقتداء، اور اسوہ اختیار کرنا فعل، ترک اور قول میں، فعل میں اسوہ یہ ہے کہ جیسا آپ نے کیا ویسا کیا جائے، اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو کیا ہے۔ اور ترک میں اسوہ یہ ہے کہ جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا ہو اس فعل کو اس وجہ سے چھوڑ دے، قول میں اسوہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان کے اعتبار سے جس کا فیصلہ فرما دیا ہو اس کو قبول کرنا اور مان لینا، اسی بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ لیکن اگر آپ نے اس فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑنے کی وجہ سے نہیں چھوڑا (بلکہ کسی اور وجہ سے چھوڑ دیا) اور کسی فعل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرنے کی وجہ سے نہیں کیا (بلکہ کسی اور وجہ سے کیا) تو یہ موافقت کہلائے گی اتباع نہیں کہلائے گی۔ کیونکہ موافقت محض کسی معاملے میں کسی کے ساتھ شرکت کو کہتے ہیں اگرچہ سبب میں دونوں مختلف ہوں، تو گویا موافقت اتباع سے عام ہے کہ موافقت کبھی بغیر اتباع کے بھی ہوتی ہے۔ (جیسا کہ مذکورہ صورتوں میں ذکر ہوا)۔ (از افادات علامہ، فقیہ، اصولی، ابوالبقاء فتوحی، حنبلی، از کتاب ''الکوکب المنیر، شرح مختصر التفسیر'' ۳/۱۹۶)

عام انسان جب کسی مجتہد کی تقلید کرتا ہے تو یہ اتباع کہلاتی ہے کیونکہ مکلّف یا تو مجتہد ہوگا، تو یہ حجت شرعیہ کی اتباع کرے گا، اور یا مقلد ہوگا، تو مجتہد کا قول ہی اس مقلد کے لئے دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں اسی کے قول کو حجت بنایا ہے فرمایا ''فَاسْأَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' جیسا کہ مجتہد کے لئے اجتہاد کو لازم قرار دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو ہی تقلید سے تعبیر کیا ہے۔ انتہی۔ (تلخیص از ''التقریر والتحریر'' فی اصول الفقہ علامہ ابن

امیر حاج ۳/۳۴۰)

اتباع سنت کی بہت سی صورتیں ہیں ایک یہ کہ اپنی جان و مال کو اتباع سنت کے لئے صرف کیا جائے، اگرچہ اس سے انتہائی مشقت و تھکاوٹ پہنچے، یا اس کے لئے بہت سا مال و جائیداد خرچ کرے۔ اس صورت میں مال و جان لگا کر سنت پر عمل کر کے کئی گنا زیادہ ثواب حاصل کرلے جس کے حصوں میں کوئی شک نہیں ہے۔

آپ کے سامنے بذل مال کی ایک صورت بطور مثال پیش کی جاتی شاید کہ اس کی صورت آپ کے ذہن میں نہ آسکے، کہ ایک سنت پر عمل کے لئے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی تھی، کتنا مال خرچ کیا۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین کہتے ہیں: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی سے ایک باغ خریدا بھاؤ تاؤ کے بعد ایک قیمت مقرر ہوگئی حضرت عثمان نے بائع سے کہا ہاتھ لاؤ (اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر معاملہ پکا کرلیتے اس کے بغیر معاملہ پختہ نہ ہوتا) بائع نے جب حضرت عثمان کے ہاتھ کو بڑھا ہوا دیکھا تو کہنے لگا! اللہ کی قسم میں اس وقت تک نہیں بیچتا جب تک تم دس ہزار درہم مزید ادا نہ کرو، حضرت عثمان پاس کھڑے ہوئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

﴿إن اللّٰه يُدْخِلُ الجَنَّةَ رجلًا سمْحًا: بايعًا، ومُبْتَاعًا، وقاضِيًا، ومقْتَضِيًا﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو جنت میں داخل کریں گے جو بیچنے، خریدنے، دینے، اور لینے میں آسانی و نرمی کرنے والا ہو۔“

پھر اس آدمی سے کہا یہ دس ہزار لے لو کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرنے والا بن جاؤں۔ ”رضی اللّٰه عن عثمان ومن تبعه الى

اللہ تعالیٰ کی محبت اطاعت کو معصیت کے مقابلہ میں اختیار کرنے پر ہے، اور مشہور ہے! نعمت کا تذکرہ محبت میں اضافہ کرتا ہے۔[۱]

یوم الدین" (از "مطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ ۱/۳۷۶)

[۱] بندے کے لئے اللہ کی محبت پیدا کرنے والے دس اسباب کا بیان

علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے والے دس اسباب ہیں۔

❶ تدبر اور غور و فکر سے قرآن پاک کی تلاوت، اور معانی و مطالب کی طرف توجہ کر کے کتاب اللہ کا مطالعہ کرنا۔

❷ فرائض کے بعد نوافل سے اللہ جل جلالہ کا قرب حاصل کرنا، کہ یہ محبت کے بعد محبوبیت کے درجہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

❸ ہر حال میں زبان، دل، عمل اور حالت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، محبت کرنے والے کو اسی ذکر کے بقدر محبت سے حصہ ملتا ہے۔

❹ اللہ عزوجل کی پسندیدہ چیزوں کو اپنی پسند کے مقابلہ میں ترجیح دینا جس وقت کہ شہوات کا غلبہ ہو۔

❺ دل سے اللہ تعالیٰ کے ناموں، صفات، کا مطالعہ (غور و فکر) و مشاہدہ کرنا، اور دل کا انہی کی معرفت اور اس کے مبادی کی مشق میں غلطاں رہنا، جس نے اللہ جل ذکرہ کو ان کے اسماء (ناموں) صفات، و افعال کے ذریعہ سے پہچان لیا لامحالۃ اس کو ان سے محبت ہو جائے گی۔

❻ آپ کے احسانات اور ظاہری و باطنی نعمتوں کا مشاہدہ کرنا۔

❼ اللہ تعالیٰ کے سامنے بالکل دل کی عاجزی و انکساری، یہ سب سے عجیب سبب

محبت کی ابتداء، وسط اور انتہاء ہے، محبت کی ابتداء نعمتوں اور احسانات سے ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: دلوں میں فطرتاً ان لوگوں کی محبت جاگزین ہوتی ہے جو ان پر احسان کریں، اور عہد، رحمت، نرمی اور معافی کے اعتبار سے اللہ حلیم و کریم سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔

محبت کا وسط آپ کے احکام کی بجا آوری، منع کردہ کاموں سے اجتناب ہے، اس طور سے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اس سے وہ تمہیں غائب نہ پائیں اور جس سے روکا وہاں تمہیں نہ پائیں اور جب مخالفت ہو جائے تو فوراً اس کا اعتراف اور وہاں سے ہٹ جانا۔

محبت کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے وجود کے ضروری ہونے کی وجہ سے محبت کرنا۔ علی بن الفضیل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے اس لئے کہ آپ اللہ ہیں۔

کسی آدمی نے حضرت طاؤس سے عرض کیا مجھے نصیحت فرمایئے! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کرو کہ ایسی محبت تمہیں کسی سے بھی نہ ہو، اس سے ڈرو اس سے ڈرو اس ہے۔

❽ نزول الٰہی یعنی تجلی الٰہی (سحری) کے وقت فجر سے پہلے تنہائی میں سرگوشی کے انداز میں تلاوت کلام پاک، اور قلب و قالب (جسم و دل) سے آپ کے حضور کھڑا ہونا، پھر اس تنہائی کا اختتام استغفار و توبہ سے کرنا۔

❾ سچے عاشقوں کے پاس بیٹھ کر ان کے عمدہ کلام کو حاصل کرنا، ان کے سامنے بغیر مصلحت و ضرورت کے کلام نہ کرے، اور یہ سمجھے اس میں ''حالت'' کی ترقی ہے۔

❿ ہر ایسے کام سے دور بھاگنا کہ جو اللہ تعالیٰ اور دل کے درمیان رکاوٹ بن جائے۔ ان تمام اسباب کو استعمال کر کے تمام محبین منازل محبت تک پہنچ جاتے ہیں۔

(از ''بصائر ذوی التمیز'' ۲/۴۲۱،۴۲۲)

طرح کہ ایسا ڈر تمہیں کہیں سے نہ ہو، ایسی امید رکھو کہ یہ امید تمہارے اور خوف کے درمیان حائل ہو جائے، لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اب جاؤ میں نے تمہارے سامنے توراۃ، انجیل، زبور اور فرقان (قرآن) کے علم کو اکٹھا کر دیا ہے۔

پھر جان رکھو! عظمت و بزرگی حیاء میں اسی طرح ہے جس طرح کہ جسم کے اندر سر، دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتی جب انسان اپنے رب عزوجل سے حیاء کرتا ہے تو لازماً آپ کی تعظیم کرے گا، بزرگی بیان کرے گا، اور حیاء کی بنیاد اللہ عزوجل کا مراقبہ ہے۔[۱]

---

۱ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے دو نمونے

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں: قیس بن مسلم نے اتنے (اتنے) عرصہ سے سر کو آسمان کی طرف نہیں اٹھایا اور ایسا صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے کیا از ''العلل ومعرفۃ الرجال'' امام احمد ۱/۳۴۰۔ اسی میں ہے جلیل القدر تابعی سعید بن المسیب کہتے ہیں: تیس سال سے مجھے اس حالت میں اذان ہوتی ہے کہ میں مسجد میں ہوتا ہوں۔ انتہی۔ ۱/۲۱۴۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مراقبہ کی انتہاء ہے کہ مولیٰ (مالک) کا غلام پر حق ہے کہ ہر وقت اپنے آقا کے سامنے رہے کہ بلانے سے پہلے ہی حاضر ہو جائے نہ کہ بلانے پر آئے۔

نماز کا انتظار کیا جاتا ہے نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی

اس مقام کے مناسب وہ خوبصورت واقعہ ہے جو قاضی مصر علی بن الحسین بن حرب بغدادی، محدث، فقیہ، شافعی، کنیت ابو عبید، معروف ''ابن حربویہ'' (ولادت

مراقبہ تین چیزوں میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا اس کی اطاعت کے اعمال انجام دیتے ہوئے، معصیت کے کاموں کو ترک کرتے ہوئے، ہموم و افکار و خیالات کے وقت۔[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔'' (تخریج پہلے گزر چکی ہے)۔

اللہ عز وجل کا مراقبہ (ہر وقت دل و ذہن میں ان کا دھیان رہنا) انسانی بدن کے لئے رات کی نماز، دن کے روزے، اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے زیادہ مشقت و تکلیف والا کام ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے: آپ فرمایا کرتے!

۲۱۲ھ وفات ۳۱۹ھ) کو مصر کی مساجد کے ائمہ میں سے ایک امام کے ساتھ پیش آیا۔ ابن زولاق کہتے ہیں ابو عبید جب پہلی مرتبہ مصر آئے تو اسماعیل بن اسحاق کے گھر میں ٹھہرے جو مسجد ابن عمرو سے متصل ہے پھر وہاں سے ''دار المدائنی'' منتقل ہو گئے۔ جب اذان کی آواز سنتے تو نماز کے لئے آتے، کبھی تو دیکھتے کہ امام نماز پڑھا چکے ہیں یا یہ کہ نماز کا کچھ حصہ نکل گیا ہے، تو پیغام بھجواتے کہ میرا انتظار کیا جائے، جب کئی مرتبہ انہوں نے ایسا کیا تو امام صاحب نے کہا: ''الصلاۃ تُنْتَظَرُ ولا تَنْتَظِرُ'' کہ نماز کا انتظار تو ہوتا ہے لیکن نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی، قاضی نے ان کو بلوایا اور بہت تعریف کی۔ ان کو قرب بخشا اور اپنے (خصوصی) گواہوں میں ان کو شامل کر لیا۔ انتہی۔ کتنا پیارا رہنما کلمہ ہے جو انہوں نے کہا۔ رحمہم اللہ علی ذلک الامام۔

از ''الولاۃ والقضاۃ لمصر'' الکندی صفحہ ۵۲۶، بحوالہ ''رفع الاصر فی قضاۃ مصر'' ابن حجر۔

[1] ان کے متعلق علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا نفیس و بہترین کلام پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ عزوجل کے زمین میں برتن ہیں[1] ان میں سے دل ہیں، ان دلوں میں سے وہی مقبول ہیں کہ جو صاف، سخت، اور نرم ہیں۔[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور منع کی ہوئی چیزوں کے اتباع اور صدق و اشفاق کے مشاہدہ میں دل کی صفائی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں کے قبول کرنے میں قول و عمل و نیت میں صفائی۔ اسی طرح مؤمنین کو ایذاء سے باز رہنے اور نفع رسانی میں صفائی قلب و اخلاص۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول ''دل کے سخت ہونے'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے نافذ کرنے امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں قوی اور مضبوط ہو۔ اور ان کا قول ''نرم دل'' اس کی دو صورتیں ہیں، نرمی سے رونا، اور رحمت میں نرمی۔[3]

---

[1] امام ابن القیم فرماتے ہیں: یہی برتن ہیں کہ جو (بعض) خیر سے اور (بعض) شر سے پر ہیں، جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے: نیک لوگوں کے دل نیکی سے ابلتے ہیں، اور فساق و فجار کے دل شر سے ابلتے ہیں۔ (از ''مفتاح دار السعادۃ'' صفحہ ۱۳۵)

[2] امام احمد ''کتاب الزہد'' صفحہ ۳۸۴ پر جلیل القدر تابعی خالد بن معدان سے ان الفاظ سے روایت کرتے ہیں: ایسی ہی روایت ابوعنبہ خولانی سے مرفوعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

﴿إِنَّ لِلّٰهِ آنِيَةً مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ وَاٰنِيَةُ رَبِّكُمْ قُلُوْبُ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ، وَأَحَبُّهَا اليه ألينها وأرقها﴾ (رواہ الطبرانی)

ہیثمی کہتے ہیں: ''اسنادہ حسن'' ان کے شیخ عراقی کہتے ہیں ''فيه بقية الوليد، وهو مدلس لكنه صرّح بالتحديث فيه''۔ انتہی، از ''فیض القدیر'' مناوی ۲/۴۹۶، عراقی نے تخریج احادیث ''الاحیاء'' میں فرمایا ہے: ''اسنادہ جید'' ۴/۱۷۵۔

[3] یعنی دل کی نرمی اور شدید رحمت و شفقت سے رونا (مصنف نے ''رافة'' کا لفظ

"وباللّٰہ التوفیق، وھو حسبنا ونعم الوکیل[۱]"

استعمال کیا ہے) رحمت سے بڑھ کر نرمی کو کہتے ہیں، رونے سے جو رقت و نرمی پیدا ہوتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا خوف آپ کی عظمت و بادشاہت کی یاد پیدا ہوتی ہے۔

یزید بن مرثد کا اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا

یزید بن مرثد نیک اور تابعین میں سے بہت رونے والے تھے ان سے ان کے شاگرد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے کہا: کیا وجہ ہے میں نے کبھی آپ کی آنکھ کو خشک نہیں دیکھا؟ انہوں نے فرمایا تمہارا ان سے کیا کام ہے؟ شاگرد نے عرض کیا: شاید کہ میں ان سے کچھ فائدہ حاصل کرسکوں، استاذ نے فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے ڈرایا ہے کہ اگر تم نافرمانی کرو گے تو جہنم میں قید کر دوں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ اتنا ہی فرما دیتے کہ میں تمہیں غسل خانے میں قید کر دوں گا تب بھی میرے آنکھ کو لائق نہ تھا کہ آنسوؤں سے خشک رہے۔ "رضی اللّٰہ عنہ وأقر عینہ برضوانہ العظیم."

[۱] دونوں اصل نسخوں میں یہ عبارت بھی ہے "تمت رسالۃ المسترشدین بحمد اللّٰہ وعونہ من توفیقہ" یہ عبارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل واصحاب پر درود شریف کے مختلف صیغوں کے بعد ہے۔ یقیناً یہ لکھنے والوں کا کام ہے۔ "واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین"

عبدالفتاح بن محمد ابوغدۃ۔ "تاب اللّٰہ علیہ وغفر لہ ولوالدیہ" یکم جمادی الاولی ۱۳۸۴ھ حلب شہر میں فارغ ہوا، پھر میں نے تعلیقات میں کچھ اضافات کئے، اور نوجوان بیٹوں اور بیٹیوں کے مناسب حال جن کے وہ محتاج تھے، کہ جو روح و سلوک کی اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں توجیہ وتعبیر کرسکیں، خواہ یہ لوگ دارالاسلام میں ہوں یا دارالکفر میں، اور مسافرت کی حالت میں جس کا انسان محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو برائی اور بری حالت سے محفوظ رکھیں اور خیر و ہدایت کی راہنمائی

فرمائیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے اچھے اجر اور اس کتاب سے فائدہ اٹھانے والوں سے دعاء و حسن تذکرہ کا امیدوار ہوں، "وما توفیقی الا باللّٰہ علیه توکلت وإلیه أنیب" میں دوسری مرتبہ اس کی تعلیقات سے پیر کی صبح ۵ جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ کو بیروت میں فارغ ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

اور میں تیسری مرتبہ تعلیقات سے اس آٹھویں ایڈیشن کے وقت جب کہ اس میں بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے جمعرات کے دن صفر ۱۴۱۲ھ ریاض شہر میں فارغ ہوا، اللہ تعالیٰ سے رضا قبول اور زیادتی نفع، اور استفادہ و نفع اٹھانے والوں سے دعاؤں کی درخواست کرتا ہوں۔

واللّٰه یجزی المحسنین والحمد للّٰه رب العالمین.

مترجم قاضی اسامہ عبدالحق

۲۷، ۲۸ رمضان ۱۴۲۴ھ کراچی

ضمیمہ جات

بعض تعلیقات وحواشی چونکہ خالص اور دقیق علمی مضامین پر مشتمل تھے، مزید برآں وہ طویل بھی تھے جنکی طوالت قاری کو اپنے موضوع سے دور کر دیتی اس لئے مناسب یہ معلوم ہوا کہ ان تعلیقات کو کتاب کے آخر میں لکھ دیا جائے اور ان کی طرف راہنمائی کر دی جائے اور ان ضمیمہ جات میں بھی اصل صفحہ کا حوالہ دیا جائے کہ دونوں کی مطابقت سے اصل موضوع کو پڑھنا آسان ہو جائے۔

خطبہ میں امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کا وصف ''القدیم'' ذکر کیا ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ''اسماء الحسنی'' میں سے نہیں ہے، بلکہ علماء متکلمین مقام کی وضاحت اور لفظ ''اول'' کے معنی کو ذہن کے قریب کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، کیونکہ ''قدیم'' اہل عرب کے ہاں "المتقدم علی غیرہ" اپنے علاوہ دوسرے سے پہلے کو کہتے ہیں، اس ذات پر اس کا اطلاق نہیں کرتے جس پر ''عدم وجود'' (یعنی پہلے نہ ہو پھر وجود میں آگئی ہو) کا زمانہ نہ گزرا ہو، کہتے ہیں: "ھذا قدیم" پرانے کو "ھذا حدیث" نئے کے لئے بولتے ہیں، تو عرب ''قدیم'' کا لفظ محض اس کے لئے بولتے ہیں جو کسی سے پہلے ہو، نہ اس کے لئے جس پر کبھی عدم طاری نہ ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾

''یہاں تک ہو جائے جیسی پرانی ٹہنی۔''

تو "العرجون القدیم" ''پرانی ٹہنی'' وہی ہوگی کہ جو نئی ٹہنی کے وجود تک باقی رہے۔ جب نئی ٹہنی وجود میں آجائے گی یہ پرانی کہلائے گی۔ (تو دیکھئے یہاں پر قدیم اس ٹہنی کے لئے استعمال ہوا جو دوسری سے پہلے ہو) علماء اس کو (اللہ تعالیٰ کی ذات

کے لئے) زیادہ تر سمجھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں (ورنہ حقیقتاً اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہوسکتا)۔

بہت سے علماء نے اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے (وہ فرماتے ہیں) کہ کتاب وسنت میں اس لفظ کا اطلاق واستعمال اللہ تعالیٰ کی ذات پر بطور "اسماء الحسنیٰ" کے نہیں ہوا۔ کتاب وسنت میں جو لفظ اس معنی میں استعمال ہوکر وارد ہوا ہے وہ "الاول" ہے۔ سورۃ الحدید کی ابتداء میں ہے:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾

"وہی ہے سب سے پہلا، اور سب سے پچھلا، اور باہر اور اندر، اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔"

صحیح مسلم (بشرح نووی) "باب الدعاء عند النوم" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ، اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ﴾ (انتہی)

ترجمہ: "اے اللہ آپ سب سے پہلے تھے آپ سے پہلے کچھ نہیں تھا، اور آپ سب سے آخر میں رہیں گے، آپ کے بعد کچھ نہ رہے گا، اور آپ ہر چیز پر غالب ہیں، آپ سے بڑھ کر کوئی غالب نہیں، اور (ہر چیز کے) اندر (ان کو جاننے والے ہیں) آپ سے مخفی کوئی چیز نہیں، ہماری طرف سے (ہمارے) قرض کو ادا فرما دیجئے، اور ہمیں محتاجی سے بے نیاز کر دیجئے۔"

تلخیص از ''شرح الطحاویۃ'' صفحہ ۵۱، ۵۳، تحقیق شیخ احمد شاکر، یہ تفصیل اسلئے ذکر کر دی گئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ ''قدیم'' اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں سے نہیں ہے۔

خطبہ کتاب میں امام محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ''حَمْدًا یُّوَا فِیْ نِعَمَہ وَیَبْلُغُ مَدَی نَعْمَائِہٖ'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کرتا ہوں جو اس کی نعمتوں کو پوری ہو جائے، اور ان کی نعمتوں کے حقوق پورے کر دے، اور ایسی تعریف کہ ان نعمتوں اور احسان سے بھی زیادہ شکر کو ادا کر دے۔

حمد و تعریف کی یہ عبارت اس معنیٰ میں سنت مطہرہ سے ثابت نہیں بلکہ سنت سے ثابت حکم کے خلاف ہے، لہٰذا اس طرح نہیں کہنا چاہئے جیسا کہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

اس طرح سے دعا اور ثناء ابی نصر تمار کے واسطہ سے محمد بن نصر حارث سے منقول ہے، کہ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ آپ نے روزی کمانے میں مجھے مصروف کر دیا ہے مجھے ایسی حمد سکھا دیجئے کہ جو تمام تعریفات کی جامع اور تسبیحات کی اصل ہو، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ صبح شام تین مرتبہ یہ کلمات کہیں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ حَمْدًا یُّوَا فِیْ نِعَمَہ وَیُکَا فِئُ مَزِیْدَہ'' یہ کلمات تمام تعریفات کے جامع ہیں۔ اس کو علامہ نووی نے ''کتاب الاذکار'' صفحہ ۹۶ پر بغیر حوالہ و مرجع کے ذکر کیا ہے۔

یہ اثر منقطع السند معضل اور انتہائی ضعیف ہے، اس کے راوی محمد بن النضر تبع تابعین کے اتباع میں سے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان (احادیث کا یہی واسطہ معروف ہے کہ براہ راست آدم علیہ السلام سے منقول نہیں ہو سکتی) بہت سارے واسطہ ہیں کہ جو غیر معروف ہیں۔

محمد بن نضر کے حالات بیان کرتے ہوئے ابو نعیم اصفہانی لکھتے ہیں: کوفہ والوں

میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ لیکن حدیث سے مناسبت نہیں تھی، لوگ ان کے ملفوظات کو لکھ لیتے تھے۔ (انتہی "حلیۃ الاولیا" ۸/ ۲۱۷)

ابن الصلاح ان کے بارے میں کہتے ہیں: ان کو حدیث سے لگاؤ نہیں تھا، کوئی حدیث مرفوع ان سے مروی نہیں ہے۔

(انتہی بحوالہ "الفتوحات الربانیۃ علی الاذکار النوویۃ" ۳/ ۲۹۷)

ابو نعیم نے ان کے حالات میں بہت سی اسرائیلی روایات کو ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ انہوں نے مذکورہ آدم علیہ السلام والی حدیث کہاں سے لی ہے؟ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اسرائیلیات میں سے ہے۔

مذکورہ تفصیل اس کی سند اور نقل کے اعتبار سے ہے۔ معنی کے اعتبار سے بھی یہ حدیث غیر صحیح اور حقیقت قطعیہ (واقعیہ) کے خلاف ہے کیونکہ ایسا کوئی انسان نہیں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اسی کی نعمتوں کے برابر کر سکے، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے مزید فضل ورحمت کے بھی برابر ہو، سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تمام مخلوق میں سب سے بڑے عالم اور اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑھ کر شکر گزار بندے ہیں، اپنی دعاء میں ارشاد فرماتے ہیں: "لا أحصی ثناءً علیك انت كما أثنیت علی نفسك" اے اللہ میں آپ کی حمد وثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا جیسا کہ آپ نے خود اپنی ثناء کا احاطہ کیا ہے۔ (روایت از حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بحوالہ صحیح مسلم)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: میں (اپنی کوشش کے باوجود) ہر لحہ ولحظہ آپ کی واجب ہونے والی تعریف وثناء کے افراد میں سے کسی ایک فرد کے شمار کی بھی طاقت نہیں پاتا، کیونکہ ہر گھڑی آپ کے احسانات کی بارش مجھ پر برس رہی ہے، کوئی ساعت اس سے خالی نہیں، کہ ان ذرات میں سے ایک ذرہ کے ضمن میں جتنی نعمتیں ہیں ان کو بھی شمار کرتا ہوں تو بے بس ہوں کہ وہ بہت زیادہ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ إِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾

تو میں آپ کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہوں۔ انتہی۔

(از "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح" ۵۱۴/۱)

مذکورہ تفصیل سے ظاہر ہے کہ "الحمد للّٰہ حمدا یوا فی نعمہ ویکا فی مزیدہ" کے الفاظ سے حمد غیر مشروع ہے، اولاً اس لئے کہ اس کی صحت وثبوت نہیں ثانیاً اس لئے کہ اس کے معنی میں خلل ہے، ثالثاً اس لئے کہ سنت مطہرہ کے منافی ہے اپنے معنی کے اعتبار سے لہٰذا اس طرح کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔

مذکورہ بالا سطور رقم کرنے کے بعد مجھے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل بصراحت حوالہ مل گیا فرماتے ہیں: بعض فقہاء یوں کہتے ہیں کہ جس نے یوں قسم کھائی کہ "میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بہتر تعریف کروں گا" تو اگر وہ ان مذکورہ الفاظ سے تعریف کرلے تو قسم پوری ہو جائے گی۔

یہ (ان الفاظ سے حمد) نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے اور نہ ہی صحابہ کرام میں سے کسی کا قول بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے منقول اسرائیلی روایت ہے۔ یہ بات ناممکن ہے کہ بندے کی حمد اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کے مقابلہ میں کافی ہو جائے چہ جائیکہ اس کی تمام نعمتوں کے برابر ہو جائے اور نہ ہی بندے کا فعل و حمد (اللہ تعالیٰ کی) مزید نعمتوں کے مقابلہ میں کافی ہو سکتی ہے۔ انتہی۔

(از "عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین" صفحہ ۱۱۷)

اس کے بعد علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس اسرائیلی کلام کی ایسی توجیہ کی ہے کہ جو ان کے اس مذکورہ کلام سے مناسبت نہیں رکھتی اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔

علامہ سفارینی فرماتے ہیں: امام ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اسی صیغہ حمد کے بارے میں سوال ہوا اور کہا گیا کہ (کیا) یہ سب سے بہتر صیغہ حمد ہے؟ تو انہوں

نے اس کے کسی طرح بھی حدیث ہونے کا انکار کیا اور فرمایا: یہ کلام ابونصر تمار کی روایت سے حضرت آدم علیہ السلام سے مروی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خبر نہیں کہ آدم علیہ السلام اور ابونصر کے درمیان کتنے واسطے ہیں، اگر ابونصر سید اولاد آدم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کریں (تب بھی صحیح نہیں ہے) تو حضرت آدم سے روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ (غذاء الالباب "۱/۱۸)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: امام نووی نے "الروضۃ" میں کہا ہے: اس مسئلہ کی مستند دلیل نہیں ہے۔ اور یہ حدیث معضل ہے۔ ("التلخیص الحبیر" ۱/۱۷۱)

حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "الإفصاح بتكميل النكت على ابن الصلاح" فی علوم الحدیث ۱/۲۲۳ کے مقدمہ میں اس کلام (کی صحت کے بارے میں) حیلہ کرتے ہوئے کہا ہے: شافعیہ نے اس کو برقرار رکھتے ہوئے کہا ہے: سب سے بڑھ کر حمد کے یہ الفاظ ہیں: "الحمد لله حمدًا يوا في نعمه ويكا فئ مزيده" (انتہی)

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: یہ بات ناممکن ہے کہ مخلوق رب تعالیٰ کی حمد کے حقوق ادا کر سکے اور اس سے بھی بڑھ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے جب خوان اٹھایا جاتا تو آپ فرماتے:

﴿الحمد لله حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه، غير مُكَفِّي وَلَا مَكْفُوْرٍ وَلَا مُوَدَّعٍ ولا مستَغْنًى عنه ربَّنَا﴾ (بخاری از حدیث ابی أمامۃ، انتہی مجموع الفتاوی ۱/۴۱)

نیز شیخ ابن تیمیہ کے بارے میں ہے کہ جب ان سے اس مقولہ حمد کے بارے میں سوال ہوا کہ کیا ایسا کہنا جائز ہے؟ اس کا اعراب کیا ہوگا؟ کیا یہ حال ہے؟ اور اگر حال ہے تو کس سے؟

آپ نے فرمایا: ایسی حمد اس طرح کی سند سے منقول نہیں ہے کہ جو قابل

استدلال ہو اور اس کی توجیہ کے بارے میں سوال ہو، ہاں ممکن ہے کہ متکلم کے اس کلام کو صحت پر محمول کیا جا سکتا ہو بایں طور کہ اس میں (مجازیاً یا مکافیاً) حال ہوں اور ان کا عامل بھی وہی ہو کہ جو ذوالحال کا عامل ہے۔ اور وہ شبہ فعل ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: "الحمدُ مُسْتَقِرًّا یَا اِسْتَقَرَّ لِلّٰهِ فِي حالِ کونه مجازیا مکافیا"

(انتہی از "الفتاوی الکبریٰ" ۱/۲۱۳)

شیخ عبدالفتاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ صیغہ احادیث میں منقول نہیں اور اس کی عدم صحت کا یقین ہو چکا تو اس بات سے پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ یہ بعض سلف کے کلام میں موجود ہے تو ان حضرات نے ایسا کیوں کیا، اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ عصمت اور گناہوں سے حفاظت یہ انبیاء کا خاصہ ہے۔

مذکورہ صیغہ حمد مندرجہ ذیل کتابوں کی ابتداء میں موجود ہے، "تقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم صفحہ ۱ تا ۱۰، ایضاح الاشکال فی الرواۃ" مخطوط۔ حافظ عبدالغنی بن سعید ازدی مصری، متوفی ۴۰۹ھ، "عقد الدرر في اخبار المنتظر" شیخ یوسف بن یحیٰ مقدسی سلمی ساتویں ہجری کے مصنف ہیں، "إقامة التحليل على إبطال التحليل" حافظ امام ابن تیمیہ جو کہ ان کے "الفتاوی الکبریٰ" میں بھی ہے ۳/۹۸ ان کے علاوہ اور بہت سے علماء کے کلام میں اس صیغہ سے حمد واقع ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے یہ مشروع و جائز نہیں ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

ذکر اونچی آواز سے اکیلے اور اجتماعی جائز ہے

بعض علماء نے ذکر اونچی آواز سے اکیلے اور اجتماعی کو ناجائز فرمایا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ یہ جائز ہے، جس کو علامہ عبدالحی لکھنوی نے اپنی کتاب "سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر" میں محقق انداز میں ثابت کیا ہے، اس میں انہوں نے عدم جواز کے قائل علماء

کے دلائل کو ذکر کر کے ان کا جواب دیا ہے، اور پھر ان علماء کے دلائل کو ذکر کر دیا ہے کہ جو اس کے جواز کے قائل ہیں ان دلائل کی تعداد اڑتالیس (۴۸) تک پہنچتی ہے، بلکہ بعض سے تو اس کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے بعض ایسے مواقع کا بھی ذکر کیا ہے کہ جن میں جہر مطلوب ہے، یا جن میں مکروہ ہے، اس کی شرائط، آداب، اور اس کے علاوہ چیزوں کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ جس طرح کسی اور نے بیان نہیں کیا۔ کتاب ہندوستان میں کئی مرتبہ ''مجموعہ رسائل ستۃ'' کے ضمن میں شائع ہو چکی ہے۔ (الحمدللہ) میں نے اس کی خدمت کر کے محقق انداز میں بیروت سنۃ ۱۴۰۸ھ میں شائع کی ہے، اس کو دیکھ لینا چاہئے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک بہترین رسالۃ ''نتیجة الفكر في الجهر بالذكر'' کے نام سے ہے جس میں آپ نے اس کو جائز کہا ہے، یہ بھی آپ کے فتاوی مجموعۃ مسمّٰی ''الحاوی للفتاویٰ'' میں بھی اور علیحدہ بھی چھپ چکا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جواز کے قائل علماء کے دلائل کو یہاں پر ذکر کر دیا جائے جنہیں علامہ عبدالحئی لکھنوی نے ذکر کیا ہے، تا کہ جو لوگ اصل کی طرف رجوع نہ کر سکیں تو وہ بھی ان دلائل سے واقف ہو جائیں درمیانی کلام میں بعض چیز اس طرح ـ...... کی نشانی ذدہ ہوں گی وہ میں نے وضاحت کے لئے بڑھا دی ہیں۔ آپ کتاب کے صفحہ ۶۳ ـ ۶۶ پر فرماتے ہیں: ان جواز کے قائل علماء میں سے شیخ عبدالحق دہلوی ہیں جنہوں نے اپنے رسالہ ''توصيل المريد الى المراد ببيان احكام الحزاب والاوراد'' طویل کلام کیا ہے، جس میں اس کے جواز پر دلائل دیئے ہیں۔ میں ان کے کلام کو ذکر کرتا ہوں، اونچی آواز اور دوسرے کو سنا کر ذکر و تلاوت، اسی طرح مساجد اور مجالس میں اجتماعی ذکر جائز اور مشروع ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے ''من ذَكَرَني في ملاٍ ذَكَرْتُه في ملاٍ خيرٌ منه'' (الحدیث) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں اس کا تذکرہ اس سے بہتر مجلس

میں کرتا ہوں' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَذِكْرِكُمْ آبَائِكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۝ الآية﴾

اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے آباؤ واجداد کو یاد کرتے ہو یا اس سے بھی بڑھ کر یاد کرو۔ اس آیت سے بھی اس پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے "كُنَّا لَا نَعْرِفُ اِنْصِرَافَ النَّاسِ مِنَ الصَّلَاةِ فِى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَّا بِالذِّكْرِ جَهْرًا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگوں کے نماز سے پھرنے کو صرف اونچی آواز کے ذکر سے ہی معلوم کرتے تھے۔

اور صحیح میں ہے "اِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْهَرُوْنَ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نمازوں کے بعد ان کلمات کو بلند آواز سے کہتے، بعض روایات میں فجر اور مغرب کی تخصیص ہے، صحیح مسلم کے الفاظ میں ہے: حضرت معاویہ نے حضرت مغیرۃ بن شعبہ کو لکھا کہ مجھے ایسے کلمات لکھ کر بھیجو جو تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوں تو انہوں نے لکھا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب آپ نماز پوری فرماتے تو کہتے "لا اله الا اللّٰه وحده"

اور حدیث:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا﴾

"اے لوگو (آواز) اپنے تک محدود رکھو، تم کسی بہری غائب ذات کو نہیں پکار رہے ہو۔"

کا سیاق بتلاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سے منع فرمانا عدم جواز کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ آسانی اور سہولت کی غرض سے تھا۔ یعنی آواز میں اعتدال چاہئے نہ کہ

تکلیف و تکلف۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاؤں اور اذکار میں بہت سے مواقع پر جہر ثابت ہے جس کو سلف صالحین نے بھی اپنا معمول بنایا ہے، صحیح بخاری کتاب الجہاد "باب الصبر عندالقتال" کا مفہوم جو کہ حضرت انس سے مروی ہے یہ ہے: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب خندق کھودنے میں مصروف تھے اور ان کے پیٹ بھوک کی وجہ سے اندر کو دھنس چکے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کی یہ حالت دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے جاتے:

﴿اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ، فَاغْفِرْ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ﴾

"اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی ہے، آپ انصار و مہاجرین کی مغفرت کر دیجئے۔"

صحابہ کرام جواب میں یوں فرماتے:

﴿نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا۔ عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا﴾

"ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، ہم ہمیشہ جہاد کے راستہ پر رہیں گے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ مخصوص و متعین مواقع میں بلند آواز سے ذکر کرنے میں کوئی کلام نہیں ہے، کلام اس بات میں ہے کہ آیا کسی خاص مسئلہ میں جب کوئی حکم ثابت ہو جائے تو اس حکم کو عام احوال میں بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ فریق مخالف کہ سکتا ہے کہ ان مواضع میں مخصوص فوائد پیش نظر ہیں جو کہ دوسرے مواقع میں مفقود ہیں۔ یا یوں ان کے لئے کہنے کا احتمال ہے: کہ جہاں ذکر و دعاء دونوں ہوں تو جہر (اونچی آواز) سے جائز ہے لیکن جن جگہوں میں صرف ذکر ہو یا صرف عاء ہو تو جائز نہیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا عام مواقع میں بھی ذکر کے اونچی آواز سے جائز ہونے پر

دلائل قائم کئے جائیں۔

صرف ذکر کے لئے بھی حدیث شیخین (بخاری ومسلم) سے جواز ثابت ہوتا ہے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:

﴿اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰئِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُق يَلْتَمِسُوْنَ حِلَقَ الذِّكْرِ﴾ (الحديث)

''اللہ تعالیٰ کے مخصوص ملائکہ ہیں کہ جو راستوں کا چکر لگاتے اور ذکر کے حلقوں کو تلاش کرتے ہیں۔''

دوسری روایت میں ہے:

﴿مَا جَلَسَ قَوْمٌ مُسْلِمُوْنَ مَجْلِسًا يذكرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ إِلَّا حَفَّتْ بِهِمِ الملائكةُ ونَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُم الرَّحْمَةُ﴾ (الحديث)

''کوئی مسلمان قوم کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتی ہے تو فرشتے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں، اوران پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور رحمت ان کو گھیر لیتی ہے۔'' (رواہ مسلم)

......اس جگہ حدیث میں لفظ ''مسلمون'' اضافہ ہے، ممکن ہے کہ حضرت عبدالحق دہلوی نے اس جگہ فارسی ترجمہ میں اضافہ کیا ہو اور مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اس کا عربی میں ترجمہ کردیا ہو......

اس جگہ ''ذکر'' سے مذاکرہ علم ونعماء حق تعالیٰ مراد لینا تاویل بعید ہے کسی بھی لفظ کو خلاف متبادر معنی پر محمول کرنا بغیر ضرورت کے صحیح نہیں۔

یہ اعتراض بھی نہیں ہونا چاہئے کہ لوگوں کے ذکر کے لئے اکٹھا ہونے سے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ وہ لوگ ذکر جہری (اونچی آواز سے ذکر) کے لئے اکٹھے ہوئے ہوں، ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک آہستہ آواز سے علیحدہ ذکر کررہا ہو، یہ

بات اس لئے نہیں کہی جاسکتی کہ اگر ایسا ہو تو پھر اس جتماع اور اکٹھا ہونے کا کیا فائدہ ہوگا؟ اس کا کوئی دوسرا قابل ذکر فائدہ نظر نہیں آتا۔

رہی بات دعاء کے لئے اکٹھا ہونے کی، تو اس کا جواز امام حاکم کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے، جس کو انہوں نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، جو مرفوعاً روایت ہے: "لَا يَجْتَمِعُ مَلَأٌ فَيَدْعُوْ بَعْضُهُمْ وَيُؤَمِّنُ بَعْضُهُمْ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهُمْ" کوئی جماعت اکٹھی ہو کہ بعض ان میں سے دعا کرتے ہیں اور بعض آمین کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعاء قبول کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام حاکم نے "مستدرک" میں روایت کرتے اس پر سکوت کیا ہے (لیکن) اس کی سند حسن ہے۔

تلاوت کے لئے اکٹھا ہونا ایک اور حدیث سے ثابت ہے:

﴿مَااجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ، يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ إِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ﴾

"کوئی قوم کسی گھر میں جمع ہو کر قرآن پاک پڑھتی ہے اور ایک دوسرے کو سکھلاتی ہے تو فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔" (صحیح مسلم)

کتاب الذکر والدعاء "باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر" شیخ عبدالحق کا اس کے بارے میں کہنا "کہ اس کو نووی نے صحیح کہا ہے"، تساہل ہے۔

اسی روایت سے علماء نے اوراد و وظائف کو مساجد و مجالس میں پڑھنے کو جائز کہا ہے۔

حضرت امام مالک کی اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور کو مکروہ کہا ہے کیونکہ سلف صالحین کا عمل اس پر نہیں رہا، نیز بدعت کے راستوں کو بند کرنے کے لئے ان حضرات نے ایسا کیا کہ زیادتی فی الدین، اور صریح حق سے نکلنا لازم نہ

آئے، ہمارے زمانہ میں ایسا ہی ہو رہا ہے جیسے کہ وہ حضرات خوف کھاتے اور گھبراتے تھے۔ (شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام اسی عربی ترجمہ سے مکمل ہوا)۔

شیخ دہلوی ''شرح مشکوٰۃ'' میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث درج ذیل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنَ الْوِتْرِ قَالَ: "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَيَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالثَّالِثَةِ﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر سے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ یہ کلمات کہتے ''سبحان الملك القدوس'' تیسری مرتبہ آواز بلند فرماتے۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ابی شیبہ، احمد، دارقطنی وغیرہ۔ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں: اس حدیث میں بلند آواز سے ذکر کے جائز ہونے کی دلیل ہے، اور یہ شریعت میں بلاشبہ ثابت ہے، لیکن خفاء (آہستہ) پھر بھی افضل ہے۔ (انتہی کلامہ) یہ حدیث ذکر جہری کے جواز کی تینتالیسویں دلیل ہے، جسے امام ابوداؤد نے ۲/۱۳۷ پر کتاب الصلوٰۃ ''باب فی الدعاء بعد الوتر'' میں روایت کیا ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں: ''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ الْوِتْرَ قَالَ: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ'' امام نسائی نے اس کو ''کتاب قیام اللیل'' اور ''باب التسبیح بعد الفراغ من الوتر'' میں اور امام احمد نے ''المسند'' ۵/۱۲۳ پر ذکر کیا ہے۔

''مرقات'' میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح شارح سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کے جواز بلکہ مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہے (بشرطیکہ) ریاء (دکھلاوا) اور دین کے اظہار سے پرہیز ہو، سامعین کو سکھلانا، غفلت سے بیدار کرنا، اور جہاں تک آواز پہنچتی ہے وہاں تک ذکر کی برکات شجر، حجر، مدر تک پہنچانا، خیر میں دوسروں کے لئے اقتداء کرنے کا موقع فراہم کرنا

مقصد ہو، نیز یہ مطلب ہو کہ ہر خشک وتر اس کو دیکھ (اور سن) لے، بعض مشائخ ذکر میں پوشیدگی، اور آہستگی کو پسند فرماتے ہیں، اس لئے کہ یہ ریاء و دکھلاوے سے دور ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کا تعلق نیت سے ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی کا بیان مکمل ہوا۔